رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ

مؤلف

حافظ ظہور احمد الحسینی عفی عنہ

فاضل

وفاق المدارس العربیہ پاکستان ٭ جامعہ اشرفیہ لاہور



ناشر

مدرسہ عربیہ حنفیہ تعلیم الاسلام

محلہ زاہد آباد مدینہ مسجد حضرو ☆ ضلع اٹک پاکستان ☆ فون 057-2311400

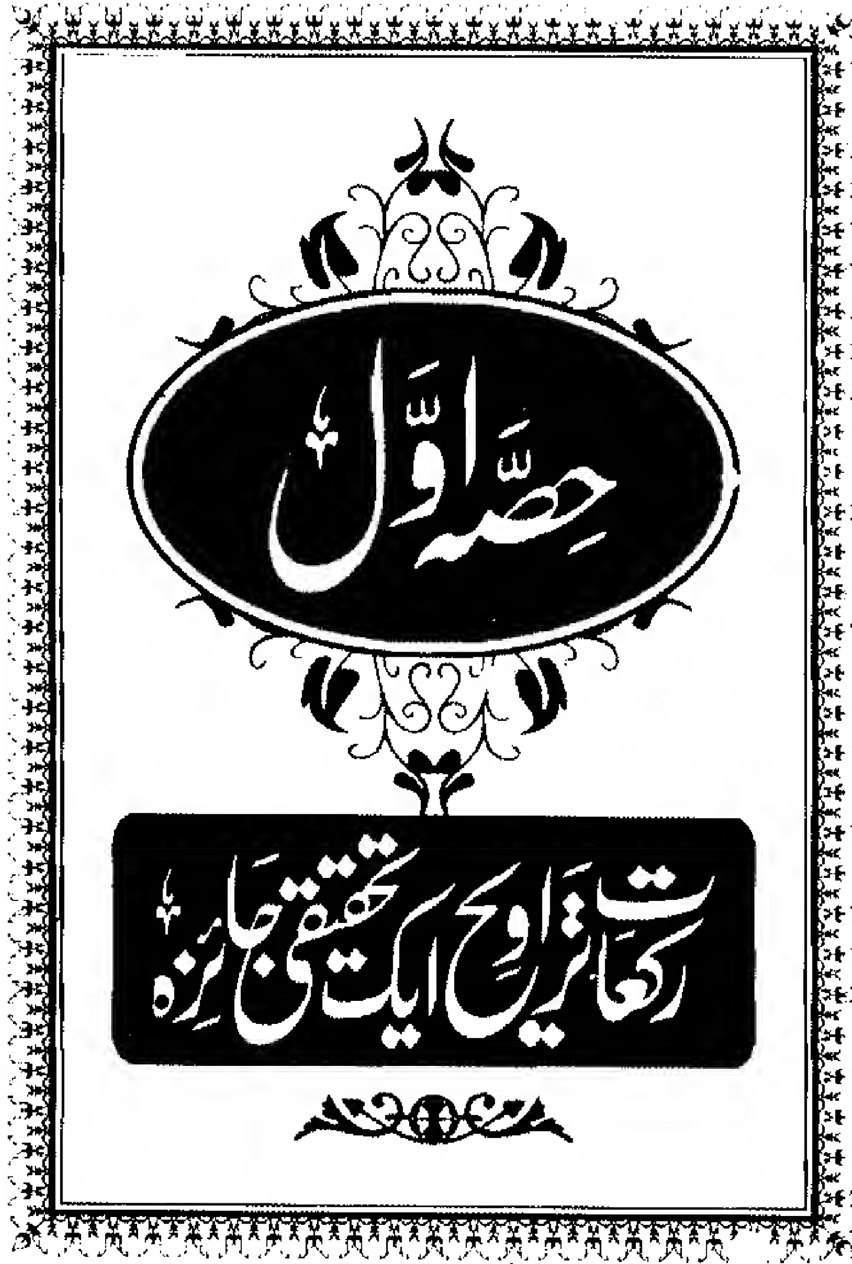
انتساب

احقر اپنی اس کاوش کو امام اہل السنت، پاسبان مسلک حقہ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم کے اسم گرامی سے انتساب کرتا ہے۔ جو اسلاف امت کے جانشین اور اکابر اہل السنت والجماعت علمائے دیوبند کثر اللہ سوادھم کے معتمد علیہ ہیں۔ جنہوں نے تعلیماتِ اکابر اہل السنت والجماعت رحمہم اللہ کی نشر و اشاعت اور مسلک حقہ کی پاسبانی کو اپنا مقصد حیات بنایا اور جن کی تصانیف عالیہ سے ان شاء اللہ ہمیشہ متلاشیانِ حق راہ حق پاتے رہیں گے اور باطل لرزہ براندام رہے گا۔

احقر

حافظ ظہور احمد الحسینی

فہرست مضامین


حصہ اول
رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ

حرفِ اوّلیں



نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الكريم وعلى اله واصحابه الطيبين الطاهرين وعلى من تبعهم باحسان الى يوم الدين۔

امابعد:۔دین اسلام میں نماز کی بہت بڑی اہمیت ہے،اس لیے حدیث میں اس کو عِمادُ الدِّین (دین کا ستون) قرار دیا گیا ہے۔اور پھر یہ ایسی مہتمم بالشان عبادت ہے کہ روزِ قیامت سب سے پہلا سوال نماز ہی کا ہوگا۔

روزِ محشر کہ جاں گداز بود
اوّلین پرسش نماز بود

نماز کی جملہ اقسام میں سے ایک نماز تراویح بھی ہے جو صرف رمضان المبارک میں ادا کی جاتی ہے اور تراویح کی کم از کم تعداد بیس رکعات مسنون ہے۔اس پر خیر القرون سے لے کر تقریبا تیرھویں صدی کے آخر تک تمام عالم اسلام کا اتفاق رہا ہے۔انگریز کے زمانہ میں نومولود جماعت غیر مقلدین جو بزعم خود اہلحدیث کہلاتے ہیں،انہوں نے اس سنّت کا انکار کیا۔افسوس کہ جب سے اس برصغیر (پاک و ہند) پر انگریز منحوس نے اپنے ناپاک قدم رکھے اور بڑے بڑے فتنوں اور مسائل نے جنم لیا وہاں اس فتنہ کی بھی خوب آب وتاب سے آبیاری کی گئی کہ مسلمانوں کے اس اتفاقی عمل کی کوئی شرعی حیثیت نہیں،بیس تراویح پڑھنا قطعاً حدیث سے ثابت نہیں،تراویح تو صرف آٹھ رکعات پڑھنا ہی مسنون ہیں اور اس کے علاوہ تراویح کا کوئی عدد مسنون نہیں بلکہ بدعت اور ناجائز ہے۔گویا صدیوں سے مسلمانوں کے اس اتفاقی عمل کو بھی اختلافات کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔چنانچہ سب سے پہلے ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں ہندوستان کے مشہور شہر اکبرآباد میں ایک غیر مقلد مولوی صاحب نے یہ فتوی دیا کہ تراویح صرف آٹھ رکعات ہیں تو اس فتوی کے خلاف ایک طوفان برپا ہوگیا اور اسی سال مطبع لطافت آگرہ سے ایک رسالہ بنام ''استفتاء

التراویح'' طبع ہوا جس میں اس علاقہ کے تقریباً اٹھارہ (۱۸) علمائے کرام کے پرزور فتوے طبع ہوئے اور عوام الناس کو اس فتنہ سے آگاہ کیا گیا۔ [1]

اسی طرح خطہ پنجاب میں سب سے پہلے جس شخص نے تراویح کے آٹھ ہونے اور بیس تراویح کے رد میں فتوٰی جاری کیا وہ بھی ایک غیر مقلد عالم مفتی محمد حسین بٹالوی گورداسپوری [2] تھے۔ انھوں نے یہ فتوٰی ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۲ء میں دیا۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ مفتی بٹالوی صاحب کے فتوٰی کا جواب بھی ان ہی کے ایک اہم مسلک عالم اور غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نزیر حسین صاحب دہلویؒ کے شاگرد خاص مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ ساکن قلعہ میہاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ کی طرف سے آیا۔ میاں صاحب موصوف نے بٹالوی صاحب کے فتوٰی کا جواب پرزور طریقہ سے ایک رسالہ بنام ''رسالہ تراویح'' کی صورت میں لکھا۔ یہ رسالہ سب سے پہلے فارسی زبان میں ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۳ء میں مطبع محمدی لاہور کی طرف سے شائع ہوا اور پھر ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۹۹۵ء میں مولانا سرفراز خان صفدر صاحب دامت برکاتہم کے اردو ترجمہ کے ساتھ مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ سے دوبارہ شائع ہو چکا ہے۔ [3]

---

[1] مقدمہ ترجمہ ''ینابیع''۔ ص ۷

[2] محمد حسین بٹالوی: موصوف جماعت غیر مقلدین کے ایک سرکردہ عالم اور برٹش گورنمنٹ کے نہایت وفادار ساتھی تھے۔ آپ نے انگریز کی وفاداری میں جہاد کی منسوخیت میں ایک مستقل رسالہ بنام ''الاقتصاد فی مسائل الجہاد'' لکھا۔ اس رسالہ میں انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ موجودہ انگریز حکومت کے خلاف جہاد کرنا منسوخ ہے اور پھر آپ کو اس کے معاوضہ میں انگریز حکومت کی طرف سے جاگیر عطا کی گئی۔ چنانچہ مسعود عالم ندوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے اس کے معاوضہ میں سرکار انگریزی سے انہیں جاگیر بھی ملی تھی''۔ ''ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک'' (ص ۲۹) مولوی عبد المجید سوہدروی غیر مقلد لکھتے ہیں:۔ آپ نے (انگریز) حکومت کی خدمت بھی کی اور انعام میں جاگیر پائی۔ سیرت ثنائی'' (ص ۳۷۲)۔ مولانا بٹالوی کی کوششوں سے ہی انگریز حکومت نے فرقہ غیر مقلدین کو جماعت اہلحدیث کا نام الاٹ کیا۔ دیکھئے ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک (ص ۲۱۲)

[3] اس رسالہ کے اقتباسات ہم اس کتاب میں انشاء اللہ جابجا ذکر کریں گے۔

اس فتنہ کے آغاز سے لے کر آج سو سال سے زائد کا عرصہ بیت چکا ہے لیکن یہ فتنہ اب تک موجود ہے اور

جب بھی رمضان المبارک کا مقدس مہینہ جہاں اپنی رحمتیں اور برکتیں لے کر نمودار ہوتا ہے وہاں غیر مقلدین کا یہ غوغا اور شور شرابا بھی سر اٹھالیتا ہے کہ تراویح صرف آٹھ رکعات مسنون ہیں۔ اس سے زیادہ پڑھنا بدعت اور ناجائز ہے اور طرح طرح کے رسائل اور اشتہارات کی بھرمار شروع ہو جاتی ہے۔ عوام الناس چونکہ علم سے کم ہوتے ہیں اس لیے جب وہ غیر مقلدین کا یہ پروپیگنڈہ سنتے ہیں تو وہ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ شاید ہمارے پاس بیس تراویح کے اثبات میں کوئی دلیل موجود نہیں۔ اس لیے علماء اہلسنت والجماعت نے غیر مقلدین کے اس پروپیگنڈہ کے جواب میں بیس تراویح کے ثبوت میں کئی کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی ''الرائی النجیح'' مولانا حبیب الرحمن الاعظمیؒ صاحب کی '' رکعات التراویح'' اور مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری صاحبؒ کی ''التوضیح عن رکعات التراویح'' بطور خاص قابل ذکر ہیں لیکن پھر بھی ضرورت تھی کہ اس موضوع پر ایک جامع ترین کتاب لکھی جائے جس میں غیر مقلدین کے پیدا کردہ تمام شکوک وشبہات کو رفع کیا جائے۔ چنانچہ ہم نے اسی جذبہ کے تحت یہ کتاب ''رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ'' ترتیب دی جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اس کتاب کو ہم نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، حصہ اول میں بیس تراویح کے حق میں ٹھوس اور جامع انداز سے دلائل کو جمع کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ غیر مقلدین کی طرف سے ان دلائل پر وارد شدہ اعتراضات واشکالات کے تحقیقی اور مثبت انداز سے جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔ اور حصہ دوئم میں آٹھ تراویح کے اثبات میں ذکر کردہ دلائل کا جائزہ لیا گیا ہے ہم نے کوشش کی ہے کہ کتاب میں شروع سے لے کر آخر تک جو بات بھی لی جائے وہ مستند اور باحوالہ ہو، اور تمام دلائل کو فریق ثانی (غیر مقلدین) کے مُسلّمات کی روشنی میں ذکر کیا گیا ہے اس لئے قارئین کو کتاب کے ہر عنوان میں فریق ثانی کے معتبر علماء کے حوالے ملیں گے۔

مقدّمہ

مقدمہ [1] میں تراویح سے متعلق چندضروری مباحث پیش خدمت ہیں۔انشاء اللہ ان کے ذہن نشین ہونے کے بعد کتاب ھٰذا کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔واللہ الموفق للصواب۔

(۱)لفظ تراویح

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:۔''والتراویح جمع ترویحۃ وھی المرۃ الواحدۃ من الراحۃ کتسلیمۃ من السلام'' [2] تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ ایک دفعہ آرام کرنے کو کہتے ہیں جیسے تسلیمہ ایک دفعہ سلام پھیرنے کو کہتے ہیں۔علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں:۔''والتراویح جمع ترویحۃ ویجمع ایضا علیٰ ترویحات'' [3] تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ کی جمع ترویحات بھی آتی ہے۔

(۲)نماز تراویح کی وجہ تسمیہ

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نماز تراویح کی وجہ تسمیہ یوں بیان کرتے ہیں:''سمیت الصلوۃ فی الجماعۃ فی لیالی رمضان التراویح لانھم اول مااجتمعوا علیھا کانوا تر یحون بین کل تسلیمتین'' [4]

جو نماز رمضان کی راتوں میں باجماعت ادا کی جاتی ہے اس کا نام تراویح رکھا گیا ہے۔اس لئے کہ جب صحابہ کرامؓ پہلی مرتبہ اس نماز پر مجتمع ہوئے تو وہ ہر دو سلام (چار رکعتوں) کے بعد ترویحہ یعنی آرام کیا کرتے تھے۔

''فتاوٰی علمائے حدیث'' میں ہے کہ:۔''نماز تراویح کی تعریف علماء نے یہ لکھی ہے کہ نماز تراویح وہ

---

[1] یہ مقدمہ چند اضافہ جات کے ساتھ علیحدہ بھی بنام ''مسنون نماز تراویح'' چھپ چکا ہے [2] فتح الباری ۴/۷۷۸
[3] عمدۃ القاری ۸/۲۴۱ [4] فتح الباری ۴/۷۷۸

نماز ہے جو ماہ رمضان کی راتوں میں عشاء کے بعد باجماعت پڑھی جائے اور اس نماز کا نام تراویح اس لیے رکھا گیا ہے کہ لوگ اس میں ہر چار رکعت کے بعد استراحت کرنے لگے کیونکہ تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ کے معنی ایک دفعہ آرام کرنے کے ہیں۔ ۱

(۳) نمازِ تراویح کی ابتداء۔

تراویح کی نماز سب سے پہلے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں شروع ہوئی اور خود نبی کریم ﷺ نے اس سنت کا آغاز فرمایا۔ اس کے بعد دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو تراویح کی ایک جماعت پر جمع فرمایا۔ چنانچہ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:۔

''واول من سنّۃ رسول اللہ ﷺ……ونسبت الی عمر رضی اللہ عنہ لانہٗ جمع الناس علی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ'' ۲ سب سے پہلے نمازِ تراویح کی سنت رسول اللہ ﷺ نے شروع فرمائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اس کی نسبت اس لئے کی جاتی ہے کہ انھوں نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت پر جمع فرمایا۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ رقمطراز ہیں:۔ وصلاۃ التراویح سنّۃ مؤکدۃ، سنّھا رسول اللہ ﷺ وتنسب الی عمر رضی اللہ عنہ لانہٗ جمع النّاس علی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ۳ تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو مسنون کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اس سنّت کی نسبت اس لیے کی جاتی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت پر جمع فرمایا۔

﴿۴﴾ نمازِ تراویح عہدِ نبوی میں

آنحضرت ﷺ سے آپ کی پوری زندگی میں صرف تین رات باجماعت نمازِ تراویح پڑھنا ثابت ہے اس کے بعد آپ ﷺ نے اس اندیشہ سے کہ کہیں یہ نماز امت پر فرض نہ ہو جائے، اس کو باجماعت ادا کرنا ترک کر دیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے اپنے گھروں میں انفرادی طور پر نماز پڑھنے کی تاکید فرمادی۔ نبی ﷺ کی اس تین دن کی نماز کو متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عائشہؓ، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور حضرت نعمان بن

۱۔ ۲/۲۳۱ ۲۔ المغنی ۱/۸۰۲۔ ۳۔ مجموع مؤلفات الشیخ محمد بن عبدالوہاب ۴/۱۱۷۔

بشیر ﷺ وغیرہ نے مختلف الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ [1] ان تین دنوں میں نبی ﷺ نے صحابہ کرام کو تراویح کی کتنی رکعات پڑھائیں؟ اس بارہ میں کسی بھی صحیح السند روایت میں کچھ منقول نہیں، اور اس موضوع پر جتنی بھی روایات ذکر کی جاتی ہیں وہ یا تو سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں یا اُن روایات کا مسئلہ تراویح سے کوئی تعلق نہیں ہے [2] اور خود غیر مقلدین کے اکابر کو بھی یہ بات تسلیم ہے کہ کسی بھی صحیح روایت میں رسول اللہ ﷺ سے رکعات تراویح کی تعداد مروی نہیں ہے چنانچہ اس موضوع پر چند علمائے غیر مقلدین کی آراء ملاحظہ کریں۔

(۱) قاضی محمد شوکانی صاحب غیر مقلد اس موضوع پر تمام روایات کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

"والحاصل ان الذی دلت علیه احادیث الباب ومایشابهها هو مشروعیة القیام فی رمضان والصلاة فیه جماعة وفرادیٰ، فقصر الصلاة المسماة بالتراویح علیٰ عدد معین وتخصیصها بقراءة مخصوصة لم یرد به سنة"۔ [3]

حاصل یہ ہے کہ اس باب میں ذکر کردہ احادیث اور ان کی ہم مثل دوسری احادیث سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ صرف رمضان میں قیام اور اس کو اکیلے اور با جماعت ادا کرنے کی مشروعیت ہے، پس اس نماز کو جس کا نام تراویح ہے اس سے کوئی عدد معیّن کر لینا اور اس کو کسی مخصوص قراءۃ کے ساتھ خاص کر دینا سنّت سے ثابت نہیں۔

---

[1] دیکھئے "بخاری" ۱/ ۲۶۹، "مسلم" ۱/ ۲۵۹، "نسائی" ۱/ ۲۳۸ وغیرہ۔

[2] جس طرح ان تین راتوں میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کی تعداد رکعات کسی صحیح مرفوع روایت میں وارد نہیں ہوئی، اسی طرح آپ ﷺ نے ان تین راتوں کے علاوہ جتنے دن اپنے گھر میں یہ نماز ادا فرمائی اس کی تعداد رکعات بھی کسی صحیح السند روایت میں منقول نہیں۔ البتہ ایک مشہور روایت جو کہ حضرت ابن عباس ﷺ مروی ہے، میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔ "مصنف ابن ابی شیبہ" وغیرہ لیکن اس روایت کا ایک راوی ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ متکلم فیہ ہے مگر چونکہ اس روایت کی تائید میں خلفائے راشدین و دیگر صحابہ ﷺ کے آثار موجود ہیں اور امت کی تلقی بالقبول بھی اس روایت کو حاصل ہے۔ اس وجہ سے یہ روایت قابل عمل ہے اس کی تفصیل شروع کتاب میں ملاحظہ کریں۔

[3] "نیل الاوطار" شرح منتقی الاخبار (۳/ ۵۳)۔

(۲) علامہ وحید الزمان صاحب غیر مقلد مترجم صحاح ستہ لکھتے ہیں:۔ ”ولا یتعین **لصلوة** لیالی [illegible] “۔ [1] رمضان المبارک کی راتوں کی نماز یعنی تراویح [illegible] (احادیث میں) کوئی عدد معین نہیں۔

(۳) غیر مقلدین کے مجدد اور سب سے بڑے محقق مولانا نواب صدیق حسن خان صاحب تحریر کرتے ہیں :۔ ”ولم یات تعین العددفی الروایات الصحیحة المرفوعة“ [2] تراویح کا کوئی معین عدد (نبی علیہ السلام سے) کسی بھی صحیح مرفوع روایت میں وارد نہیں ہوا۔

(۴) نواب صاحبؒ کے صاحبزادے اور مشہور غیر مقلد عالم نواب نورالحسن خان صاحبؒ بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ ”وبالجملة عددیے معیّن در مرفوع نیامده“ [3]

خلاصہ یہ ہے کہ کسی مرفوع روایت میں تراویح کا کوئی معین عدد مذکور نہیں۔

(۵) تراویح عہد خلفائے راشدین میں :۔

گذشتہ سطور میں یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں صرف تین رات تراویح کو جماعت کے ساتھ ادا فرمایا اور پھر اس کے بعد صحابہ کرام ﷺ کو تلقین فرمادی کہ وہ اس نماز کو اپنے اپنے گھروں میں پڑھیں اور خود بھی وفات تک اس کو گھر میں ہی پڑھتے رہے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے پورے زمانہ خلافت اور حضرت عمر فاروق ؓ کے ابتدائی ایام خلافت میں یہی صورت حال رہی کہ سب لوگ انفرادی طور پر بلا جماعت یا پھر چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں منقسم ہو کر تراویح ادا کرتے تھے۔ چونکہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو خلافت پر فائز ہوتے ہی مختلف قسم کے فتنوں کا مقابلہ کرنا پڑا، فتنہ منکرین زکوٰۃ، فتنہ مرتدین قبائل اور جھوٹے مدعیان نبوت (مسیلمہ کذاب وغیرہ) کے طرح طرح کے فتنے آپ کے دور خلافت میں نمودار ہوئے اور پھر آپ کا عرصہ خلافت بھی بہت قلیل تھا۔ اس طرح آپ کا پورا وقت ہی ان فتنوں کی سرکوبی اور بیخ کنی کی نظر ہو گیا اور کسی اور طرف متوجہ ہونے کا آپ

---

[1] ۔نزل الابرار (۱/۱۲۶)۔ [2] ۔الانتقاد الرجیح (ص ۶۱)۔ [3] العرف الجاری (ص ۸۴)۔

کوموقع ہی نہ مل سکا۔لہذا تراویح کا معاملہ اسی طرح رہا۔لیکن حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کے بعد جب خلافت کی باگ ڈور حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھوں میں لی تو اس وقت حالات پرسکون ہو چکے تھے اور فتنے بھی ختم ہو چکے تھے۔اس لئے حضرت عمرؓ کو اس پرسکون فضا میں دین کی اشاعت کا کام آسانی سے کرنے کا موقع مل گیا۔چنانچہ آپؓ نے جہاں دین کے اور بہت سے کام شروع کروائے اس طرح آپ تراویح کے مسئلہ کی طرف بھی متوجہ ہوئے اور اپنے زمانہ خلافت کے دوسرے سال یعنی رمضان المبارک ۱۴ھ میں پھر سے ایک امام کی اقتداء میں سب لوگوں کو تراویح کی جماعت پر اکٹھا فرمادیا اور مشہور صحابی حضرت ابی بن کعبؓ اس جماعت کے امام مقرر ہوئے۔اس طرح نبی کریم ﷺ کی اس سنت کو جس کو آپ ﷺ نے امت پر فرض ہونے کے خوف سے ترک کردیا تھا، حضرت عمر فاروقؓ نے بحیثیت خلیفہ راشد ہونے کے اس کو پھر سے جاری فرمادیا۔ [1] حدیث کی کتابوں میں اس واقعہ کی تفصیل مذکور ہے۔چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاریؓ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ میں (دور فارقی میں) رمضان المبارک کی ایک رات حضرت عمر بن خطابؓ کے ہمراہ مسجد (نبوی) کی طرف جانکلا تو دیکھا کہ لوگ مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں، کوئی تو اکیلا نماز (تراویح) پڑھ رہا ہے اور کوئی نماز پڑھا رہا ہے اور لوگ اس کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: بخدا میرا خیال ہے کہ اگر ان سب لوگوں کو ایک قاری (امام) کی اقتداء میں جمع کردیا جائے تو بہت اچھا ہو۔پھر انھوں نے سب کو حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں جمع کردیا۔

حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ پھر میں جب کسی دوسری رات حضرت عمرؓ کے ساتھ (مسجد کی طرف) سے گزرا تو دیکھا سب لوگ اپنے قاری (ابی بن کعبؓ) کی اقتداء میں نماز (تراویح) پڑھ رہے ہیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: "نعم البدعة هذه یہ بدعت (نئی چیز) بہت اچھی ہے۔ [2]

(۶) خلفائے راشدین کے دور میں رکعات تراویح کی تعداد۔ خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروقؓ

---

[1] ۔دیکھئے طبقات ابن سعد (۳/۲۰۲)، العرف الشذی (ص ۳۰۹) وغیرہ۔ [2] بخاری (۱/۲۶۹)، موطا امام مالک (ص ۷۱) وغیرہ

نے ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں جو جماعت تراویح کی قائم فرمائی تھی اس کی رکعات کی تعداد میں اختلاف ہے۔ چنانچہ نواب نور الحسن صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:۔ ''و در قدر صلوٰۃ أبی اختلاف است که از یازده تابست و یک و بست و سه''۔[1] حضرت ابی بن کعبؓ نے جو تراویح کی نماز پڑھائی تھی تو اس کی تعداد میں اختلاف ہے گیارہ سے اکیس اور تیئس رکعات تک مروی ہے۔

ان اقوال میں سے راجح اور صحیح قول سند کے اعتبار سے کیا ہے؟ اس کی تحقیق تو انشاء اللہ کتاب میں اپنے مقام پر آئے گی۔ ہم نے یہاں صرف یہ جائزہ لینا ہے کہ علمائے محققین جو روایات کے پرکھنے کے ماہر ہیں ان کی تحقیق کیا ہے؟ اور ان کے نزدیک حضرت عمرؓ کی قائم کردہ جماعت تراویح کی رکعتوں کی تعداد کیا تھی؟ آیئے چند مشہور اور کبار محققین کی آراء ملاحظہ کریں۔

مشہور اور کبار محققین کی آراء:

(۱) امام محمد بن ادریس الشافعیؒ فرماتے ہیں:۔

''فاماقیام شهر رمضان احب الی عشرون لانه روی عن عمرؓ''۔[2]

رمضان المبارک میں قیام (تراویح) کی مجھے بیس رکعتیں پڑھنا پسندیدہ ہے کیونکہ یہ حضرت عمرؓ سے منقول ہیں۔

(۲) امام ابوعیسیٰ الترمذیؒ فرماتے ہیں:۔

''واکثر اهل العلم علیٰ ماروی عن علیؓ وعمرؓ وغیرهما من اصحاب النبی ﷺ عشرین رکعةً''۔[3]

اکثر اہل علم بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں جو حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ اور نبی ﷺ کے دیگر صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں۔

(۳) عظیم محقق علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ بیس رکعات کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

---

[1] العرف الجاری (ص۸۴)   [2] کتاب الام (۱/۱۲۵)   [3] جامع الترمذی (۱/۹۹)

''وھو صحیح عن ابی بن کعب من غیرخلاف من الصحابۃ۔'' [۲]

حضرت ابی بن کعب ﷺ سے بھی صحیح طور پر یہی ثابت ہے اور کوئی صحابی اس کا مخالف نہیں ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ﷺ سے جو گیارہ رکعات کا قول نقل کیا جاتا ہے، وہ صرف وہم ہے۔ [۱]

(۴) علامہ ابن قدامہ حنبلی تحریر فرماتے ہیں:۔

''ان عمر ﷺ لما جمع الناس علی ابی بن کعب ﷺ کان یصلی لھم عشرین رکعۃ''۔ [۲]

حضرت عمر ﷺ نے جب لوگوں کو حضرت ابی بن کعب ﷺ پر جمع کیا تو وہ ان کو بیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔

(۵) شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ اپنے فتاوی میں رقم طراز ہیں:۔

''ولما جمع عمر علیٰ ابی بن کعب ﷺ کان یصلی بھم عشرین رکعۃ ثم یوتر بثلاث'' [۳]

جب حضرت عمر ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ کو حضرت ابی بن کعب ﷺ کی اقتداء میں جمع کیا تو وہ انہیں بیس رکعت تراویح اور پھر تین وتر پڑھاتے تھے۔

(۶) امام تقی الدین ابوبکر الحصنیؒ فرماتے ہیں:۔

''فجمعھم علی ابی بن کعب ﷺ وواظب لھم عشرین رکعۃ واجمع الصحابۃ ﷺ معہ علی ذالك''۔ [۴]

حضرت عمر ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ کو حضرت ابی بن کعب پر جمع فرمایا اور تراویح کی بیس رکعتیں ان کے لئے ہمیشہ کے لیے مقرر فرمائیں اور سب صحابہ ﷺ نے حضرت عمر ﷺ کے ساتھ اس بات پر اتفاق کرلیا۔

(۷) امام زین الدین عراقیؒ (استاذ حافظ ابن حجر عسقلانی) لکھتے ہیں:

---

[۲] عمدۃ القاری شرح بخاری (ج ص) [۱] دیکھئے زرقانی شرح مؤطا (۲۱۵/۱)۔ [۲] المغنی (۷۹۹/۱)

[۳] مجموعۃ الفتاوی (۵۲۰/۱۱) مطبوعہ ریاض [۴] کتاب الاخیار (۱۷۲/۱)

[illegible] جمع الناس علی صلاۃ التراویح فی شہر رمضان مقتدین بابی بن [illegible] عشرین رکعۃ غیر الوتر وھو ثلاث رکعات[1]۔

جب حضرت عمر نے لوگوں کو رمضان المبارک کے مہینہ میں نماز تراویح کے لیے حضرت ابی بن کعب کی اقتداء میں جمع کیا تو وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

(۸) غیر مقلدین کے مسلمہ شیخ الاسلام شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ رقم طراز ہیں:۔

"ان عمر ﷺ جمع الناس علیٰ ابی بن کعب ﷺ یصلی بھم عشرین رکعۃ"[2]۔

حضرت عمر ﷺ نے لوگوں کو ابی بن کعب ﷺ کی امامت پر جمع کیا تو وہ انھیں بیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔

(۹) نواب صدیق حسن خان صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

"وبست رکعت زیادت عمر بن الخطاب است"۔ [3]

بیس رکعات تراویح میں بارہ رکعات کا اضافہ حضرت عمر ﷺ کے حکم سے ہوا۔

(۱۰) مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ غیر مقلد بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عمر ﷺ کی قائم کردہ جماعت تراویح کی تعداد بیس تھی [4]۔

تلک عشرۃ کاملۃ

---

[1] طرح التثریب فی شرح التقریب (۸۸/۳)

[2] مجموع مؤلفات الشیخ محمد بن عبدالوہاب (ص۴/ ۱۱۷)

[3] ہدایۃ السائل (ص۱۳۸) بحوالہ رکعات التراویح (ص۹۴) مؤلفہ مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ

[4] دیکھیے رسالہ تراویح مع ترجمہ "ینابیع" (ص۱۰)

ناظرین!

اسلاف امت اور علمائے کرام کی مذکورہ تصریحات سے ثابت ہوگیا کہ حضرت عمرؓ کی قائم کردہ جماعت کی تعداد جو صحیح طور پر ثابت ہے، وہ صرف بیس رکعات ہے کیونکہ ان حضرات نے یہاں حضرت عمرؓ سے بیس رکعات کا تذکرہ فرمایا لیکن انھوں نے بیس کے علاوہ کسی اور عدد کا بھولے سے بھی ذکر نہیں کیا۔ اگر حضرت عمرؓ سے بیس رکعات کے علاوہ کوئی اور عدد ثابت ہوتا تو یہ حضرات اس کو بھی ضرور ذکر کرتے، اس کے بالمقابل آپ کو تیرہ سو سال میں ایک بھی کوئی ایسی قابل قدر ہستی نہیں نظر آئے گی جس نے یہ کہا ہو کہ حضرت عمرؓ نے بیس کے علاوہ کسی اور عدد کا حکم فرمایا تھا۔ لہٰذا یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑے گی کہ حضرت عمرؓ نے تراویح کی جو جماعت تشکیل دی تھی اس کی صحیح تعداد بیس رکعات تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی المرتضٰیؓ یکے بعد دیگرے اقتدار خلافت پر جلوہ افروز ہوئے، ان دونوں حضرات کے دور خلافت میں بھی حضرت عمرؓ کے دور کی طرح بیس تراویح کا ہی رواج رہا۔ حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضٰی کے دور خلافت میں بیس رکعات کی تفصیلی روایات انشاء اللہ آگے آرہی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت راشدہ کے اس دور میں تراویح بیس رکعات ہی پڑھی جاتی تھیں۔

(۷) حضرات خلفائے راشدین کا طریقہ بھی عین سنت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کو جس طرح سنت کہا جاتا ہے اسی طرح حضرات خلفائے راشدین کا جاری کردہ طریقہ بھی سنت کی تعریف میں داخل ہے۔ چنانچہ حافظ ابن رجب حنبلیؒ سنت کی تعریف میں لکھتے ہیں: والسنة هي الطريق المسلوك فيشتمل ذالك التمسك بما كان عليه هو و خلفاء الراشدون من الاعتقادات والاعمال والاقوال وهذه هي السنة الكاملة"[1] سنت اس طریقہ کا نام ہے جس پر چلا جائے اور یہ اس (طریقہ کا) تمسک ہے جس پر آنحضرت ﷺ اور

---

[1] جامع العلوم والحکم (۱/۱۹۱) بحوالہ "راہ سنت" (ص ۳۱)۔

آپ کے خلفائے راشدین عامل تھے، چاہے وہ اعتقادات ہوں یا اعمال یا اقوال اور یہی سنت کاملہ ہے۔ چونکہ بیس تراویح کی جماعت حضرت عمرؓ نے قائم کی جو خلفائے راشدین میں سے ہیں اور ان کے بعد خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ اور خلیفہ رابع حضرت علی المرتضیٰؓ نے آپ کی موافقت کی ہے۔ لہذا بیس تراویح کی جماعت بھی عین سنت ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''فلما كان عمر ؓ جمعهم على امام واحد وهوابى بن كعب ؓ الذى جمع الناس عليه بامر عمربن الخطاب ؓ وعمر ؓ هومن خلفاء الراشدين حيث يقول ﷺ عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدى عضوا عليها بالنواجذيعني اضراس لانهااعظم في القوة وهذاالذى فعله هو السنة'' [1]

جب حضرت عمرؓ نے سب لوگوں کو ایک امام پر جمع فرمادیا اور وہ امام حضرت ابی بن کعبؓ ہیں کہ جن کی امامت پر لوگ حضرت عمر بن الخطابؓ کے حکم پر جمع ہوئے اور حضرت عمرؓ خلفائے راشدین میں سے ہیں جنکی بابت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے اس کو ڈاڑھوں سے مضبوط پکڑو۔الحدیث۔ نبی ﷺ نے ڈاڑھوں کا ذکر اس لئے کیا کہ یہ پکڑنے میں زیادہ مضبوط ہوتی ہیں۔الغرض حضرت عمرؓ نے جو کام سرانجام دیا وہ بالکل سنت ہے۔

(۸) بیس تراویح سنت مؤکدہ ہیں:۔

جس سنت پر رسول اللہ ﷺ یا آپ کے خلفاء نے ہمیشگی نہ کی ہو بلکہ اس کو انھوں نے کبھی کبھی سرانجام دیا ہو اس کو تو سنت غیر مؤکدہ کہتے ہیں لیکن جس کام کو آپ ﷺ یا آپ کے خلفائے راشدین نے ہمیشہ کیا ہو اور اس پر مواظبت فرمائی ہو اس کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں۔ چونکہ بیس تراویح حضرات خلفائے راشدینؓ کی قائم کردہ ہیں اور اس پر انہوں نے مواظبت بھی کی ہے لہذا بیس تراویح کا پڑھنا بھی سنت مؤکدہ ہے۔

---

[1] فتاوی ابن تیمیہ (۲۲/۲۳۴) بحوالہ نماز پیمبر (ص ۲۵۴)۔

علمائے کرام نے بیس تراویح کے سنت مؤکدہ ہونے کی باقاعدہ تصریح کی ہے۔ چنانچہ چند حوالے ہدیۂ ناظرین ہیں۔

(۱) حجۃ الاسلام امام محمد الغزالیؒ فرماتے ہیں:۔

التراویح وھی عشرون رکعۃ و کیفیتھامشھورہ وھی سنۃ مؤکدۃ ۔ ۱؎

تراویح بیس رکعات ہیں اوران کی کیفیت مشہور ہے اور یہ سنت مؤکدہ ہیں۔

(۲) مشہور محدث امام ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:۔

''وقیام شھررمضان عشرون رکعۃیعنی صلوۃ التراویح وھی سنۃ مؤکدۃ ۲؎

قیام رمضان یعنی نماز تراویح بیس رکعات ہیں اور یہ سنت مؤکدہ ہیں۔

(۳) عظیم محقق علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:۔

''التراویح سنۃ مؤکدۃلمواظبۃالخلفاء الراشدین اجماعابعدصلوۃ العشاء وھی عشرون رکعۃ'' ۳؎

نماز عشاء کے بعد تراویح کا سنت مؤکدہ ہونا بالاتفاق خلفائے راشدین کی مواظبت سے ثابت ہے اور وہ بیس رکعات ہیں۔

(۴) علامہ عبدالحی صاحب لکھنویؒ فرماتے ہیں:۔

وصرحواایضابان عشرین رکعۃ سنۃ مؤکدۃ۔ ۴؎

علمائے کرام نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ بیس تراویح سنت مؤکدہ ہیں۔

علامہ (ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی) ارقام فرماتے ہیں:

صلوۃالتراویح اوقیام شھررمضان عشرون رکعۃ وھی سنۃ مؤکدۃ۔ ۵؎

نماز تراویح یا قیام رمضان بیس رکعات ہیں اور یہ سنت مؤکدہ ہیں۔

۱؎ احیاء العلوم''(۱/۱۶۷) ۲؎ المغنی(۱/۸۰۲) ۳؎ ردالمحتار(۱/۵۲۱)

۴؎ تحفۃ الاخیار ص(۴۰) ۵؎ الفقۃ الاسلامی وادلتہ(۲/۷۲)

(۹) بیس رکعات سے کم تراویح پڑھنا گناہ اور موجب وبال ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ بیس تراویح سنت مؤکدہ ہیں اور سنت مؤکدہ کا عمداً ترک کرنا عصیان اور گناہ ہے۔لھذا بیس تراویح سے کم پڑھنا گناہ اور سنت مؤکدہ کا ترک کرنا ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ (جو غیر مقلدین کے ہاں بھی بڑی قابل قدر شخصیت ہیں [۱]) اس بات کو نہایت واضح طریقہ سے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ان مجموع عشرين ركعةفي التراويح سنة مؤكدہ لانه مماواظب عليه الخلفاء وان لم يواظب عليه النبي ﷺوقدسبق ان سنةالخلفاء ايضالازم الاتباع وتاركهاآثم وان كان اثمه دون اثم تارك السنةالنبوية فمن اكتفى علىٰ ثمان ركعات يكون مسيئالتركه سنة الخلفاء وان شئت ترتيبه علىٰ سبيل القياس فقل عشرون ركعة في التراويح مماواظب عليه الخلفاء الراشدون وكل مماواظب عليه الخلفاء سنة مؤكدة ثم تضمه مع ان كل سنة مؤكدة يائم تاركها،فينتج عشرون ركعة يائم تاركهاومقدمات هذالقياس قد اثبتناها في الاصول السابقة۔ [۲] ترجمہ: تراویح میں بیس رکعات سنت مؤکدہ ہیں اس لئے کہ اس پر خلفائے راشدین نے ہیشگی کی ہے اگر چہ حضور ﷺ نے اس پر ہیشگی نہیں کی، اور پہلے یہ گزر چکا ہے کہ خلفائے راشدین کی سنت بھی واجب الاتباع ہے اور اس کو چھوڑنے والا گناہ گار ہے اگر چہ اس کا گناہ حضور ﷺ کی سنت ترک کرنے والے سے کم درجہ کا ہے۔لھذا جو شخص آٹھ رکعات پر اکتفاء کرے وہ

---

[۱] علامہ عبدالحی لکھنویؒ۔ مولانا ارشادالحق اثری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: برصغیر پاک وہند میں جن حضرات کو تبحر علمی، جودت وذہانت، فہم وفراست اور زہد وتقوی کے ساتھ ساتھ کثرت تصنیف کا شرف حاصل ہے، ان میں حضرت مولانا علامہ عبدالحی لکھنویؒ بھی ہیں۔ اثری صاحب مزید لکھتے ہیں:۔ مولانا لکھنوی فقہی مکتب فکر کے اعتبار سے حنفی علماء میں شمار ہوتے ہیں مگر ان کے ہاں وہ فقہی جمود نہیں جو عموماً برصغیر کے حنفی علماء میں پایا جاتا ہے ہفت روزہ الاعتصام ۴ جون تا ۱۰ جون ۱۹۹۹ء ص ۲۰، ۲۱۔ع والفضل ما شہدت بہ الاعداء [۲] تحفۃ الاخیار" (ص ۶۷۔ ۶۸) مشمولہ مجموعہ رسائل لکھنویؒ (۴/ ۳۰۷۔ ۳۰۸)

برا کام کرنے والا ہے کیونکہ اس نے خلفائے راشدین کی سنت کوترک کیا۔اگرتم قیاسی طریقہ پراس کی ترتیب سمجھنا چاہوتو یوں کہو: بیس رکعت تراویح پر خلفائے راشدین نے مواظبت کی اور جس پر خلفائے راشدین نے مواظبت کی ہو وہ سنت مؤکدہ ہے لھذا بیس رکعت بھی سنت مؤکدہ ہیں۔ پھراس کے ساتھ یہ بھی ملاؤ کہ ہرسنت مؤکدہ کوترک کرنے والا گناہ گار ہوتا ہے لھذا بیس رکعات کا تارک بھی گناہ گار ہو گا۔اس قیاس کے مقدمات ہم سابقہ اصول میں ثابت کر چکے ہیں۔

(۱۰) تراویح تہجد کی نماز سے الگ ایک جدا نماز ہے۔

نماز تراویح اور نماز تہجد دونوں جداگانہ نمازیں ہیں۔ جونماز اول شب میں ادا کی جاتی ہے اس کونماز تراویح یا قیام رمضان کہا جاتا ہے اور جونماز آخر شب میں پڑھی جائے اس نماز کوتہجد یا قیام اللیل کہتے ہیں۔ یہ تمام اہل اسلام کا متفقہ مسئلہ ہے لیکن آج کل کے غیر مقلدین حضرات جس طرح رکعات تراویح کے مسئلہ میں تمام اہل سنت والجماعت سے کٹ کرصرف آٹھ تراویح کے قائل ہیں اسی طرح اس جماعت کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ اس جماعت کے ایک سرکردہ رکن مولوی عبداللہ چکڑالوی (جو بعد میں منکر حدیث ہوگئے تھے) نے سب سے پہلے یہ اعلان کیا کہ نماز تراویح اور نماز تہجد دونوں ایک ہی نماز ہیں اور چونکہ یہ انوکھا مسئلہ جس طرح تمام اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف تھا اسی طرح یہ مسئلہ خود غیر مقلدین کے اکابر کی تصریحات سے بھی متصادم تھا اس لئے خود جماعت غیر مقلدین میں بھی اس کی مخالفت کی گئی۔ چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الاسلام، فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے سب سے پہلے اس فتوی کے خلاف آواز اٹھائی اور مولوی چکڑالوی کی زبردست تردید کی۔ چنانچہ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

ایسے صاف اور صحیح جواب کو پا کر بھی ان مولوی صاحب (عبداللہ چکڑالوی) نے قبول نہیں کیا بلکہ اس کے جواب میں بہت کوشش کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے وقت کی نماز اور پچھلے وقت کی نماز ایک ہی ہے دو نہیں یہی تراویح جو اول وقت میں پڑھی جاتی ہے تہجد کی نماز ہے اور کوئی نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس دعوی پر بھی کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے خلاف دلیل موجود ہے۔ کیونکہ تہجد کے معنی نیند سے اٹھ

کرنماز پڑھنا قاموس میں ہے تَہَجَّدَ اِسْتَیْقَظَ اِنْتَھٰی ۔ [1]

موجودہ غیر مقلدین بھی عبداللہ چکڑالوی کی تقلید میں تراویح اور تہجد دونوں کوایک ہی نماز قرار دیتے ہیں لیکن ان کے شیخ الاسلام کا فرمان ابھی گزرا کہ اس دعوٰی پر کوئی بھی دلیل موجود نہیں ہے پھر غیر مقلدین کس دلیل کی بنیاد پر دونوں نمازوں کوایک قرار دیتے ہیں۔

؎ اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا　　لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

تراویح اور تہجد میں وجوہ فرق: نماز تراویح اور نماز تہجد میں کئی وجوہ سے فرق ہے لیکن ہم بطور نمونہ مشتے از خروارے صرف دس وجوہ فرق بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) تراویح کو قیام رمضان جبکہ تہجد کو قیام اللیل کہتے ہیں اور یہ دونوں جدا جدا نمازیں ہیں۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں واما قیام اللیل فھو غیر قیام رمضان [2]۔
قیام اللیل قیام رمضان کے علاوہ ہے۔

(۲) تراویح اور تہجد کا وقت بھی جدا جدا ہے۔ چنانچہ فتاوٰی علمائے حدیث میں ہے: تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد اول شب کا ہے اور تہجد کا آخر شب کا ہے [3]۔

مولانا ثناءاللہ امرتسری لکھتے ہیں: ۔تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے اول شب میں تہجد نہیں ہوتی [4]۔
مولانا صلاح الدین یوسف صاحب غیر مقلد (سابق ایڈیٹر ہفت روزہ الاعتصام) لکھتے ہیں: بہر حال تہجد کا مفہوم رات کے پچھلے پہر اٹھ کر نوافل پڑھنا ہے، ساری رات قیام اللیل کرنا خلاف سنت ہے۔ نبی ﷺ رات کے پہلے حصے میں سوتے اور پچھلے حصے میں اٹھ کر تہجد پڑھتے۔ یہی طریقہ سنت ہے [4]۔
جبکہ تراویح کے متعلق حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کی ستائیسویں شب سحری تک پوری رات قیام کیا تھا [5]۔ معلوم ہوا کہ تراویح تہجد سے جدا نماز ہے۔

---

[1] اہل حدیث کا مذہب (ص۹۶) بحوالہ حدیث اور اہل حدیث (ص۶۹۰)　[2] نزل الابرار (ص۳۰۴)　[3] (۶/۲۵۱)
[4] فتاوٰی ثنائیہ (۱/۴۳۱)۔　[4] تفسیری حواشی قرآن مجید (ص۷۸۹) مطبوعہ شاہ فہد قرآن مجید پرنٹنگ پریس سعودی عرب　[5] ابوداؤد (۱/۱۹۵)، ترمذی (۱/۹۹)

(۳) تراویح اور تہجد میں ایک وجہ فرق یہ بھی ہے کہ نماز تراویح بالاتفاق سنت مؤکدہ ہے [1]۔
جبکہ نماز تہجد کسی کے نزدیک بھی سنت مؤکدہ نہیں بلکہ سنت غیر مؤکدہ یا مستحب ہے۔

(۴) نماز تراویح عید کی نماز کی طرح اسلام کے شعائر ظاہرہ (وہ عبادات جن کو بطور اشتہار ادا کیا جاتا ہے) میں سے ہے [2]۔ لیکن تہجد کی نماز شعائر ظاہرہ میں داخل نہیں ہے۔

(۵) نماز تہجد کی مشروعیت بنص قرآنی ہوئی۔ چنانچہ ارشاد باری ہے: ''وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ''۔ [3] اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد پڑھا کیجئے جو کہ آپ کے لیے زائد چیز ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''قُمِ اللَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا''۔ [4]

رات (کے وقت نماز) میں کھڑے ہو جاؤ مگر کم (ترجمہ مولانا جوناگڑھی غیر مقلد)۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا صلاح الدین یوسف صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ آپ چادر چھوڑ دیں اور رات کو تھوڑا قیام کریں یعنی نماز تہجد پڑھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی بناء پر نماز تہجد آپ کے لیے واجب تھی [5]۔ جبکہ نماز تراویح کی مشروعیت احادیث سے ہوئی۔

چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''ان اللہ تبارک وتعالیٰ فرض صیام رمضان وسنۃ لکم قیامہ''۔ [6] بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے رمضان کے روزے کو فرض کیا ہے اور میں نے اس کے قیام (تراویح) کو تمہارے لئے سنت قرار دیا ہے۔

(۶) پہلے یہ گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں صرف تین رات تراویح کو باجماعت مدینہ منورہ کے اندر ادا فرمایا۔ پھر اس خدشہ کا اظہار کرتے ہوئے تراویح کو باجماعت پڑھانا چھوڑ دیا کہ کہیں یہ نماز امت پر فرض نہ ہو جائے، لیکن تہجد کی فرضیت اس سے پہلے ہی مکہ مکرمہ میں منسوخ ہو چکی تھی۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے: ''ان اللہ عزوجل افترض قیام اللیل فی

---

[1] جامع الرموز (۱/۹۵)، المغنی لابن قدامہ (۱/۸۰۲)، وغیرہ
[2] نیل الاوطار (۳/۵۷) للشوکانی غیر مقلد [3] سورۃ بنی اسرائیل آیت: ۷۹
[4] سورۃ المزمل مکیۃ آیت: ۲۔ [5] تفسیری حواشی (ص ۱۶۴۴) [6] سنن نسائی (۱/۳۳۹)

اول هذه السورة فقام نبي الله ﷺ واصحابه حولا وامسك الله تعالى خاتمتها اثنى عشر شهرا في السماء حتى انزل الله في آخر هذه السورة التخفيف فصار قيام الليل تطوعا بعد الفريضة۱ ـ

بے شک اللہ عزوجل نے اس سورۃ (المزمل) کے شروع میں قیام اللیل (تہجد) کو فرض کیا تو نبی ﷺ اور ان کے صحابہ کرام ؓ ایک سال تک قیام یعنی تہجد پڑھتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کے آخری حصہ کو بارہ ماہ تک آسمان میں روکے رکھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کے آخر میں تخفیف نازل کی تو قیام اللیل فرض ہونے کے بعد تطوعاً جاری ہوا۔

اب اگر تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہوتی تو تہجد کی فرضیت تو پہلے سے مکہ مکرمہ میں (کیونکہ سورۃ المزمل مکی ہے) فرض ہو چکی تھی تو پھر دوبارہ مدینہ منورہ میں اس کے فرض ہونے کا کیا خوف تھا جس کا نبی ﷺ نے خدشہ ظاہر فرمایا۔ معلوم ہوا کہ تہجد اور تراویح دونوں علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں۔

(۷) آنحضرت ﷺ، صحابی رسول حضرت طلق بن علی ؓ، امام بخاریؒ اور دیگر ائمہ محدثین سے ثابت ہے کہ وہ تراویح کے بعد تہجد بھی پڑھا کرتے تھے۔ اور خود غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلوی بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔ ذیل میں اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

آنحضرت ﷺ کا تراویح کے بعد تہجد پڑھنا۔

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جن تین راتوں میں صحابہ کرام ؓ کو تراویح پڑھائی، ان میں سے ایک رات آپ ﷺ نے علیحدہ بھی نماز پڑھی اور وہ تہجد کی نماز تھی۔ چنانچہ حضرت انس ؓ سے روایت ہے:

عن انس ؓ قال كان رسول الله ﷺ يصلي في رمضان، فجئت فقمت الى جنبه وجاء رجل فقام ايضا حتى كنا رهطا فلما احس النبي ﷺ انا خلفه جعل يتجوز في الصلاة ثم دخل رحله فصلى صلوة لا يصليها عندنا۲

---

۱ سنن (۱/۲۵۶)، کتاب القراءۃ (ص۳) للبیہقی ۲ مسلم (۱/۳۵۲)

حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ اللہ (ایک رات) رمضان المبارک میں نماز (تراویح) پڑھ رہے تھے، میں آیا اور آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا، ایک دوسرے صحابی ﷺ تشریف لائے وہ بھی اسی طرح کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ ہماری ایک جماعت بن گئی۔ نبی ﷺ نے جب یہ محسوس فرمایا کہ ہم آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہیں تو آپ ﷺ نے نماز کو مختصر کر کے ختم کر دیا اور اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے اور وہاں آپ ﷺ نے وہ نماز (تہجد) پڑھی جو ہمارے پاس نہیں پڑھی تھی۔

اب ظاہر ہے کہ جو نماز آپ ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ کو پڑھائی وہ نماز تراویح تھی اور جو اپنے حجرے میں جا کر نماز پڑھی وہ نماز تہجد تھی۔ کیونکہ آپ ﷺ تہجد کی نماز ہمیشہ اپنے حجرہ میں پڑھتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے آپؓ فرماتی ہیں: ''کان رسول اللہ ﷺ یصلی من اللیل فی حجرتہ ''[1]
رسول اللہ ﷺ رات کی نماز اپنے حجرہ میں پڑھا کرتے تھے۔

علاوہ ازیں حضرت انس کے الفاظ ''یصلی صلوۃ لا یصلیھا عندنا'' بھی صراحتاً اس پر دال ہیں کہ آپ ﷺ نے جو نماز حجرہ میں ادا فرمائی وہ اس نماز سے جدا تھی جو آپ ﷺ نے مسجد میں صحابہ کے ساتھ پڑھی، حجرہ والی نماز نماز تہجد تھی جبکہ آپ ﷺ نے مسجد میں جو نماز ادا کی وہ نماز تراویح تھی۔

صحابی رسول ﷺ حضرت طلق بن علیؓ کا تراویح کے بعد تہجد پڑھنا۔

حضرت طلق بن علی ﷺ کے صاحبزادے حضرت قیس بن طلق اپنے والد کا قصہ بیان کرتے ہیں: ''قال زارنا طلق ﷺ بن علی فی یوم من رمضان وامسی عندنا وافطر ثم قام بنا تلك اللیلة واوتر بنا ثم انحدر الی مسجدہ فصلّی با صحابہ حتی اذا بقی الوتر قدم رجل فقال اوتر باصحابك فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا وتران فی لیلة [2]۔
حضرت قیسؓ بن طلق ﷺ فرماتے ہیں کہ (ہمارے والد) حضرت طلق ﷺ بن علی رمضان المبارک میں ایک دن ہمارے پاس ملاقات کیلئے تشریف لائے اور شام تک ہمارے پاس ہی رہے اور یہیں روزہ افطار کیا۔ پھر آپ ﷺ نے اسی رات ہمیں نماز (تراویح) پڑھائی اور وتر بھی پڑھائے، پھر اپنی مسجد کی طرف

[1] بخاری (۱/۱۰۱)　[2] سنن ابی داؤد (۱/۳۱۰)

گئے اور اپنے ساتھیوں کو نماز (تہجد) پڑھائی یہاں تک کہ وتر باقی رہ گئے تو اپنے ایک ساتھی کو آگے کر دیا اور فرمایا تم اپنے ساتھیوں کو وتر پڑھاؤ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ ایک رات میں دو وتر نہیں ہوتے۔

اس اثر سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے تراویح کے بعد تہجد کی نماز پڑھی کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے جو نماز پہلی دفعہ گھر میں پڑھی پھر اس کو مسجد میں جا کر دوبارہ دہرا دیا ہو اس لئے کہ احادیث میں ایک ہی نماز کو دو دفعہ پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔ لا تصلوا صلوة في يوم مرتين [1] ۔ کہ ایک ہی نماز کو دن میں دو مرتبہ نہ پڑھو۔

امام مالک، امام ابو محمد اور شیخ ابوالحسن زیات بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔

فقہ مالکی کے مشہور محقق علامہ محمد بن عبدریؒ المعروف بہ ابن امیر الحاج نے اپنی کتاب المدخل میں نقل کیا ہے کہ امام دارالھجرۃ حضرت امام مالک، حضرت ابو محمد اور مشہور بزرگ حضرت شیخ ابوالحسن زیات بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے۔[2]

امام بخاری بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔

امام المحدثین حضرت امام بخاریؒ بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ وحید الزمان صاحبؒ غیر مقلد آپ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں: امام حاکم ابو عبداللہ نے بسند روایت کیا ہے مقسم بن سعید سے کہ محمد ابن اسمٰعیل بخاری جب رمضان کی پہلی رات ہوتی تو لوگ ان کے پاس جمع ہوتے، وہ نماز تراویح پڑھاتے اور ہر رکعات میں بیس آیتیں پڑھتے یہاں تک کہ قرآن ختم کرتے پھر سحر کو (نماز تہجد میں) نصف سے لیکر تہائی قرآن تک پڑھتے اور تین راتوں میں ختم کرتے اور دن کو ایک قرآن ختم کرتے اور افطار کے وقت ختم ہوتا تھا اور سحر کے وقت تیرہ رکعات (تہجد کی) پڑھتے اور ایک رکعات وتر کی ہوتی [3]

---

[1] ایضاً (۸۶/۱) [2] دیکھئے کتاب "المدخل لابن الحاج" (۲۹۹/۲) طبع بیروت۔

[3] دیکھئے تیسیر الباری شرح بخاری (۴۹/۱)

امام ابو محمد اصفہانی المتوفی ــــہ بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔

امام ابو محمد عبد اللہ بن محمد اصبہانی المعروف با بن اللبان، جو مشہور شافعی فقیہ ابو حامد اسفرائنی کے شاگرد تھے، کے بارے میں منقول ہے کہ وہ پورے رمضان میں لوگوں کو نماز تراویح پڑھاتے تھے اور ہر روز جب تراویح سے فارغ ہو جاتے تو مسجد میں ہی نماز تہجد پڑھتے رہتے تھے یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی تھی[۱]۔

غیر مقلدین کے شیخ الکل بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔

غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا میاں نذیر حسین صاحب دہلویؒ [۲] بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ انکے حالات میں لکھا ہے:۔ رمضان شریف میں آپ صبح سے شام تک درس جاری رکھتے۔ رات بحالت قیام دو دو دفعہ قرآن مجید سنتے، ایک دفعہ اول رات نماز تراویح میں اپنے شاگرد حافظ احمد محدث اور فقیہ سے تین پارے ترتیل اور تجوید کے ساتھ سنتے، پھر نماز تہجد میں اپنے پوتے حافظ عبد السلام سے ایک پارہ روزانہ سنتے[۳]۔

ان آثار سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ تراویح کے بعد تہجد پڑھنا جائز ہے اور یہ دونوں جدا جدا نمازیں ہیں اسی طرح ان آثار سے غیر مقلدین کے اس دعوی کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یا کسی صحابی ؓ، یا کسی سلف سے تراویح کے بعد تہجد پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

(۸) امیر المؤمنین خلیفہ راشد حضرت فاروق اعظم ؓ بھی تراویح اور تہجد کو علیحدہ علیحدہ نماز سمجھتے

---

[۱] تاریخ بغداد (۱۰/۱۴۳) [۲] ۔ مولانا میاں نذیر حسین صاحب دہلویؒ ۔ موصوف جماعت غیر مقلدین میں نہایت قدر و منزلت کے مالک تھے۔ اس کا اندازہ ایک مقتدر غیر مقلد عالم مولانا بدیع الدین شاہ راشدی کے انکے بارے میں ان القابات سے لگایا جا سکتا ہے" شیخ الکل امام المتقین ،سید المحدثین ،تاج الفقہاء، علم العلماء ،جامع العلوم النقلیة والعقلیة ناصر السنة النبویة،عمدة العاملین، حجة اللہ علی الخلق، مجدد القرن الامام المحدث الفقیہ الاصولی الشیخ شیخنا السید نزیر حسین الخ "۔"بدایة المستفید" (۱/۱۰۰)۔ بحوالہ "حدیث اور اہل حدیث" (ص۱۳۴) [۳] نتائج التقلید (ص ۲۹) بحوالہ "خزائن السنن" (۳/۲۸)

تھے۔ چنانچہ آپ ؓ نے تراویح کی جماعت کو دیکھ کر لوگوں سے فرمایا: ''والتي تنامون عنها افضل من التي تقومون'' ۱ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں: معنی اس قول کے یہ ہیں

۱۔ جو نماز اول اس سے سو رہتے ہو تم یعنی تہجد کہ یہ آخر رات میں ہوتی ہے افضل ہے اس نماز سے جو پڑھتے ہو تم یعنی تراویح کہ اس کو اول وقت پڑھتے تھے اور چونکہ یہ لوگ تراویح کو پڑھ کر تہجد کو نہیں اُٹھتے تھے تو حضرت عمر ؓ نے ان کو رغبت تہجد پڑھنے کی بھی دلائی کہ افضل کو ترک کرنا نہیں چاہیے ۲ ۔

علامہ ابن الحاج مالکیؒ لکھتے ہیں: ''وماقاله عمر ؓ بن الخطاب فانما هو محمول على غيرهم لا عليهم اذ انهم رضي الله عنهم جمعوا بين الفضيلتين من قيام اول الليل وآخره'' ۳ حضرت عمر فاروق ؓ کا یہ فرمان صحابہ کرام ؓ کے علاوہ دوسرے لوگوں پر محمول ہے کیونکہ صحابہ کرام ؓ تو اوّل رات کے قیام (تراویح) اور آخر رات کے قیام (تہجد) دونوں کی فضیلت جمع کر لیتے تھے۔ معلوم ہوا کہ حضرت عمر ؓ بھی دونوں کو جدا جدا نماز سمجھتے تھے ۴ ۔

---

۱ ''بخاری''(۲۹۹/۱)وغیرہ ۲ الرائی النجیح (ص۷) ۳ ''المدخل''(۲۹۹/۲)

۴ بعض غیر مقلدین حضرات حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی ایک عبارت کو پیش کر کے حضرت عمر ؓ کے اس قول کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ حضرت عمر ؓ نے ان دونوں نمازوں کو جدا جدا نہیں قرار دیا ہے بلکہ دونوں کو ایک نماز کہا ہے۔ چنانچہ ہم حضرت شاہ صاحبؒ کی مذکورہ عبارت کا ترجمہ مولانا نذیر احمد رحمانی غیر مقلد کے قلم سے پیش کرتے ہیں اور پھر اس پر اپنا تبصرہ پیش کریں گے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ اس مسلک کی تائید حضرت عمر ؓ کے اس فعل سے بھی ہوتی ہے کہ وہ تراویح آخر شب میں اپنے گھر پڑھا کرتے تھے حالانکہ لوگوں کو یہ حکم دیا تھا وہ جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھا کریں۔ حضرت عمر ؓ خود اس جماعت میں شریک نہیں ہوا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتے تھے کہ نبی ﷺ کا طریقہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ آخر شب میں پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر ؓ نے لوگوں کو متنبہ بھی کر دیا تھا جو نماز تم اول شب میں پڑھتے ہو اس کو اگر آخر شب میں پڑھا کرو تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر ؓ نے تراویح اور تہجد کی رمضان دونوں کو ایک ہی قرار دیا انوار المصابیح (ص ۸۳) بحوالہ فیض الباری (۴۲۰/۲)

جواب حضرت شاہ کشمیری کی طرف سے اس عبارت کا انتساب کچھ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

اولاً: اس عبارت کی بنیاد دو باتوں پر ہے۔ نمبر ا: حضرت عمر ؓ تراویح بجائے اول شب لوگوں کے ساتھ مسجد میں پڑھنے

(۹) سب ائمہ حدیث بھی تراویح اور تہجد میں مغائرت کے قائل ہیں۔ چنانچہ تمام مشہور محدثین نے تراویح کا الگ باب قائم کیا ہے اور تہجد کا باب الگ قائم کیا ہے مثلاً امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں، امام مسلمؒ نے صحیح مسلم میں، امام ابوداؤدؒ، امام ترمذیؒ، امام نسائیؒ اور امام ابن ماجہؒ نے اپنی اپنی سنن میں، امام مالکؒ ورامام محمدؒ نے موطا میں، امام عبدالرزاقؒ اور امام ابی شیبہؒ نے اپنی اپنی مصنف میں، امام بیہقیؒ نے سنن الکبریٰ وغیرہ میں، امام دارالقطنیؒ نے اپنی سنن میں، امام بغویؒ نے المصابیح میں، امام خطیب

= کے گھر میں آخر شب میں پڑھتے تھے۔ نمبر۲: حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ نبی ﷺ کا عمل بھی تراویح کو آخر شب میں پڑھنے کا تھا لیکن یہ دونوں باتیں غلط ہیں، پہلی اس لئے کہ خود حضرت عمرؓ کا لوگوں کے ساتھ (اول شب) مسجد میں تراویح پڑھنا ہی ثابت ہے چنانچہ مدونہ کبریٰ (۱/۱۹۴) میں ہے ان عمر ؓ وعثمان ؓ کانا یقومان فی رمضان مع الناس ۔ نیز اگر حضرت عمرؓ گھر میں ہی تراویح پڑھتے تھے تو اس کی کیا دلیل ہے کہ وہ ضرور آخر شب میں ہی تراویح ادا کرتے تھے۔ اور دوسری بات اس لیے غلط ہے کہ خود شاہ صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ: ان الذی ثبت عنہ ﷺ ھو التراویح اول اللیل ۔ معارف السنن (۵/۵۵۲) بے شک نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ اول شب میں تراویح پڑھا کرتے تھے۔ نیز فرماتے ہیں:۔ لکن الاحادیث الصریحۃ ان قیامہ ﷺ بھم فی رمضان کان فی اول اللیل ۔ حوالہ سابق ۔ یعنی صریح احادیث میں ہے کہ نبی ﷺ صحابہ کے ساتھ قیام (تراویح) اول شب پڑھتے تھے۔ پس جب اس قول کی بنیاد ہی غلط ہے تو اس غلط بنیاد پر قائم قول کو کیسے صحیح باور کیا جا سکتا ہے؟۔ **ثانیاً**:۔ حضرت کشمیری کی حضرت عمرؓ کے اس فرمان کے بارہ میں بیان کردہ یہ توجیہ ان کی ہی ایک دوسری توجیہ جو انہوں نے حضرت عمرؓ کے اس فرمان کے تحت ہی بیان کی ہے، سے متصادم ہے چنانچہ حضرت اس قول کی توجیہ بیان کرتے ہیں: ان غرض عمر الفاروق ؓ انکم تنامون آخراللیل وتصلون اولہ مع ان الاولیٰ بکم ان تطیلوھاالیٰ آخراللیل ''معارف السنن'' (۵/۵۵۲) یعنی حضرت عمرؓ کی غرض اس اپنے فرمان سے یہ تھی کہ تم آخر رات کو تو سو جاتے ہو اور اوّل رات تراویح پڑھتے ہو۔ حالانکہ تمہارے لیئے بہتر یہ ہے کہ تم اس نماز کو آخر شب تک لے جاؤ۔ اب شاہ صاحب اپنے اس بیان میں صاف اقرار کر رہے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ تم تراویح تو اوّل شب ہی پڑھو لیکن اس کو ذرا لمبا کر کے تہجد کے وقت تک لے جاؤ تا کہ تم کو بتداخل صلوٰتین (تراویح اور تہجد) دونوں کا ثواب ملتا رہے اور مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب کے حوالہ سے آگے آ رہا ہے کہ تداخل صلوٰتین سے دو نمازوں کا ایک ہونا لازم نہیں آتا اور حضرت کشمیریؒ نے اسی توجیہ کو راجح قرار دیا ہے دیکھئے معارف السنن ۔ معلوم ہوا کہ حضرت کی بیان کردہ پہلی توجیہ مرجوح ہے لہذا غیر مقلدین کا اس توجیہ (جو خود صاحب توجیہ کے نزدیک بھی مرجوح ہے) سے استدلال کرنا باطل ہے۔

تبریزیؒ نے مشکوۃ میں، امام ابوحنیفہؒ نے کتاب الآثار میں، امام خوارزمیؒ نے مسند امام اعظم میں، امام ابن نصر مروزیؒ نے قیام اللیل میں، امام ابن تیمیہؒ نے منتقی الاخبار میں، امام ابن حجر عسقلانی نے بلوغ المرام میں تراویح کا باب الگ باندھا ہے اور تہجد کا باب الگ قائم کیا ہے۔ ان محدثین کرام کا تراویح اور تہجد کے الگ الگ باب باندھنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کے نزدیک دونوں جدا جدا نماز ہیں یہاں تک کہ غیر مقلدین کی کتب حدیث صلوۃ الرسول وغیرہ میں بھی دونوں کے الگ الگ باب موجود ہیں۔

(۱۰) ائمہ حدیث کی طرح فقہائے کرام بھی تراویح اور تہجد کو علیحدہ علیحدہ نماز سمجھتے ہیں اور تمام کتب فقہ میں تراویح اور تہجد کا الگ الگ باب قائم ہے اور ان دونوں کے مسائل جدا جدا لکھے گئے ہیں بلکہ کتب فقہ میں تو تراویح اور تہجد کے الگ الگ ہونے کی باقاعدہ تصریح موجود ہے۔ فقہاء احناف نے تو ہمیشہ اس کا اہتمام فرمایا ہے دوسرے ائمہ فقہ کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں۔

فقہ حنبلی کی معتبر کتاب ''المقنع'' میں ہے:۔ ''ثم التراويح وهي عشرون ركعة يقوم بها في رمضان في جماعة ويوتر بها في الجماعة فان كان له تهجد جعل الوتر بعده[1]۔

پھر تراویح کی نماز ہے اور اس کی بیس رکعتیں ہیں کہ ان کو رمضان المبارک میں باجماعت پڑھے اور اس کے بعد وتر کو بھی جماعت کے ساتھ پڑھے اور اگر تہجد بھی پڑھنے ہوں تو پھر وتر کو تہجد کے بعد پڑھے۔

فقہ مالکی کی کتاب ''المدخل'' میں ہے:''ينبغي للمكلف انه اذا صلى المغرب يعجل فطره ثم يقوم فيصلي بحزبين ونصف او اكثر قبل العشاء ثم يخرج فيصلي مع الناس القيام ويوتر معهم ۔ ثم ينام ما قدر له ثم يقوم لتهجده فيصلي ما تيسر له مما بقي عليه من الليل[2]۔ مکلف (بالغ) کیلئے مناسب ہے کہ جب وہ مغرب کی نماز پڑھے تو جلدی افطار کرلے پھر نماز (اوابین) کیلئے کھڑا ہوجائے اور نماز میں ڈھائی پارے یا اس سے زیادہ پڑھے۔ پھر (مسجد کی طرف) نکلے اور لوگوں کے ساتھ قیام یعنی تراویح پڑھے پھر سوجائے جو اس کے مقدر میں ہے، سونے کے بعد تہجد پڑھنے کیلئے کھڑا ہوجائے اور جس قدر آسانی ہو باقی رات نماز نفل (تہجد) پڑھے۔

---

[1] کتاب المقنع (ص۱۸۴) [2] (۳۰۰/۲)

علامہ ابن رشد مالکیؒ تہجد اور تراویح میں تقابل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔" وان التراویح التی جمع علیها عمر ؓ بن الخطاب مرغب فیهاوان کانو ااختلفوا فی ای افضل اهی اوالصلوة آخر اللیل ؟ اعنی التی کانت صلوة رسول الله ﷺ لکن الجمهور علی ان صلوة آخر اللیل افضل[1] ۔

تراویح جس پر حضرت عمر ؓ نے لوگوں کو جمع کیا اس میں رغبت دی گئی ہے، اگر چہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ تراویح افضل ہے یا آخری رات کی نماز (تہجد) افضل ہے؟ یعنی جو رسول اللہ ﷺ کی نماز تھی لیکن جمہور کے نزدیک آخر رات کی نماز (تہجد) افضل ہے۔

"الفقہ الاسلامی واد لہ" (جو چاروں فقہ کے مسائل پر مشتمل کتاب ہے) میں ہے:۔

فان کان له تهجد جعل الوتر بعده استحبابا لقوله ﷺ اجعلوا آخر صلوتكم بالليل وترا وان لم يكن له تهجد جعل الوتر مع الامام لينال له فضيلة الجماعة[2]

اگر کسی نے تراویح کے بعد تہجد پڑھنے ہوں تو مستحب ہے کہ وتر کو تہجد کے بعد پڑھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ۔ اور اگر تراویح کے بعد تہجد نہیں پڑھنی تو پھر وتر کو امام کے ساتھ پڑھ لے تاکہ اس کو جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے۔

شارح بیجوری شافعیؒ لکھتے ہیں: وکیف کانت صلوته ﷺ فی رمضان ای فی لیالیه وقت التهجد زیادة علی ماصلاها بعد العشاء من التراویح [3]۔

اور رسول اللہ ﷺ کی رمضان میں نماز کیسی ہوتی تھی یعنی رمضان کی راتوں میں تہجد کے وقت کہ جو نماز تراویح کے علاوہ تھی جس کو رسول ﷺ عشاء کے بعد پڑھتے تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ (جن کو غیر مقلدین اہل حدیث اور غیر مقلد قرار دیتے ہیں) بھی تراویح اور تہجد کو جدا جدا نماز قرار دیتے تھے۔ چنانچہ حدیث عائشہؓ کے بارہ میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہؓ جس نماز کا ذکر کر رہی ہے اس سے مراد تہجد کی نماز ہے جو رمضان اور غیر رمضان میں

---

[1] "بدایۃ المجتہد" (۱/۱۵۳) [2] (۲/۷۵) [3] بیجوری شرح شمائل ترمذی (ص ۱۴۳) بحوالہ نماز مسنون (ص ۶۲۲)

برابر تھی۔ اس کو صلوۃ اللیل کہتے ہیں۔لیکن تراویح کی نماز اس کے علاوہ ہے کہ محدثین کرام کے عرف میں اسے قیام رمضان کہتے ہیں۔ ۱؎

ان حوالہ جات سے واضح ہو گیا کہ فقہائے کرام بھی تراویح اور تہجد دونوں کے جدا جدا ہونے کے قائل ہیں ورنہ وہ کبھی بھی ان دونوں کے علیحدہ علیحدہ ہونے کی تصریح نہ کرتے اور نہ تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کی اجازت دیتے کیونکہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک ہی نماز کو دو دفعہ پڑھنے سے منع فرمایا ہے ۲؎ ۔

خود غیر مقلدین کے علماء نے بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کی اجازت دی ہے۔چنانچہ مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب غیر مقلد سے سوال کیا گیا کہ جو شخص رمضان المبارک میں عشاء کے وقت نماز تراویح پڑھ لے وہ آخر رات تہجد پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ مولانا صاحب جواب میں لکھتے ہیں: پڑھ سکتا ہے تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے۔اوّل شب میں تہجد نہیں ہوتی ۳؎ ۔

اسی طرح فتاوی علماء حدیث میں ہے: تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد اول شب کا ہے اور تہجد کا آخر شب کا ہے ۴؎ ۔

خواجہ محمد قاسم غیر مقلد لکھتے ہیں: ماہ رمضان میں اکثر لوگ یہ مسئلہ پوچھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص رات کے پہلے حصے میں قیام کر چکا ہو تو وہ پچھلے حصے میں بھی قیام کر سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بلکل کر سکتا ہے کیونکہ نبی ﷺ سے ایک ہی رات کے مختلف حصوں میں قیام کرنا ثابت ہے ۵؎ ۔

قارئین:۔ غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں ان ٹھوس دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ثابت ہو گیا کہ تراویح اور تہجد الگ الگ نماز ہے اور غیر مقلدین کا یہ دعویٰ قطعاً بے بنیاد ہے کہ یہ دونوں ایک ہی نماز ہیں۔ نیز ان کا یہ دعوی خود ان کے اپنے اکابر کے مسلک کے بھی خلاف ہے۔ان دس دلائل کے علاوہ اور بھی کئی دلائل ہمارے پیش نظر ہے لیکن بوجہ اختصار ان ہی دس دلائل پر اکتفا کیا جاتا ہے۔انصاف پسند کے لے لیے یہی کافی ہیں۔تلك عشرة كاملة۔

۱؎ حاشیہ مالا بد منہ (ص ۷۸)

۲؎ سنن ابی داؤد (۱/۸۶) ۳؎ فتاوی ثنائیہ (۱/۶۸۲) ۴؎ (۶/۲۵۱) ۵؎ حی علی الصلاۃ (ص ۳۹)

چند شبہات کا ازالہ :

غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ صاحبؒ کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ تراویح اور تہجد کو ایک قرار دینے والوں کے پاس ایک بھی دلیل موجود نہیں، البتہ غیر مقلدین کے چند شبہات ہیں جن کو وہ اپنے زعم میں بہت وزنی دلائل سمجھتے ہیں اور ان ہی چند شبہات کو غیر مقلدین کا تقریباً ہر مصنف دہراتا ہے۔ اس لئے اب ان شبہات کی حقیقت ملاحظہ فرمائیں۔

شبہ نمبر ا:۔ مولانا نذیر احمد رحمانی اور مولوی محمد قاسم خواجہ وغیرہ غیر مقلدین لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جن تین راتوں میں صحابہ کرامؓ کو تراویح پڑھائی اس کے بعد ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے تہجد بھی پڑھی ہو بلکہ آخر شب کی نماز کے متعلق تو آتا ہے کہ آپ ﷺ نے آخر شب تک قیام کیا۔ معلوم ہوا کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے[1]۔

جواب:۔ اس شبہ کے کئی جوابات ہیں لیکن ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس کا جواب خود غیر مقلدین کے اپنے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب کی طرف سے دیا جائے جو انھوں نے عبداللہ چکڑالوی منکر حدیث کو دیا تھا۔ چنانچہ امرتسری صاحب عبداللہ چکڑالوی کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ رہی یہ بات کہ جن تین دنوں میں آپ ﷺ نے اول شب تراویح پڑھی تھی ان دنوں میں آخر شب بھی نماز پڑھی ہوگی، یہ تو گیارہ رکعت سے زیادہ ہوگئی اور اگر نہیں پڑھی ہوگی تو ارشاد خداوندی فَتَہَجَّدْ کی تعمیل نہ ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں صورتیں ممکن ہیں یعنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ نے ان دنوں میں نماز تہجد پڑھی ہو مگر چونکہ تمام عمر کے لحاظ سے تین دن کی مقدار ایسی قلیل ہے کہ جس کی کوئی نسبت ہی نہیں ملتی اس لئے حضرت عائشہؓ نے عام طور پر نفی کر دی کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی زیادہ نہیں پڑھیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان تین دنوں میں حضور ﷺ اسی اول شب کو قائم مقام پچھلی رات کی نماز کے کر کے پڑھی ہو لیکن کسی نماز کا دوسری نماز کے قائم مقام ثواب میں ہو جانے سے ان دونوں کا ایک ہونا لازم نہیں آتا دیکھو جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے مگر دونوں ایک نہیں، جمعہ کے واسطے کئی ایک شرائط ہیں جو ظہر کیلئے نہیں[2]۔

---

[1] ملخصہ انوار المصابیح (ص ۸۲)، حی علی الصلوۃ (ص ۳۴) وغیرہ [2] اہلحدیث کا مذہب (ص ۹۷)

اب غیر مقلدین حضرات کی مرضی ہے کہ اپنے شیخ الاسلام کا یہ جواب پسند کرتے ہیں یا عبداللہ چکڑالوی منکر حدیث کی بات مانتے ہیں!

ع پسند اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا

شبہ نمبر۲:۔ حافظ محمد زبیر علی زئی پیر داوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:۔ بعض لوگوں کا یہ دعوی ہے کہ تہجد اور تراویح علیحدہ علیحدہ دو نمازیں ہیں۔ ان کے اصول پر نبی ﷺ نے ۲۳ رکعات تراویح (۲۰+۳) پڑھیں جیسا کہ ان لوگوں کا عمل ہے اور اسی رات کو گیارہ رکعات تہجد (۸+۳) پڑھیں جیسا کہ ان کے نزدیک صحیح بخاری کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ یہاں پر اشکال یہ ہے کہ اس طرح تو یہ لازم آتا ہے کہ ایک رات میں آپ ﷺ نے دو دفعہ وتر پڑھے حالانکہ نبی ﷺ نے فرمایا: لا وتران فی لیلة ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں...الخ[۱]

مولانا ابراہیم سیالکوٹی صاحبؒ غیر مقلد لکھتے ہیں: بموجب قول بعض حنفیہ حضرت عائشہؓ کی روایت گیارہ رکعات والی اور حضرت ابن عباس ؓ کی روایت بیس تراویح اور تین وتر مزید والی کو یوں جمع کیا جائے کہ قیام رمضان اور نماز تہجد جدا جدا نمازیں ہیں تو اس صورت میں ایک رات دو دفعہ وتر پڑھنے ثابت ہوتے ہیں اور یہ عمل اس حدیث کے خلاف ہے جو آنحضرت ﷺ نے فرمائی کہ ایک رات میں دو وتر جائز نہیں ہیں[۲]۔

جواب:۔ پہلے یہ گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صرف تین رات صحابہ کرام ؓ کو نماز تراویح پڑھائی۔ اس کے علاوہ باقی دنوں میں آپ ﷺ نے گھر میں ہی بلا جماعت تراویح ادا فرمائیں۔ اب ان جن تین دنوں میں آپ ﷺ نے جماعت کے ساتھ تراویح پڑھیں ان میں وتر کس وقت پڑھے؟ آیا تراویح کے متصل بعد یا پھر آخر میں تہجد پڑھنے کے بعد؟ تو اس کی کسی صحیح روایت میں تصریح نہیں ملتی۔ لیکن ظاہر یہی ہے کہ آپ ﷺ نے تراویح کے بعد ہی صحابہ کرام ؓ وتابعین کو وتر بھی پڑھا دیئے اور پھر تہجد پڑھنے کے بعد وتر کا اعادہ نہیں کیا جیسا کہ حضرت طلق ؓ بن علی کے عمل سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ آپ نے جب

[۱] نور المصابیح (ص ۱۴) [۲] انارة المصابیح (ص ۴۳)

اپنے ساتھیوں کو نماز تراویح پڑھائی تو وتر بھی ساتھ ہی پڑھا دیئے اور پھر جب تہجد پڑھی تو وتر کا اعادہ نہیں کیا۔ یہ روایت دلیل نمبرے کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

جہاں تک غیر مقلدین کا یہ اشکال ہے کہ حدیث ابن عباس ﷺ اور حدیث عائشہؓ میں تطبیق دینے سے آپ ﷺ کا دو دفعہ وتر پڑھنا لازم آتا ہے، تو یہ اشکال بالکل غلط ہے کیونکہ حضرت ابن عباس ﷺ کی روایت میں یہ وضاحت نہیں کہ آپ ﷺ نے بیس تراویح پڑھنے کے متصل بعد وتر پڑھے بلکہ اس میں تو صرف اتنا مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیس تراویح اور تین وتر پڑھے۔ اب یہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے اول شب میں بیس تراویح پڑھ کر وتر چھوڑ دیئے ہوں اور پھر آخر شب آٹھ رکعت تہجد پڑھ کر وتر پڑھے ہوں جیسا کہ حضرت عائشہؓ فرما رہی ہیں۔ بہر حال یہ ساری تفصیل تو اس وقت ہے جب یہ تسلیم کیا جائے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباس ﷺ ایک ہی رات کا واقعہ بیان کررہے ہیں۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ یہ دونوں حضراتؓ آپ ﷺ کی علیحدہ علیحدہ رات کی نماز کی کیفیت بیان کررہے ہیں تو پھر سرے سے یہ اشکال ہی وارد نہ ہوگا کیونکہ پھر اس صورت میں اگر یہ بھی کہا جائے کہ حضرت ابن عباس ﷺ کی بیان کردہ کیفیت نماز میں رسول اللہ ﷺ نے اول شب تراویح کے ساتھ ہی وتر بھی پڑھ لئے تو بھی درست ہے اور اس کا حضرت عائشہؓ کی روایت سے بھی تعارض نہیں ہوگا جس میں آپؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر تہجد کے بعد آخر شب میں پڑھے کیونکہ دونوں روایتیں دو مختلف زمانوں پر محمول ہوں گی۔ یعنی کبھی تو آپ ﷺ نے وتر اول شب ہی تراویح کے بعد پڑھ لیے جیسا کہ حضرت ابن عباس ﷺ فرما رہے ہیں اور کبھی آپ ﷺ نے وتر آخر شب تہجد کے بعد پڑھے جیسا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

اور نبی ﷺ کا رات کے مختلف حصوں میں وتر پڑھنا خود حضرت عائشہؓ سے ثابت ہے جیسا کہ خود غیر مقلدین کے ایک عالم خواجہ محمد قاسم نے تصریح کی ہے [1]۔

باقی رہا نبی ﷺ کا یہ فرمان: اجعلوا آخر صلوتکم باللیل وتراً۔ اپنی رات کی آخری نماز وتر کو بناؤ، تو اس فرمان کا تعلق صرف استحباب سے ہے کیونکہ آپ ﷺ کا وتر کے بعد بھی نوافل پڑھنا ثابت ہے [2]۔

---

[1] حی علی الصلوٰۃ (۳۸) بحوالہ بخاری (۱۳٦/۱) [2] دیکھئے ہفت روزہ ''الاعتصام'' (ص٦) ۱۷ اپریل ۱۹۹۲ء

الغرض حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کو تراویح پر محمول کرنے اور حضرت عائشہؓ کی حدیث کو تہجد پر محمول کرنے سے کسی صورت میں بھی آپ ﷺ کا رات میں دو دفعہ وتر پڑھنا لازم نہیں آتا۔

جواب ثانی:۔ غیر مقلدین کے مذہب پر تو یہ اشکال وارد ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے نزدیک اگر کوئی آدمی عشاء کے بعد وتر پڑھ لے اور پھر وہ آخر رات میں اگر تہجد پڑھنا چاہے تو تہجد کے بعد وہ دوبارہ بھی وتر پڑھ سکتا ہے اور پہلے وتروں کے ساتھ ایک رکعت ملا کر ان کو دوگانہ بنا لے چنانچہ نواب وحیدالزمان صاحب لکھتے غیر مقلد ہیں:

ولو صلى الوتر بعد العشاء ثم استيقظ في آخر الليل واراد صلوٰة الليل فالافضل له ان ينقض وتره السابق بضم ركعة ثم يصلي صلوٰة الليل ثم يوترها بركعة لانه لاوتران في ليلة -[1]

اگر کسی نے وتر عشاء کے بعد پڑھ لیے، پھر وہ رات کے آخری حصہ میں بیدار ہوا اور اس کا ارادہ تہجد پڑھنے کا ہوا تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ پہلے وتر کو ایک رکعت ملا کر توڑ دے اور پھر نماز تہجد پڑھے پھر اس کے بعد وتر پڑھ لے کیونکہ ایک رات میں دو وتر نہیں ہوتے۔

شبہ نمبر ۳:۔ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کو بھی تسلیم ہے کہ تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔[2]

جواب:۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ قول بھی غیر مقلدین کیلئے کچھ مفید نہیں ہو سکتا ہے۔

اولاً: یہ ایک امتی بلکہ مقلد امتی کا قول ہے اور غیر مقلدین کا دعوٰی تو یہ ہے کہ ہم صرف قرآن وحدیث کو حجت مانتے ہیں۔ مولانا نذیر رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں:۔ ہم اہل حدیث ہیں۔ ہمارا نعرہ ہے۔

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن　　　پس حدیث مصطفی بر جان مسلم داشتن

ہم کہا کرتے ہیں:۔

ہوتے ہوئے مصطفی کی گفتار　　　مت دیکھ کسی کا قول و کردار[3]

---

[1] نزل الابرار (۱/۱۴۴)　[2] فیض الباری (۲/۴۲۰)، العرف الشذی (۱/۱۶۶)　[3] انوار المصابیح (ص ۴۰)

اب نہ جانے کس مجبوری میں آ کر غیر مقلدین نے اپنے نعرہ کو چھوڑ دیا اور امتی کے قول کو گلے لگالیا۔
مولانا نذیر صاحب نے بھی اپنی کتاب میں اسی قول کو دلیل نمبر ۴ کے طور پر پیش کیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ ....

ع بنتے ہو وفادار تو وفا کر کے دکھاؤ
کہنے کی وفا اور ہے کرنے کی وفا اور

غیر مقلدین حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحبؒ کے قول سے نہ تو استدلال کر سکتے ہیں اور نہ اس کو دلیل الزامی میں پیش کر سکتے ہیں کیونکہ دلیل الزامی کیلئے بھی دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ اوّل:۔ دلیل الزامی کیلئے کوئی بنیاد یعنی کوئی تحقیقی اور استدلالی دلیل موجود ہو اور وہ غیر مقلدین کے پاس ندارد۔

دوسرے:۔ دلیل الزامی کیلئے ضروری ہے کہ وہ مقابل کے مسلّمات کی روشنی میں ہو اور وہ دلیل غیر شاذ ہو جبکہ حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ قول بشرط ثبوت خود علمائے احناف بلکہ تمام اہل سنت فقہاء کے خلاف ہے، بلکہ اکابرین دیوبند حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ وغیرہ کی تصریحات سے بھی متصادم ہے [1]۔ بالخصوص جب کہ حضرت شاہ صاحبؒ خود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ عامۃ العلماء ان

---

[1] ۔تراویح اور تہجد کی مغائرت میں اکابرین دیوبندؒ کی تصریحات:۔

﴿۱﴾ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں: تہجد اور چیز ہے اور تراویح اور چیز۔ تصفیۃ العقائد (ص ۴)۔ نیز آپ نے اپنی کتاب الحق الصریح میں بھی تراویح اور تہجد کے جدا جدا ہونے پر بھی محققانہ بحث کی ہے۔ دیکھئے (ص ۳ تا ۴)۔

﴿۲﴾ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں: نماز تہجد اور نماز تراویح ہر دو صلوٰۃ جداگانہ ہیں کہ ہر ایک کی تشریح اور احکام جدا ہیں۔ الرائی النجیح (ص ۲) پھر آپ نے (ص ۳ تا ۱۰) تک تفصیلی اور تحقیقی بحث کی ہے کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں۔

﴿۳﴾ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ فرماتے ہیں: صلوٰۃ اللیل سے چونکہ تہجد مراد ہوتا ہے لہذا سائل کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے فرمادیا کہ تہجد رمضان وغیرِ رمضان میں برابر تھا۔ اس سے تراویح کی نفی نہیں نکلتی کیونکہ وہ صلوٰۃ مستقلہ علیحدہ ہے عرفاً اس کو صلوٰۃ الیل نہیں کہتے۔ محدثین اور فقہاء اس کو تہجد کے علاوہ مستقل باب میں بیان کرتے ہیں الخ۔
دیکھئے "الورد الشذی" علیٰ جامع الترمذی (ص ۱۰۵) مرتبہ: مولانا سیّد اصغر حسین صاحب محدث دارالعلوم دیوبند ناشر معهد الخلیل کراچی۔

دونوں نمازوں کے جداجدا ہونے کے قائل ہیں۔لہذا غیر مقلدین کا حضرت شاہ صاحب کے اس شاذ قول کو لے کر علمائے دیوبند کے خلاف دلیل الزامی میں پیش کرنا بھی باطل ہے۔ثانیاً:۔حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ بھی من جملہ تراویح اور تہجد میں مغائرت کے قائل ہیں۔چنانچہ فرماتے ہیں:قال عامۃ العلماء ان التراویح وصلوٰۃ اللیل نوعان مختلفان والمختار عندی انھماواحدوان اختلفت صفاتھما کعدم المواظبۃ علی التراویح واداء ھابالجماعۃواداء ھافی اوّل اللیل تارۃ وایصالھا الی الاخریٰ بخلاف التہجدفانہ کان فی آخر اللیل ولم یکن فیہ الجماعۃ۔[1]

اکثر علماء کہتے ہیں کہ تراویح اور تہجد دو مختلف قسم کی نمازیں ہیں اور میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ دونوں ایک ہی ہیں اگرچہ ان کی صفات مختلف ہیں جس طرح کہ (نبی ﷺ کی طرف) سے تراویح پر مواظبت نہ ہونا اور اسے جماعت سے ادا کرنا اور کبھی اس کو رات کے شروع میں ہی پڑھ لینا اور کبھی اس کو سحری تک لے جانا، بخلاف تہجد کے کہ یہ (آپ ﷺ کی نماز) رات کے آخری حصہ میں ہوتی تھی اور اس میں جماعت نہ تھی الخ۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی مذکورہ عبارت سے واضح ہے کہ وہ بھی تراویح اور تہجد میں کئی لحاظ سے فرق کرتے ہیں اور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی نماز تراویح تہجد سے کئی لحاظ سے مختلف تھی۔البتہ وہ دیگر علمائے کرام سے صرف اس قدر اختلاف رکھتے ہیں کہ نبی ﷺ سے کسی حدیث میں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے ایک رات میں تراویح کے بعد نماز تہجد بھی پڑھی ہو کہ جس کی وجہ سے کہا جائے کہ تراویح اور تہجد من کل الوجوہ علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں۔لیکن جب حضرت کشمیریؒ نے خود تسلیم کرلیا ہے کہ نبی ﷺ کی یہ دونوں نمازیں کئی صفات سے میں باہم مختلف تھیں تو ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ نمازیں قرار دینے کیلئے یہی دلیل کافی ہے۔باقی رہا ان کا یہ فرمانا کہ نبی ﷺ سے ایک رات میں تراویح کے بعد تہجد پڑھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں تو یہ بات درست نہیں کیونکہ ہم پہلے صحیح مسلم (۱/۳۰۲) کے حوالہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ

---

[1] فیض الباری (۲/۴۲۰)

رسول اللہ ﷺ نے ایک رات میں تراویح کے علاوہ بھی نماز پڑھی ہے جو تہجد کی نماز تھی، اگر حضرت کشمیریؒ کی تحقیق میں یہ بات نہیں آئی اور وہ اس طرف متوجہ نہ ہو سکے تو یہ کوئی عیب یا عجیب بات نہیں۔ ایسی غلطی کا لگ جانا انسانی فطرت میں داخل ہے۔ علم محیط کلی صرف خاصہ خداوندی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بڑے سے بڑا محدث بھی غلطی اور خطا سے مبرا نہیں۔ ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ ایک محدث کہتا ہے فلاں حدیث ثابت نہیں یا فلاں بات کسی حدیث سے ثابت نہیں حالانکہ وہ حدیث صحیح سند کے ساتھ متون حدیث میں موجود ہوتی ہے۔ اور خود غیر مقلدین کو بھی یہ تسلیم ہے مثلاً مشہور محدث امام ابوداؤد بجستانیؒ (جن کا درجہ حضرت کشمیریؒ سے کئی گنا زیادہ ہے) فرماتے ہیں :لیس فی تقدیم الوقت حدیث قائم ۔[1] جمع تقدیم کے متعلق کوئی صحیح حدیث نہیں۔ لیکن علامہ شوکانیؒ غیر مقلد جمع تقدیم کی تائید میں متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :وقد عرفت ان بعضھا صحیح وبعضھا حسن وذلك یرد قول ابی داؤد لیس فی جمع التقدیم حدیث قائم ۔ تمہیں معلوم ہو گیا کہ ان میں سے کچھ احادیث صحیح ہیں اور کچھ حسن درجہ کی ہیں۔ اس سے امام ابوداؤد کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ جمع تقدیم کیلئے کوئی صحیح حدیث نہیں ہے [2] ۔

پس بقول غیر مقلدین امام ابوداؤد جیسے بڑے محدث سے غلطی کا صدور ممکن ہے اس لئے اگر کسی روایت کے متعلق علامہ کشمیریؒ نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا ہے اور وہ روایت ثابت ہے تو انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ اس روایت کو بھی تسلیم کیا جائے۔ اور یہ بھی بات ملحوظ خاطر رہے کہ العرف الشذی اور فیض الباری وغیرہ حضرت علامہ کشمیریؒ کی اپنی تصانیف نہیں ہیں کہ یہ یقین سے کہا جائے کہ علامہ کشمیری نے یہ بات ضرور ارشاد فرمائی بلکہ یہ کتابیں تو ان کی املائی تقاریر کا مجموعہ ہیں جن کو ان کی وفات کے بعد ان کے شاگردوں نے کتابی صورت میں جمع کر دیا ہے اور ناقلین سے سننے یا نقل کرنے میں غلطی کا بھی امکان ہو سکتا ہے۔ خود علامہ کشمیری کے شاگرد رشید اور داماد حضرت مولانا سیّد احمد رضا بجنوریؒ نے ''انوار الباری شرح صحیح بخاری'' میں ان کتب کے ایسے بے شمار تسامحات کی نشاندہی فرمائی ہے، فتفکر۔

---

[1] ابوداؤد مع عون المعبود (۱/۴۶۸)   [2] نیل الاوطار (۳/۲۲۸) بحوالہ حی علی الصلوٰۃ (ص ۱۳۷)۔

شبہ نمبر۴ ۔ مولانا نذیر احمد رحمانی، حافظ زبیر علی زئی وغیرہ غیر مقلدین لکھتے ہیں: امام محمد بن نصر مروزی نے اپنی کتاب قیام اللیل میں لکھا ہے: بعض علمائے سلف اس بات کے قائل ہیں کہ جو شخص تراویح پڑھے اس کو پھر تہجد نہیں پڑھنا چاہیے اور بعض علماء نے مطلق نفل کی اجازت دی ہے۔ علماء سلف کا یہ اختلاف صاف دلیل ہے اس بات کی کہ ان کے نزدیک یہ دونوں نمازیں ایک ہی ہیں۔ [1]

جواب۔ ہم تراویح اور تہجد میں فرق کی وجہ نمبر ۱۰ میں متعدد معتبر کتابوں کے حوالے سے نقل کر آئے ہیں کہ تمام مکاتب فکر کے فقہاء اور خود علمائے غیر مقلدین نے بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ اور ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ اور کئی بڑے بڑے اور مشہور ائمہ حدیث اور فقہاء کرام بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے۔ خود غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی کا معمول بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کا تھا۔ اب ہم موجود غیر مقلدین سے ادب کے ساتھ درخواست کرتے ہیں کہ صرف چند معتبر علماء کے نام ہی گنوا دیں جنھوں نے تراویح کے بعد تہجد پڑھنے سے منع کیا ہو۔ ہم ان سے یہ بھی عرض کرتے ہیں کہ اگر تراویح کے بعد تہجد پڑھنا منع ہے تو پھر آپ کے شیخ الکل مولانا نذیر صاحب دہلوی تراویح کے بعد تہجد کیوں پڑھا کرتے تھے؟ کیا وہ اس ممانعت میں داخل نہیں؟ پھر آج بھی اسلام کے دونوں مرکزوں مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں تراویح کے بعد باقاعدہ تہجد کی نماز ہوتی ہے۔ کیا آپ غیر مقلدین نے ان کے خلاف کوئی فتوی جاری کیا ہے؟ دیدہ باید۔

الغرض غیر مقلدین کے تمام ذکر کردہ شبہات بے جان ہیں اور ان کے پاس تراویح اور تہجد کو ایک قرار دینے کیلئے کوئی ایک دلیل بھی موجود نہیں۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ تراویح اور تہجد دونوں جدا جدا نمازیں ہیں۔

قارئین کرام! نماز تراویح سے متعلق یہ چند اہم بنیادی مباحث تھے جن کو کتاب سے پہلے ذکر کرنا ضروری تھا۔

آخر میں اہل علم حضرات کی خدمت میں التماس ہے کہ مجھے اپنی علمی بے مائیگی، کم فہمی اور نا اہلی کا پورا پورا اعتراف ہے۔ اس کے باوجود میں نے اپنی بساط کے مطابق پوری کوشش کی ہے کہ کتاب کی ہر بحث

---

[1] "انوار المصابیح" (ص ۸۳)، "نور المصابیح" (ص ۱۶) بحوالہ "فیض الباری"

مکمل اور واضح ہو اور اس کا کوئی پہلو بھی تشنہ نہ رہنے پائے۔حوالہ جات نقل کرنے میں بھی پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔پھر بھی کتاب میں غلطیوں کا پایا جانا بعید از امکان نہیں۔اس لئے اہل علم حضرات کی خدمت میں درخواست ہے کہ دوران مطالعہ کتاب میں اگر کوئی سقم نظر آئے تو جائز طریقہ پر اس کی نشاندہی فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔انشاءاللہ کسی غلطی کی آگاہی کے بعد اس کی اصلاح میں کوئی پس وپیش نہیں ہوگا۔اگر کتاب میں کوئی تکرار نظر آئے تو اس کو کسی فائدے یا مجبوری پر محمول کیا جائے۔

آخر میں برادر محترم حضرت الاستاد مولانا حافظ نثار احمد الحسینی مدظلہم کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اپنے ذاتی کتب خانہ سے کما حقہ استفادہ کا موقع عنایت فرمایا اور دوران تالیف کتاب سرپرستی اور بہترین مشوروں سے نوازا۔ان کے علاوہ ان تمام دوستوں کا ممنون ہوں جنہوں نے کتاب کی طباعت کے دوران جس قدر بھی تعاون کیا خصوصاً برادرم حافظ محمد اسمٰعیل اور حافظ محمد عباس کا جنہوں نے کمپوزنگ کی اور حضرت مولانا سیّد کفایت بخاری زیدمجدہٗ کا جنہوں نے مسودہ کی تصحیح فرمائی۔

جزاهم الله احسن الجزاء۔

حق تعالیٰ شانہٗ اس حقیر کی کوشش کو قبول فرما کر عوام الناس کیلئے نافع اور راقم الحروف، اس کے والدین، اساتذہ اور مشائخ کیلئے ذخیرہ آخرت بنائے۔آمین

ع ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

وصلى الله تعالىٰ علىٰ نبيه محمد وعلىٰ اٰله وصحبه اجمعين برحمتك ياارحم الرّحمين۔

ظہور احمد الحسینی

حضرو (اٹک) پاکستان


بیس تراویح
عہدِ نبوی ﷺ میں

حدیث نمبر ۱: عن ابن عباس ؓ ان النبی ﷺ کان یصلی فی شھر رمضان عشرین ركعة والوتر، وزاد الامام الرازی فی كتاب الترغيب له: ويوتر بثلاث۔ ۲

ترجمہ: حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ماہ رمضان المبارک میں بیس رکعت (تراویح) اور تین وتر پڑھتے تھے۔

حدیث ابن عباس پر اعتراضات کے جوابات:۔

اعتراض نمبر ۱:۔ غیر مقلدین کی طرف سے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ العبسیؒ ضعیف ہے۔ اس کو امام بیہقیؒ، امام زیلعیؒ، امام نسائی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ امام بخاری نے اس کے بارے میں سکتوا عنہ اور امام ابو حاتمؒ نے سکتوا عنہ اور ترکوا حدیثہ فرمایا ہے، امام احمدؒ نے اس کو منکر الحدیث اور امام ابن عدیؒ نے اس کو لین کہا ہے اور اس کی حدیث کو انھوں نے اپنی کتاب الکامل میں ابوشیبہ کی مناکیر میں ذکر کیا ہے۔ امام شعبہؒ نے اس کی ایک روایت کے بارے میں کَذَبَ کہا ہے۔ ۳

بعض غیر مقلدین تو اس حدیث کو موضوع تک قرار دیتے ہیں، العیاذ باللہ من ذالك۔

جواب نمبر ۱:۔ اس روایت کا راوی ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ اگرچہ مجروح ہے لیکن یہ اتنا ضعیف نہیں ہے کہ اس کی روایات کو بالکل رد یا موضوع ۴ قرار دے دیا جائے کیونکہ ائمہ رجال نے اس کی توثیق بھی کی

۱ مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۲۸۶)، السنن الکبریٰ للبیہقی (۲/۴۹۶) ۲ نیل الاوطار (۳/۵۳)۔

۳ [illegible] (ج ۱ ص ۱۲۹ [illegible])

۴ غیر مقلدین کا ابراہیم ابوشیبہ کی روایات کو موضوع کہنا باطل ہے۔ اولاً۔ آج تک کسی بھی معتبر اور ثقہ محدث نے اس کو موضوع نہیں کہا اور نہ دلیل پیش کی جائے۔ دیدہ باید۔ ثانیاً:۔ ابوشیبہ کی کم از کم ایک روایت ترمذی میں بھی موجود ہے اور غیر مقلدین کے مشہور محقق مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب نے تصریح کی ہے کہ ترمذی میں ایک بھی موضوع حدیث نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: قلت الاحاديث الضعاف موجودة فی جامع الترمذی وقد بيّن "

ہے۔ چنانچہ امام شعبہ بن الحجاجؒ نے اس سے روایت لی ہے۔ ۱؎

اور غیر مقلدین کے ہاں یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ امام شعبہ صرف اسی راوی سے روایت لیتے ہیں جو ثقہ راوی ہو اور اس کی احادیث صحیح ہوں۔ چنانچہ مولانا عبدالرؤف سندھو غیر مقلد لکھتے ہیں: شیخ احمد شاکر (جو غیر مقلدین کے بہت بڑے عالم تھے۔ ناقل) فرماتے ہیں کہ محمد بن مہران سے شعبہ نے بھی روایت لی ہے اور وہ ثقہ ہی سے روایت لیتے ہیں ۲؎ ۔علامہ شوکانی اور مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری وغیرہ غیر مقلدین علماء امام شعبہؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔ وھو لا یحمل عن مشائخھم الا صحیح حدیثھم ۳؎ امام شعبہؒ اپنے مشائخ سے صرف وہی حدیث بیان کرتے ہیں جو صحیح ہوتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر ابوشیبہ اتنا ہی ضعیف راوی ہے اور اس کی حدیث صحیح نہیں تو پھر امام شعبہؒ نے اس سے روایت کیوں بیان کی ہے؟

(۲) امام ابن عدی ابوشیبہ کے بارے میں فرماتے ہیں: لہ احادیث صالحۃ ۴؎ کہ ابوشیبہ کی احادیث درست ہیں۔ ۵؎ واضح رہے کہ امام ابن عدی نے ابوشیبہ کی احادیث کو تو صالح کہا ہے لیکن انہوں نے

= الترمذی نفسہٗ ضعفھا وابانَ علتھا واما وجود الموضوع فیہ فکلا ثم کلا۔ ''تحفۃ الاحوذی'' (۱/۱۸۱) میں کہتا ہوں کہ ضعیف حدیثیں ترمذی میں موجود ہیں اور خود ترمذی نے ان کا ضعف بیان کیا ہے اور ان کی علت کو ظاہر کیا ہے۔ باقی رہا اس میں موضوع حدیث کا وجود تو وہ ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ پس جب ترمذی میں ایک بھی حدیث موضوع نہیں ہے تو پھر ابوشیبہ کی احادیث کیسے موضوع ہیں حالانکہ اس کی حدیث بھی ترمذی میں موجود ہے۔

۱؎ تہذیب الکمال (۱/۳۹۰)، تہذیب التھذیب (۱/۱۴۴) ۲؎ القول المقبول شرح صلوۃ الرسول (ص ۳۸۶)

۳؎ ''نیل الاوطار'' ۱/۱۶'' ابکار المنن'' ص ۱۴۷، ۱۵۰ وغیرہ۔ ۴؎ تھذیب الکمال (۱/۳۹۳)

۵؎ غیر مقلدین کی طرف سے اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر چہ ابن عدی نے ابوشیبہ کی روایات کے بارے میں لہ احادیث صالحۃ فرمایا ہے لیکن اس قول سے اس کی مذکورہ روایات کو کیا فائدہ ہوا کیونکہ انہوں نے اس روایت کو ابوشیبہ کی مناکیر میں شمار کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ مذکورہ روایت اس کی صالح حدیثوں میں شامل نہیں ہے۔ مھلہ انوار المصابیح (ص ۱۸۳) وغیرہ۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ خود غیر مقلدین (مولانا نذیر رحمانی وغیرہ) نے تسلیم کیا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ امام ابن عدی کسی راوی کی روایت کو منکر شمار کریں تو وہ روایت فی الواقع بھی منکر ہی ہو۔ چنانچہ مولانا نذیر رحمانی صاحب لکھتے ہیں: ابن عدی کا یہ صنیع صرف مجروح راوی کے ساتھ خاص نہیں اور نہ یہ بات ہے کہ (جس روایت کو وہ =

عیسی بن جاریہ (جو رسول اللہ ﷺ سے مروی گیارہ رکعات والی روایت کے راوی ہیں) کے بارہ میں فرمایا ہے: احادیثہ غیر محفوظة کہ اس کی احادیث غیر محفوظ ہیں۔ ۱؎ اب جس کی روایات صالح اور درست ہیں وہ تو غیر مقلدین کے نزدیک نہایت ضعیف راوی ہے لیکن جس کی احادیث غیر محفوظ اور شاذ ہیں، وہ غیر مقلدین کے ہاں اونچے درجہ کا ثقہ راوی ہے۔ غیر مقلدین کا یہ بھی عجیب انصاف ہے؟

(۳) امام بخاریؒ کے استاذ الاستاذ حضرت یزید بن ہارونؒ جو ابو شیبہؒ کے زمانہ قضاء میں ان کے کاتب اور منشی تھے، وہ بھی ابو شیبہ کے بڑے مداح تھے۔ چنانچہ وہ اس کے بارے میں یہاں تک فرماتے تھے۔

ماقضى على الناس رجل يعنى فى زمانه اعدل فى قضاء منه ۲؎

ابراہیم ابو شیبہ سے بڑھ کر اپنے زمانے میں کوئی قاضی عادل نہیں ہوا۔

اب جو شخص قضاء اور لوگوں کے ساتھ معاملات میں اتنا بڑا عادل ہے وہ نبی ﷺ کی حدیث بیان کرنے میں عادل کیوں نہیں ہوگا؟ اور راوی کے ثقہ ہونے کیلئے بنیادی طور پر دو ہی چیزیں دیکھی جاتی ہیں، ایک ضبط یعنی قوت حافظہ اور دوسری عدالت۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

لابدفى كون الشخص ثقة من شيئين العدالة والضبط۔ ۳؎

راوی کے ثقہ ہونے کیلئے دو چیزیں ضروری ہیں۔ نمبر ۱۔ عدالت۔ نمبر ۲۔ قوت حافظہ۔

اب امام ابن عدی کا ابو شیبہ کے بارے میں لہ احادیث صالحة کہنا ابو شیبہ کے ضبط اور قوت حافظہ کو ثابت کرتا ہے کیونکہ اس کا حافظہ اگر قوی نہیں تھا تو اس کے پاس صالح اور درست حدیثیں کیسے آگئیں؟ اور یزید بن ہارون کی اس شہادت کے بعد تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اونچے درجے کا عادل تھا۔

(۴) امام ابن عدی نے ابو شیبہ کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے: وهووان نسبوه الى الضعف خير من ابراهيم بن ابى حية۔ ۴؎ لوگوں نے اگرچہ ابو شیبہ کو ضعف کی طرف منسوب کیا ہے لیکن وہ

منکر شمار کریں۔ ناقل) وہ روایت منکر ہوتی ہے جیسا کہ علامہ مئوی کہہ رہے ہیں بلکہ وہ روایت ذکر کرتے ہیں جس پر جرح وانکار کیا گیا یہ ضروری نہیں کہ فی الواقع وہ منکر ہو بھی۔ انوار المصابیح (ص ۱۲۶)۔ اب رحمانی صاحب کے اعتراض کا جواب خود ان ہی کے قلم سے دیئے گئے جواب زیادہ سے بہتر کیا ہو سکتا ہے؟ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا۔

۱؎ تھذیب التھذیب (۸/۱۸۷) ۲؎ "تھذیب الکمال" (۱/۳۹۲) ۳؎ ابکار المنن (ص ۱۶۹) ۴؎ تھذیب الکمال (۱/۳۹۳)

ابراہیم بن ابی حیہ سے بہتر ہے۔

ابراہیم بن ابی حیہ کے بارے میں امام الرجال حضرت یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: شیخ ثقہ کبیر ۱؎ یہ شیخ ہیں اور بہت بڑے ثقہ ہیں۔ یہ امام ابن معین کی طرف سے ابراہیم بن ابی حیہ کی زبردست اور مقرر توثیق ہے کیونکہ لفظ ثقہ الفاظ تعدیل میں سے تو ہے ہی، لفظ شیخ بھی الفاظ تعدیل میں سے ہے ۲؎۔ نیز مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں: اصول حدیث کے طالب علم پر مخفی نہیں کہ مقرر توثیق تعدیل میں درجہ اوّل کے الفاظ میں شمار ہوتے ہیں ۳؎۔ اگر چہ ابن ابی حیہ پر جرح بھی کی گئی ہے ۴؎۔ لیکن اس کی بہت بھاری توثیق بھی کی گئی ہے لھذا یہ مختلف فیہ راوی ہے اور غیر مقلدین کے مشہور محدث حافظ محمد گوندلوی

۱؎ لسان المیزان (۵۳/۱) ۲؎ دیکھئے توضیح الکلام (۴۸۰/۱)

۳؎ توضیح الکلام (۲۶۸/۱) ۴؎ چنانچہ امام نسائی اس کے بارے میں فرماتے ہیں: ضعیف۔ ابن المدینی فرماتے ہیں لیس بشیء، امام ابوحاتم اور امام بخاری فرماتے ہیں: منکر الحدیث، امام دارقطنی فرماتے ہیں: متروک، ابن حبان نے بھی جرح کی ہے نور المصابیح (ص)از زبیر علی زئی غیر مقلد۔ بحوالہ ''لسان المیزان'' (۵۳/۱)۔ لیکن یہ سب جرحیں خود غیر مقلدین کے نزدیک مبہم اور غیر مفسر ہیں۔ چنانچہ زبیر علی زئی پیر دادی غیر مقلد لکھتے ہیں: ۔صرف ضعیف یا متروک یا منکر الحدیث کہہ دینا جرح مفسر نہیں ہے۔ رسالہ رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۶۵)۔ مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: متروک جرح غیر مفسر ہے۔ ''توضیح الکلام'' (۱۴۳/۱)۔ مولانا نذیر رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں: مستند علماء نے اس (لفظ منکر الحدیث) کے جرح مبہم ہونے کی تصریح کی ہے۔ ''انوار المصابیح'' (ص ۱۱۹)۔ مولانا محمد گوندلویؒ تو امام بخاریؒ کی جرح منکر الحدیث کو بھی غیر مفسر کہتے ہیں۔ دیکھئے ''خیر الکلام'' (ص ۱۶۲)۔ پس جب یہ تمام جرحیں خود غیر مقلدین کے نزدیک مبہم ہیں اور متعدد علمائے غیر مقلدین علماء نے تصریح کی ہے کہ جرح مبہم توثیق کے بعد معتبر نہیں ہوتی۔ چنانچہ مولانا محمد گوندلویؒ صاحب لکھتے ہیں: مبھم جرح توثیق کے بعد مقبول نہیں ہوتی۔ ''خیر الکلام'' (ص ۱۵۸)۔ مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ جرح مبہم مضر نہیں ہے۔ دیکھئے ابکار المنن (ص ۸۰، وغیرہ)۔ مولانا نذیر رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ جب کسی راوی کی تعدیل و توثیق کسی حاذق اور ماہر فن محدث نے کی ہو تو اس کے حق میں جرح مفسر ہی مقبول ہوگی غیر مفسر اور مبہم جرحوں کا اعتبار نہ ہوگا۔ انوار المصابیح (ص ۱۳۸)۔ لھذا جب ابراہیم بن ابی حیہ کی امام یحییٰ بن معین جیسے ماہر اور حاذق نے زبردست توثیق کردی ہے تو پھر اس کے حق میں ان جرحوں کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا جو بقول غیر مقلدین سب مبہم اور غیر مفسر ہیں۔

صاحب لکھتے ہیں۔ کہ جب راوی مختلف فیہ ہوتو اس کی حدیث حسن ہوتی ہے ۱؎۔ بنابریں جب ابن ابی حیہ اس درجہ کا راوی ہے کہ بقول غیر مقلدین اس کی حدیث حسن ہے تو پھر ابراہیم ابوشیبہ جو اس سے بہتر ہے اس کی حدیث کیوں قابل قبول نہیں؟

آپ اپنے جور و جفا پر خود ہی ذرا غور کریں ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

ابوشیبہ پر کی گئی جرحوں کا جائزہ:۔

ماقبل تفصیل کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ابوشیبہ پر جتنی بھی جرحیں کی گئی ہیں، تقریباً وہ سب جرحیں خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی مبہم اور غیر مفسّر ہیں: مثلاً امام ابوداؤدؒ، امام بیہقیؒ اور امام زیلعیؒ وغیرہ نے اس کو ضعیف اور امام نسائیؒ وغیرہ نے اس کو متروک کہا ہے اور پہلے ابن ابی حیہ کے تذکرہ میں غیر مقلدین کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ یہ جرحیں مبہم ہیں: نیز یہ بات بھی متعدد علمائے غیر مقلدین کے حوالے سے گزر چکی ہے کہ جرح مبہم معتبر نہیں ہے۔

اب ان جرحوں کی حیثیت خود غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں ملاحظہ ہوں۔

﴿۱﴾ امام بخاری اور امام ابوحاتم نے ابوشیبہ کے بارے میں سکتوا عنہ اور ترکوا عنہ فرمایا ہے اور ان دونوں جملوں سے انہوں نے اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا بلکہ دوسروں لوگوں کی رائے نقل کی ہے۔ اور یہ کلام بھی موجب جرح نہیں کیونکہ جرح کرنے والے مجہول ہیں چنانچہ اس قسم کی ایک جرح لینوہ کے بارے میں مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: امام دارقطنی نے اگر لینوہ کہا ہے تو اس کو لین کہنے والے مجہول ہیں لھذا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ ۲؎ نیز لکھتے ہیں:۔

اگر جارح مجہول ہے تو اہل علم نے جرح کو قبول نہیں کیا۔ ۳؎ مزید لکھتے ہیں: یہ کلام موجب جرح نہیں کیونکہ یہ مجہول آدمی سے ہے کہ کس نے یہ کہا ہے ۴؎۔ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: ابن ابی حاتم کا قول "تکلموا فیہ" کئی لحاظ سے مردود ہے (۲) یہ جرح غیر مفسر ہے (۳) اس کا جارح نہ معلوم ہے۔ ۵؎ کیا ہم بھی غیر مقلدین سے ایسے ہی انصاف کی توقع رکھ سکتے ہیں؟ دیدہ باید۔

۱؎ "خیر الکلام" (ص ۲۲۸) ۲؎ "توضیح الکلام" (۵۳۴/۱) ۳؎ ایضاً ۴؎ ایضاً ۵؎ نور العینین (ص ۸۸)

﴿۳﴾ امام احمد نے ابوشیبہ کو منکر الحدیث کہا ہے لیکن اول تو یہ جرح بھی غیر مقلدین کے نزدیک مبہم ہے جیسا کہ گزر چکا۔ ثانیاً: امام احمد کی لفظ منکر الحدیث کے بارے میں اصطلاح ہی جدا ہے۔ چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: امام احمد نے کسی کو منکر الحدیث بالفرض کہا بھی ہے تو اس کو جرح مفسر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ منکر الحدیث امام احمدؒ کی اصطلاح میں اس پر بولا جاتا ہے جو غریب حدیث لائے اور غریب حدیث صحیح بھی ہو سکتی ہے [1]۔ مولانا محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: امام احمد اور اس قسم کے لوگ کسی کو منکر کہتے ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ قابل احتجاج نہیں ہے [2]۔

(۴) امام شعبہ نے ابوشیبہ کی مطلق تکذیب نہیں کی بلکہ صرف ایک قصہ میں اس کے بارے میں کذّب فرمایا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: و کذّبه شعبة فی قصة [3]۔ اور وہ قصہ کیا تھا؟ اس کو حافظ ذہبیؒ نے یوں بیان کیا ہے:۔ امام شعبہ نے ابوشیبہ کو اس لئے جھٹلایا کہ اس نے حکم سے یہ روایت بیان کی کہ حضرت ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں جنگ صفین میں ستر اہل بدر نے شرکت کی تھی۔ امام شعبہ نے فرمایا اس نے غلط بیانی کی۔ واللہ میں نے اس بارے میں حکم سے مذاکرہ کیا تو ہم نے سوائے حضرت خزیمہ ﷛ کے کسی اہل بدر کو نہیں پایا جس نے جنگ صفین میں شرکت کی ہو [4]۔ اس بیان سے واضح ہو گیا کہ امام شعبہؒ نے ابوشیبہؒ کی مطلق تکذیب نہیں کی بلکہ صرف ایک واقعہ بیان کرنے میں اسے جھٹلایا ہے اور اس قصہ میں بھی ابوشیبہ کا کوئی قصور نہیں۔ کیوں کہ انھوں نے تو یہ روایت امام حکم سے نقل کی تھی۔ اب اگر یہ روایت غلط ہے تو اس میں قصور امام حکمؒ کا ہے کہ انھوں نے ہی یہ روایت بیان کی نہ کہ ابوشیبہ نے۔

پھر جب شعبہ نے حکم سے اس بارے میں مذاکرہ کیا تو حکم نے بھی یہ انکار نہیں کیا کہ انھوں نے یہ روایت ابوشیبہ سے نہیں بیان کی بلکہ وہ تو الٹا شعبہ کے ساتھ اس بارے میں مذاکرہ کیلئے تیار ہو گئے لیکن وہ سوائے ایک کے کسی دوسرے اہل بدری کی شرکت جنگ صفین میں ثابت نہ کر سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکم نے ابوشیبہ کے سامنے یہ روایت ضرور بیان کی تھی ورنہ وہ امام شعبہ سے مذاکرہ کرنے اور ستر (۷۰) اہل بدر کے اسماء ڈھونڈنے کی بجائے صاف انکار کر دیتے کہ انھوں نے یہ روایت ہی بیان نہیں کی۔

---

[1] توضیح الکلام (۵۰۰/۱)، مولانا صفدر اپنی تصانیف کے آئینے میں (ص ۴۱)

[2] خیر الکلام (ص ۴۹) بحوالہ احسن الکلام (۳۱۴/۱) [3] تھذیب (۱۴۵/۱) [4] میزان الاعتدال (۲۳/۱)

پس امام حکم کو بھی تسلیم ہے کہ انہوں نے ابوشیبہؒ سے یہ روایت بیان کی ہے۔اب اگر یہ واقعہ غلط ہے تو اس کا قصور امام حکم کے سر ہے کیونکہ وہ ہی صاحب واقعہ ہیں اور دلیل بھی ان کے ذمہ ہے۔لھذا حکم کی وجہ سے امام شعبہؒ کا ابوشیبہ کی تکذیب کرنا غلط اور نا قابل قبول ہے۔

امام شعبہ کا دعوی کے صفین میں حضرت خزیمہ ﷺ کے سوا کوئی بدری شریک نہیں ہوا، درست نہیں۔یہی وجہ ہے کہ امام ذہبیؒ نے امام شعبہؒ کی اس جرح کا یوں مذاق اڑایا ہے:۔ قلت سبحان الله اما شهدها علی اماشهدهاعمار۔[1] میں کہتا ہوں کہ سبحان اللہ کیا حضرت علی ﷺ نے جنگ صفین میں شرکت نہیں کی تھی؟ کیا حضرت عمار ﷺ نے شرکت نہیں کی تھی (اور یہ دونوں اھل بدر میں سے ہیں)۔

یعنی امام شعبہ نے صرف اس وجہ سے ابوشیبہؒ کی تکذیب کر دی کہ بجائے ستر بدری صحابہ ﷺ کے صرف ایک حضرت خزیمہ ﷺ کی شرکت ثابت ہو سکی حالانکہ امام ذہبیؒ کے مطابق حضرت خزیمہ ﷺ کے علاوہ حضرت علی ﷺ اور حضرت عمار ﷺ کی بھی جنگ صفین میں شرکت ثابت ہے۔معلوم ہوا کہ امام ذہبیؒ کے نزدیک بھی ابوشیبہ پر امام شعبہؒ کی یہ جرح غلط ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے نزدیک بھی شعبہ کی یہ تکذیب قابل قبول نہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے تقریب میں ابوشیبہ کے بارے میں متروک الحدیث لکھا ہے [2] اور حافظ نے متروک الحدیث کو الفاظ جرح کے طبقہ عاشرہ میں شمار کیا ہے جبکہ جس راوی پر کذب کی تہمت لگائی گئی ہے اس کو انھوں نے طبقہ الحادیۃ عشرۃ میں شمار کیا ہے اور جس راوی پر کذب کا اطلاق کیا گیا ہے اس کو انھوں طبقہ الثانیۃ عشرۃ میں شمار کیا ہے [3]۔

لھذا جب حافظ ابن حجر نے ابوشیبہ کو نہ طبقہ حادیہ عشرہ میں شمار کیا اور نہ طبقہ ثانیہ عشرۃ میں شمار کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک نہ ابوشیبہ پر کذب کی تہمت صحیح ہے اور نہ اس پر کذب کا اطلاق درست ہے۔حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور ان کی اس کتاب تقریب التھذیب کے متعلق مولانا نذیر

---

[1] میزان الاعتدال (۳۲/۱) [2] دیکھئے ''انوار المصابیح'' (ص ۴۸۱) [3] دیکھئے مقدمہ تقریب (۵۲/۱)

احمد رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں: حافظ نے یہ بھی لکھا ہے اس کتاب میں کسی راوی پر وہی حکم لگاؤں گا جو اس کے حق میں کہے گئے اقوال میں سب سے زیادہ صحیح اور اس کے متعلق بیان کئے گئے اوصاف میں زیادہ مناسب ہوگا [1]۔

پس جب بقول مولانا رحمانی حافظ ابن حجر کے نزدیک ابوشیبہ کے بارے میں تکذیب کا قول غیر صحیح ارر غیر مناسب ہے تو پھر غیر مقلدین کس منہ سے ابوشیبہ کی تکذیب پر کمر بستہ ہیں۔؟

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

ثانیا: یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں کذب قصداً جھوٹ بولنے کے معنٰی میں نہ ہو کیوں کہ کذب کا اطلاق صرف قصداً جھوٹ بولنے پر نہیں ہوتا بلکہ کبھی کبھی اس کا اطلاق کسی بات کو بلا تحقیق نقل کرنے پر بھی ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس کی کئی مثالیں مقدمہ فتح الباری میں ذکر کی ہیں [2]۔

اور یہی معنی قرین قیاس ہے کیوں کہ امام شعبہؒ جنھوں نے خود ابراہیم ابوشیبہ سے روایت لی ہے (اور غیر مقلدین کو اقرار ہے کہ وہ صرف ثقہ راوی سے روایت لیتے ہیں) وہ کیسے ابوشیبہ کو جھوٹا کہہ سکتے ہیں۔ اس صورت میں کذب کا مطلب ہوگا کہ ابوشیبہ نے بلا تحقیق حکم کی روایت کو آگے بیان کر دیا کہ جنگ صفین میں ستر بدری صحابہ ﷺ نے شرکت کی تھی، فلا اشکال۔ یا یہاں کَذَبَ خَطَأً کے معنٰی میں ہے یعنی ابوشیبہ سے یہ روایت بیان کرنے میں خطا اور غلطی ہوئی ہے کیوں کہ کَذَبَ خَطَأً کے معنٰی میں بھی آتا ہے۔ چناچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: وقد یطلق الکذب علی الخطاء۔ [3]

علامہ طاہر صدیقی الفتنیؒ اور علامہ ابن الاثیر جزریؒ لکھتے ہیں: وقد استعملوا الکذب علی الخطاء۔ [4]

محدثین کبھی کبھی کذب کو خطا اور غلطی کے معنٰی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔

غیر مقلدین حضرات بھی ضرورت پڑنے پر کذب کو خطا کے معنٰی میں استعمال کرتے ہیں چناچہ امام مالکؒ

---

[1] انوار المصابیح (ص ۱۱۶) بحوالہ تقریب۔ [2] دیکھئے رکعات التراویح (ص ۵۷ مؤلفہ: مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ)

[3] مقدمہ فتح الباری (ص ۱۸۰) [4] مجمع بحار الانوار (۳۹۰/۴)، النھایۃ (۱۵۹/۴)

نے حدیث کے ایک راوی محمد بن اسحاق کو کذاب (بہت بڑا جھوٹا) قرار دیا ہے۔اس پر مولانا ارشادالحق اثری امام یحییٰ بن معینؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں غالباً انھوں (یعنی امام مالک ناقل) نے کلام میں غلطی (خطاء) کی بنا پر کذاب کہا ہے [1]۔کیا غیر مقلدین ابراہیم ابوشیبہ کے ساتھ بھی یہی انصاف کریں گے؟

ثالثاً: بالفرض اگر مان بھی لیا جائے کہ کذب یہاں اپنے اصلی معنیٰ (جھوٹ) میں ہی مستعمل ہے تو پھر امام شعبہ کی طرف سے ابوشعبہ پر یہ ایک جرح ہے لیکن امام شعبہ کا اس سے روایت لینا اس کی توثیق ہے (جیسا کہ غیر مقلدین کے حوالے سے گزر چکا ہے) اور مولانا ارشادالحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں: ایک ہی امام کے قول میں اختلاف ہو تو ترجیح توثیق کو ہوتی ہے [2]۔

پس بالفرض اگر امام شعبہ نے ابوشیبہ کی تکذیب بھی کی ہے تو اس سے روایت لے کر اس کی توثیق کر دی۔ لھذا ان کی توثیق کرنا ان کے جرح کرنے پر راجح ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔

﴿۵﴾ مولانا نذیر رحمانی صاحب علامہ زیلعیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں: ابن عدی نے اس (ابراہیم ابوشیبہ) کو لین کہا ہے [3]۔ اب لین کا لفظ الفاظ جرح میں کس درجہ کا ہے؟ اس کا جواب خود مولانا رحمانی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔چنانچہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں: محدثین نے فیہ لین اور لین الحدیث کو بہت ہلکے اور معمولی درجہ کے الفاظ جرح میں شمار کیا ہے [4]۔نیز لکھتے ہیں: معلوم ہوا کہ جس راوی کے متعلق فیہ لین یا لین الحدیث کہا ہو اس کی روایت قابل طرح وترک نہیں ہے [5]۔

قارئین:۔یہ ہیں ابوشیبہ پر کی گئی مبہم اور غیر متعلق جرحیں جو خود غیر مقلدین کے ہاں بھی قابل قبول نہیں۔ اور اس آخری جرح سے تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ابوشیبہ اگرچہ مجروح اور کمزور راوی ہے لیکن یہ اتنا کمزور نہیں کہ اس کی حدیث کو ترک کر دیا جائے لیکن اس کے باوجود غیر مقلدین کا تعصب اور ان کی بے انصافی ملاحظہ کریں کہ جو جرحیں خود ان کے نزدیک بھی نا قابل قبول ہیں، ان ہی کے بل بوتے وہ ابوشیبہ کو کس طرح سخت سے سخت ضعیف قرار دیکر اس کی یہ بیس تراویح والی روایت کو موضوع تک قرار دینے سے نہیں

---

[1] دیکھئے "توضیح الکلام" (۲۴۰/۱) [2] "توضیح الکلام" (۵۳۴/۱) [3] انوار المصابیح (ص ۱۷۰)
[4] انوار المصابیح (ص ۱۱۵) [5] ایضاً

ہو سکتے ،اس کی وجہ محض یہ ہے کہ یہ روایت ان کے مذہب کے خلاف ہے لیکن یہی راوی ابوشیبہ جب ان کے مذہب کے موافق کوئی روایت نقل کرتا ہے تو پھر ابوشیبہ نہ تو ضعیف ہے اور نہ اس کی روایت موضوع ہے۔والی اللہ المشتکیٰ۔مثلاً مشہور غیر مقلد لکھاری مولانا صادق سیالکوٹی صاحب کی کتاب صلوٰۃ الرسول غیر مقلدین کے درمیان نہایت مشہور اور معتبر کتاب سمجھی جاتی ہے اور یہ کتاب غیر مقلدین کے تمام اکابر (مولانا داؤد غزنوی، مولانا اسمٰعیل سلفی، مولانا عبداللہ امرتسری، مولانا نورحسین گرجھاکھی، مولانا احمد دین لتھا گھگڑوی اور مولانا محمد گوندلوی وغیرہ کی مصدقہ ہے۔اس کتاب میں مولانا سیالکوٹی نے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کی دلیل کے طور پر ابن ماجہ کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے [1]۔حالانکہ یہ روایت بھی ترمذی اور ابن ماجہ میں اسی ابوشیبہ سے مروی ہے لیکن پھر بھی مولانا سیالکوٹی صاحب بڑے طمطراق سے اس روایت سے استدلال کر رہے ہیں اور خود انہوں نے بھی اور اُن کی کتاب کے تمام مصدقین نے بھی اس روایت کے راوی ابوشیبہؒ کے ضعف کی طرف ادنیٰ سا اشارہ بھی نہیں کیا۔یہ ہے غیر مقلدین کا انصاف!

ع این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

بہر حال ہمیں یہ تسلیم ہے کہ ابوشیبہ مجروح راوی ہے لیکن اس کی روایت کو موضوع کہنا اور بالکل رد کر دینا یہ بے انصافی ہے۔اگر یہ ہماری بات تسلیم نہ ہو تو آیئے اہل سنت والجماعت اور غیر مقلدین دونوں کی مسلمہ شخصیت اور غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلویؒ صاحب کے استاذ الاستاذ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کی بات کو مان لیا جائے۔چنانچہ شاہ صاحب اپنے فتاویٰ میں اسی بیس تراویح والی روایت ابن عباسؓ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: امام بیہقی این روایت را تضعیف نمودہ بعلت آنکہ راوی این حدیث جدابی بکرابی شیبہ است حالانکہ جد ابی بکربن ابی شیبہ آں قدر ضعف ندارد کہ روایت اومطروح ساختہ شود [2]۔ بیہقیؒ نے اس روایت کو اس بنا پر ضعیف قرار دیا ہے کہ اس روایت کا ایک راوی ابوشیبہ جو ابوبکر بن ابی شیبہ کا

---

[1] صلوٰۃ الرسول (ص۴۳۴) [2] فتاویٰ عزیزیہ (۱/۱۱۹)

دادا ہے ضعیف ہے حالانکہ ابوبکر بن ابی شیبہ کا دادا اس قدر ضعیف نہیں کہ اس کی روایت کو مسترد کر دیا جائے۔ یہ ہے اس شخصیت کا فیصلہ جس کو خود غیر مقلدین بھی اپنا پیشوا مانتے ہیں۔

ضد چھوڑیئے بر سر انصاف آیئے　　　انکار ہی رہے گا میری جان کب تلک

جواب ثانی:۔ اس حدیث کی سند کو اگرچہ کتنا ہی ضعیف مان لیا جائے لیکن بہرحال یہ بات ضرور ہے کہ اس حدیث کا متن بالکل صحیح اور قابل عمل ہے [1]۔ کیونکہ اس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہے کہ تمام امت نے بالاتفاق اس کے مضمون (بیس تراویح) کو عملی طور پر قبول کیا ہے۔ خصوصاً حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور مسعود میں اس حدیث کو شرف قبولیت حاصل رہا اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے مضمون پر اجماع اور اتفاق کیا ہے۔ یہ بات خود غیر مقلدین کے اکابر کو بھی تسلیم ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے رئیس المحققین نواب صدیق حسن خان صاحب یہ حقیقت بے چوں و چرا تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وقد عدوا ما وقع فی زمن عمر رضی اللہ عنہ کالاجماع [2]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جو طریقہ بیس تراویح کا رائج ہوا اسکو علماء نے مثل اجماع کے شمار کیا ہے۔ مولانا وحیدالزمان غیر مقلد رقم طراز ہیں:۔ کوئی یہ وہم نہ کرے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے (تراویح کی جماعت مقرر کر کے۔ ناقل) دین میں ایک بات شریک کر دی جسکا اختیار ان کو نہ تھا، اسی طرح بیس رکعت تراویح کا حکم اپنی رائے سے دے دیا۔

حاشا وکلا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا کرتے بلکہ انہوں نے طریقہ نبوی ﷺ کا اتباع کیا۔ آنحضرت ﷺ کی حیات میں ایک ہی امام کے پیچھے سب نے تراویح پڑھی۔ ایک مسجد میں متعدد جماعتیں ایک ہی وقت آنحضرت ﷺ کے عہد میں کبھی نہیں ہوئیں۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ضرور آنحضرت ﷺ کو بیس

---

[1] جس طرح حدیث کی سند کا صحیح ہونا اس کے متن کی صحت کو مستلزم نہیں ہے کما قالہ المبارکپوری فی "ابکار المنن" (ص ۲۸) اسی طرح سند کا ضعیف ہونا بھی اس کے متن کے ضعف کو مستلزم نہیں چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری امام ترمذی کے قول ھذا الحدیث لایصح من قبل اسنادہ (یہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے) کے تحت لکھتے ہیں: ای من جہۃ اسنادہ وان کان صحیحا باعتبار معناہ۔ "تحفۃ الاحوذی" (۱/۱۴۶) یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اگرچہ اس کا معنیٰ (مضمون) صحیح ہے۔ معلوم ہوا کہ کوئی حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہونے کے باوجود مضمون کے لحاظ سے صحیح ہو سکتی ہے جیسا کہ یہ مذکورہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ ہے۔ [2] عون الباری (۱/۳۱۷)

رکعتیں تراویح کی بھی پڑھتے دیکھا ہوگا۔ گو ہم تک یہ روایت بہ سند صحیح نہیں پہنچی۔ اس کی سند میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان منکر الحدیث ہے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ اس سے بہت پہلے تھا۔ ان کو بہ سند صحیح یہ پہنچ گئی ہوگی یا انہوں نے خود دیکھا ہوگا ۱؎۔ مولانا میاں غلام رسول صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ائمہ اربعہ اور مسلمانوں کی عظیم جماعت کا عمل یہ ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک مشرق و مغرب میں تیئس (۲۰ تراویح اور ۳ وتر) ہی پڑھتے ہیں ۲؎۔ ان اقتباسات سے معلوم ہوا کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہونے کے باوجود تعامل اور توارث سے مؤید ہے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امت مسلمہ کی طرف سے اس کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور یہ طے شدہ اصول ہے کہ جس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے وہ سند کے اعتبار سے کتنی ہی ضعیف کیوں نہ ہو پھر بھی وہ قابل عمل اور قابل حجت ہوتی ہے۔ چنانچہ مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: بعض ضعف ایسے بھی ہیں جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے ہیں ۳؎۔

فتاوی علمائے حدیث میں ہے: ضعیف حدیث جبکہ قرون مشہود لھا بالخیر (خیر القرون۔ ناقل) میں معمول بہ ہو وہ امت کے ہاں مقبول ہے ۴؎۔ نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: اگر کوئی حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف بھی ہو لیکن اس کے مضمون پر پوری امت کا عمل ہو تو اس حدیث پر عمل کرنا ضروری ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اس کو ضعیف کہنے والے علماء بھی اس پر عمل کرتے ہیں ۵؎۔

علامہ ابن حزم ظاہریؒ غیر مقلد فرماتے ہیں: جب کوئی مرسل حدیث ہو یا کوئی ایسی حدیث ہو جس کے راوی میں ضعف ہو اور ہم یہ دیکھیں کہ سب لوگوں کا اس پر اجماع ہے اور سب اس کے قائل ہیں تو یقیناً ہم یہ جان لیں گے کہ وہ حدیث صحیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے ۶؎۔ قاضی محمد شوکانی غیر مقلد ایک حدیث کی تحقیق میں امام خطابیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں: یہ ایسی حدیث ہے کہ اس کے قبول کرنے پر فقہاء نے بالاتفاق اس حدیث کو قبول کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی کوئی اصل ہے اگر چہ اس

۱؎ لغات الحدیث (مادہ وزح) ۲؎ رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع (ص ۲۸) ۳؎ اخبار اہل حدیث ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء۔ بحوالہ رکعات تراویح (ص ۶۱) ۴؎ (۲/۷۴) ۵؎ الروضۃ الندیۃ (ص ۶) ۶؎ توجیہ النظر (ص ۵۰) بحوالہ تسکین الصدور (ص ۳۴)

کی سند میں کلام ہے جیسا کہ فقہاء نے لاوصیۃ لوارث والی روایت کو قبول کر کے اس سے احکام مستنبط کیے ہیں حالانکہ اس کی سند میں جو ضعف ہے وہ ظاہر ہے ۔ ل ۔

مولانا اسماعیل سلفی صاحب غیر مقلد (سابق ناظم اعلیٰ جمعیت اہل حدیث) ابن ماجہ کی ایک ضعیف روایت کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وقد قبل جمہور الامۃ روایۃ ابن ماجۃ مع ضعفھا ۲ ۔

ابن ماجہ کی اس حدیث کو ضعیف ہونے کے باوجود جمہور امت نے قبول کیا ہے۔

پس جب اکابرین غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور ان کو یہ بھی اقرار ہے کہ اگر کوئی حدیث ضعیف بھی ہو تو تلقی بالقبول کی وجہ سے اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے، لھذا یہ حدیث خود غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں بھی بالکل صحیح اور قابل عمل ہے۔

حدیث نمبر۲: حافظ ابن حجر عسقلانیؒ امام رافعیؒ سے نقل کرتے ہیں: انہ ﷺ صلی بالناس عشرین رکعۃ لیلتین فلما کان فی اللیلۃ الثالثۃ اجتمع الناس فلم یخرج الیھم ثم قال من الغد خشیت ان تفرض علیھم فلا تطیقوھا ۳ ۔

ترجمہ: نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو (رمضان المبارک کی) دو راتوں میں بیس بیس رکعتیں (تراویح کی) پڑھائیں۔ جب تیسری رات ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پھر جمع ہوئے لیکن نبی ﷺ تشریف نہیں لائے، پھر دوسرے دن فرمایا کہ مجھے یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے اور پھر تم اس کی طاقت نہ رکھ سکو۔

اس روایت کی سند اگرچہ علامہ رافعیؒ نے ذکر نہیں کی لیکن اگر ضعیف بھی ہو تو تلقی بالقبول سے مؤید ہونے کی وجہ سے صحیح ہے۔

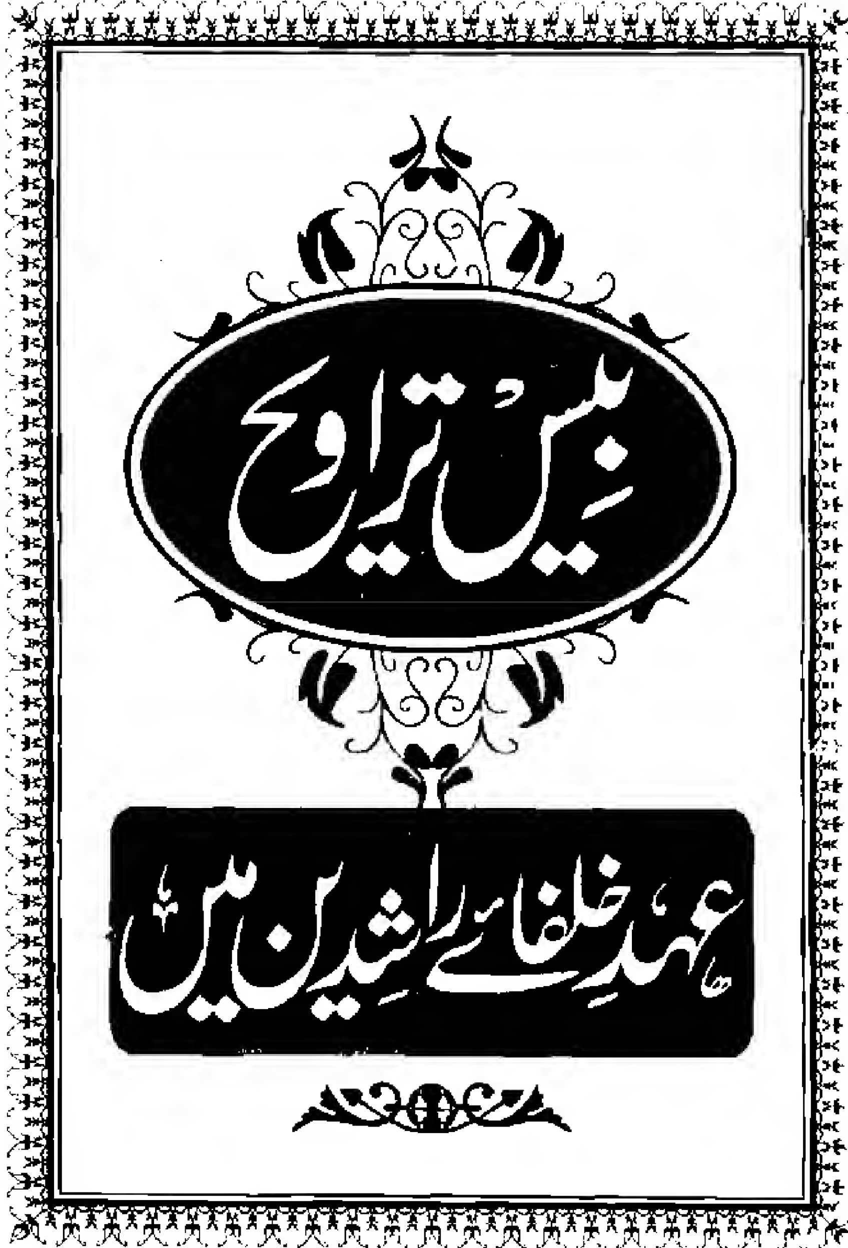
حدیث نمبر۳: عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ خرج النبی ﷺ ذات لیلۃ فی رمضان فصلی الناس اربعۃ وعشرین رکعۃ واوتر بثلثۃ ۴ ۔

---

۱ نیل الاوطار (۲۳۸/۵) ۲ حرکۃ انطلاق الفکری (ص۲۴۱) ۳ تلخیص الحبیر (۲۱/۲) ۴ تاریخ جرجان ابی قاسم بن حمزہ یوسف السھمی (۲۷۵) بحوالہ حدیث اور اہل حدیث (ص۶۳۵)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک میں ایک رات نبی ﷺ باہر تشریف لائے اور صحابہ کرام ؓ کو چوبیس رکعتیں (۴ عشاء کی اور بیس تراویح کی) پڑھائیں اور تین رکعات وتر پڑھے۔




بیس تراویح
عہدِ خلفائے راشدین میں

اب وہ روایات ملاحظہ ہوں جن میں خلفائے راشدین کا بیس تراویح پڑھنے کا حکم یا ان کے عہد میں بیس تراویح پڑھے جانے کا ذکر ہے۔ اور آغاز عہد فاروقی سے متعلق روایات سے کیا جائے گا کیوں کہ بیس تراویح کی باجماعت کا باقاعدہ آغاز ان ہی کے دور مسعود میں ہوا۔

بیس تراویح عہد فاروقی میں

روایت نمبر۱: امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ[1] فرماتے ہیں: حدثنا وکیع[2] عن مالک[3] عن یحیی بن سعید[4] ان عمر بن الخطاب امر رجلا ان یصلی بھم عشرین رکعۃ[5]۔

ترجمہ: حضرت یحییٰ بن سعید انصاریؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے ایک آدمی (حضرت ابی بن کعبؓ) کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائے۔

یہ روایت سند کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے البتہ یہ روایت مرسل ہے کیوں کہ اس کے راوی حضرت یحییٰ بن سعید تابعیؒ نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا۔ لیکن مرسل روایت عند الجمہور حجت ہے۔

۱۔ امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ بالاتفاق ثقہ امام ہیں، حافظ ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: الحافظ عدیم النظر، الثبت النحریر۔ تذکرۃ الحفاظ (۲/۴۳۲)

۲۔ وکیع بن الجراح الکوفی۔ حافظ ذہبیؒ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں: الحافظ۔ الامام الثبت، محدث العراق، احد الائمۃ الاعلام۔ تذکرۃ (۲/۲۸۲)، حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: ثقہ، حافظ، عابد، تقریب التھذیب (۲/۲۸۴) مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ لکھتے ہیں: احد الائمۃ الاعلام ثقۃ حافظ۔ تحفۃ الاحوذی (۲/۲۴) مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں: احد الائمۃ الاثبات۔ التعلیق المغنی (۲/۱۷)

۳۔ امام مالک بن انس ائمہ اربعہ میں سے ایک جلیل القدر امام ہیں، ان کی ثقاہت اور جلالت قدر پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: الفقیہ، امام دار الھجرۃ، راس المتقنین و کبیر المثبتین۔ تقریب (۲/۱۵۱)

۴۔ یحییٰ بن سعید الانصاری التابعی، امام احمد، یحییٰ بن معین، ابو حاتم، ابن حبان، عجلی وغیرہ سب ائمہ رجال نے آپ کی توثیق کی ہے۔ امام بخاریؒ کے استاذ، امام علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں کبار تابعین کے بعد یحییٰ بن سعید اور ابن شہاب جیسا کوئی تابعی نہیں ہے۔ دیکھئے الجرح والتعدیل (۹/۱۴۹)، تذکرۃ (۱/۱۳۷) وغیرہ

۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۲۸۵)

حجیت مرسل کی بحث

مرسل روایت ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ) اور جمہور فقہاء و محدثین (امام اوزاعی، امام سفیان ثوریؒ وغیرہ) کے نزدیک مطلق حجت ہے۔ تمام تابعین کرام بھی اس کی حجیت کے قائل ہیں [1]۔

البتہ امام شافعیؒ اور ان کے ہم فکر محدثین اور فقہاء کے نزدیک ہر مرسل روایت حجت نہیں بلکہ مرسل معتضد حجت ہے۔ مرسل معتضد کا مطلب یہ ہے کہ اس مرسل کی تائید کسی دوسری روایت سے (خواہ وہ مسند ہو یا مرسل) سے ہو چکی ہو، یا اس پر صحابہ کرام ﷺ یا اکثر علماء نے عمل کیا ہو [2]۔ مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ صاحب نے بھی تصریح کی ہے کہ مرسل معتضد سب کے نزدیک حجت ہے [3]۔ شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے تو یہ بھی تعمیم کی ہے کہ مرسل روایت کا مؤید ضعیف روایت بھی ہو تب بھی وہ حجت ہے [4]۔

غرض مرسل معتضد سب علماء کے نزدیک حجت ہے۔ خود غیر مقلدین علماء بھی اس کی حجیت کے قائل ہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوریؒ ابوقلابہ کی ایک مرسل روایت کے ذیل میں لکھتے ہیں: اگر یہ حدیث مرفوعاً غیر محفوظ اور مرسلاً محفوظ ہے تو بھی حجت ہے کیونکہ حدیث عبادہؓ وغیرہ سے اس کا اعتضاد ثابت ہے اور مرسل معتضد کے حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے [5]۔ غیر مقلد محقق مولانا عبدالرؤف اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: اگر اس بات کو نہ بھی تسلیم کیا جائے تب بھی مرسل حجت ہے کیونکہ اس کی تائید میں مرفوع صحیح روایات ہیں [6]۔ نیز عبدالرؤف صاحب محمد بن یحیٰی بن حبان کی ایک مرسل روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ مرسلاً بھی مروی ہے اور یہ حدیث اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے [7]۔

---

[1] چنانچہ علامہ ابن جریرؒ فرماتے ہیں: اجمع التابعون باسرهم علی قبول المرسل ولم یأت منهم انکاره ولا عن احد من الامة الیٰ رأس المائتین، تدریب الراوی (۱/۱٦۷) حضرات تابعین سب کے سب اس بات پر متفق تھے کہ مرسل قابل قبول ہے۔ اور تابعین سے لے کر دوسری صدی کے آخر تک کسی شخص نے اس کے حجت ہونے سے انکار نہیں کیا۔ [2] دیکھئے مقدمہ شرح مسلم للنووی (ص ۱۷) شرح نخبۃ الفکر (ص ۵۱)، زادالمعاد (۱/۱۰۳) وغیرہ [3] ابکار المنن (ص ۱۴۳/۱۴۴) [4] حاشیۂ شرح نخبۃ الفکر لشیخ الاسلام بحوالہ رکعات التراویح (ص ٦۵)، حجۃ البالغہ (۱/۱۴۰) [5] تحقیق الکلام (۱/۹۵) مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان۔ [6] القول المقبول فی شرح صلوٰۃ الرسول (ص ۳۷۰) [7] القول المقبول (ص ٦۲۱) طبع رابع

علامہ شوکانی غیر مقلد امام ابن شہاب زہری کی ایک مرسل روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وھذا وان کان مرسلاً لکنہ معتضد بما سبق [1] کہ یہ روایت اگرچہ مرسل ہے لیکن سابقہ روایات سے معتضد اور مؤید ہے۔ مولانا صادق سیالکوٹی غیر مقلد مرسل طاؤس کو معرض استدلال میں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں: گو یہ حدیث مرسل ہے لیکن دوسری مستند احادیث سے مل کر قوی ہوگئی ہے [2]۔ ہفت روزہ الاعتصام کے مفتی مولانا ثناء اللہ مدنی ایک مرسل روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: مشارٌ الیہ روایت ابوقتادہ اگرچہ منقطع (مرسل) ہے پھر اس میں لَیث بن ابی سلیم ضعیف راوی ہے۔ لیکن بعض نے شواہد کی بناء پر اس کو قابل عمل سمجھا ہے [3] - [4]

علامہ ابن حزم ظاہری غیر مقلد کا حوالہ حدیث نمبر ا کے ذیل میں گزر چکا ہے کہ اگر کوئی حدیث ضعیف یا

---

[1] نیل الاوطار (۳۴۹/۳) [2] صلوٰۃ الرسول (ص ۱۸۸) [3] ہفت روزہ الاعتصام ۲۷ محرم ۱۴۲۰ھ (ص)

[4] ان مذکورہ بالا مثالوں سے جس طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرسل معتضد بالاتفاق حجت ہے، اسی طرح یہ بات بھی اظہر من الشمس ہوگئی کہ علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی کبار تابعین کی طرح صغار اور اوساط تابعین کی مرسل معتضد بھی حجت ہیں جیسا کہ آپ نے اوپر کتاب میں پڑھ لیا ہے کہ مولانا مبارکپوری صاحب اور مولانا عبدالرؤف نے ابوقلابہ کی مرسل معتضد کو حجت کہا ہے حالانکہ ابوقلابہ کو حافظ ابن حجرؒ نے تابعین کے طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے۔ تقریب (۴۹۴/۱) اور اس طبقہ والوں کو انہوں نے اوساط تابعین میں سے بتلایا ہے، ایضاً (۲۵/۱)۔ نیز شیخ عبدالرؤف نے محمد بن یحییٰ بن حبان کی مرسل معتضد کو بھی حجت کہا ہے اور محمد بن یحییٰ کو حافظ نے طبقہ رابعہ کا راوی کہا ہے۔ ایضاً (۱۴۴/۲) حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک طبقہ رابعہ والے وہ ہیں جو طبقہ ثالثہ والوں کے قریب ہیں ایضاً (۲۵/۱)۔ اسی طرح قاضی شوکانی نے امام زہریؒ کی مرسل معتضد کو حجت کہا ہے حالانکہ زہری کو بھی حافظ ابن حجرؒ نے طبقہ رابعہ میں شمار کیا ہے ایضاً (۲۵/۱)۔ اور صادق سیالکوٹی صاحب حضرت طاؤس کی مرسل معتضد کو قوی کہہ رہے ہیں جبکہ طاؤس طبقہ ثالثہ کے ہیں جو اوساط تابعین کا طبقہ ہے۔ تقریب (۴۴۹/۱)۔ اسی طرح مولانا ثناء اللہ صاحب ابوالخلیل بصری کی مرسل سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ وہ طبقہ سادسہ کے ہیں، ایضاً (۴۴۳/۱) طبقہ سادسہ والوں کو حافظ ابن حجر نے صغار تابعین کا ہم عصر قرار دیا ہے ایضاً (۲۵/۱)۔ اب جبکہ یہ علمائے کرام جن میں مولانا مبارک پوری، قاضی شوکانی اور مولانا سیالکوٹی جیسے اکابرین غیر مقلدین بھی شامل ہیں، صغار اور اوساط تابعین کی مراسیل معتضدہ کی حجیت کا اقرار کر رہے ہیں تو پھر آج کل کے بعض اصاغر غیر مقلدین کا صغار اور اوساط تابعین کی مراسیل کو یہ کہہ کر رد کر دینا کہ صرف کبار تابعین کی مراسیل حجت ہیں۔ (انوار المصابیح ص ۲۷۸/۲۸۱)، خود اپنے اکابر کی تصریحات کی روشنی میں باطل ہے۔

مرسل ہی کیوں نہ ہو لیکن لوگوں کے عمل سے مؤید ہونے کی وجہ سے قابل حجت ہے۔اسی طرح نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد نے بھی مرسل معتضد کے حجت ہونے کی تصریح کی ہے [1]۔

الغرض:۔

مرسل معتضد کے حجت اور صحیح ہونے پر پوری امت (بشمول غیر مقلدین) کا اتفاق ہے اور چونکہ حضرت یحییٰ بن سعید انصاری کی مذکورہ روایت بھی مرسل معتضد ہے اس لئے کہ اس کی تائید دیگر کئی مسند اور مرسل روایات سے ہو رہی ہے، نیز اس پر صحابہ کرام ﷺ اور اکثر علماء نے عمل بھی کیا ہے [2]۔ لھذا اس روایت کے حجت اور صحیح ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔

روایت نمبر۲:۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں: عن یزیدبن رومان [3] انه قال کان الناس یقومون فی زمان عمربن الخطاب ﷺ فی رمضان بثلث وعشرین رکعة۔ [4]

ترجمہ:۔حضرت یزید بن رومانؒ تابعی سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ لوگ (صحابہ کرام ﷺ وتابعین عظام) حضرت عمر ﷺ بن خطاب کے زمانہ خلافت میں ماہ رمضان میں تیئس رکعات (۲۰ تراویح اور ۳ وتر) پڑھتے تھے۔

اس روایت پر یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ منقطع (مرسل) ہے کیونکہ یزید بن رومان کی حضرت عمر ﷺ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔لیکن یہ اعتراض بھی مردود ہے کیونکہ یہ روایت بھی مرسل معتضد ہے اور ابھی گزرا ہے کہ مرسل معتضد بالاتفاق حجت ہے۔

جواب ثانی:۔

یہ مؤطا امام مالک کی مرسل روایت ہے اور مؤطا میں جتنی بھی مرسل روایات ہیں ان کے صحیح

---

[1] دیکھئے دلیل الطالب (ص ۳۲۵) [2] ترمذی (۱/۹۹) [3] حضرت یزید بن رومان، امام مالک وغیرہ کے استاذ اور حضرت انس ﷺ اور حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ وغیرہ صحابہ کرام ﷺ کے شاگرد ہیں۔یہ بالاتفاق ثقہ تابعی ہیں، امام یحییٰ بن معینؒ، امام نسائی اور امام حبان وغیرہ نے آپ کی توثیق کی تھذیب التھذیب (۱۱/۳۲۵)۔حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی آپ کو ثقہ شمار کیا ہے، تقریب التھذیب (۲/۳۲۳)۔ [4] مؤطا امام مالک (ص ۴۰)

اور قابل حجت ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ چنانچہ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں۔ ومامن مرسل فی الموطاالاوله عاضداوعواضدفالصواب ان الموطا صحیح لایثتثنیٰ منه شئی۔[1]
مؤطا کی کوئی ایسی مرسل روایت نہیں ہے جس کیلئے کوئی ایک یا ایک سے زیادہ مؤید موجود نہ ہوں۔ پس صحیح یہ ہے کہ مؤطا کی تمام روایات بلا استثناء صحیح ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: شیخ ابن عبد البر مالکیؒ نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں مؤطا کی تمام مراسیل کا وصل ثابت کر دکھایا ہے اور لکھا ہے کہ مؤطا میں کل اکسٹھ مراسیل ہیں، جن میں سے چار روایتیں ایسی ہیں جن کا اتصال ثابت کرنے سے ہم قاصر رہے ہیں۔ باقی تمام مراسیل ومنقطعات کا اتصال دوسرے طرق واسناد سے محدثین پر واضح ہو چکا ہے۔ اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہؒ نے وہ چاروں روایتیں ذکر کیں ہیں لیکن ان میں یہ مذکورہ روایت شامل نہیں ہے۔[2]

مولانا عبد الرحمن صاحب مبارکپوریؒ اور مولانا میاں غلام رسول صاحب غیر مقلد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے نقل کرتے ہیں: واتفق اهل الحدیث علیٰ ان جمیع مافیه صحیح علیٰ رأی مالك ومن وافقه واماعلیٰ رأی غیره فلیس فیه مرسل ولامنقطع الا قداتصل السندبه من طرق اخریٰ فلاجرم انهاصحیحة من هذا الوجه۔[3]
تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ مؤطا میں جتنی بھی روایات ہیں، وہ سب امام مالکؒ اور ان کے موافقین کی رائے پر صحیح ہیں، رہے دوسرے حضرات (جو مرسل کو حجت نہیں مانتے۔ ناقل) تو ان کے نزدیک بھی مؤطا میں کوئی ایسی مرسل یا منقطع روایت نہیں جس کا دوسرے طریقوں سے اتصال ثابت نہ ہوتا ہو پس اس لحاظ سے بلاشبہ وہ (مرسل ومنقطع) روایات بھی صحیح ہیں۔

نیز مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ غیر مقلد فرماتے ہیں: صاحب کبیری نے جو یہ کہا ہے کہ یزید بن رومان کی حدیث منقطع ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغۃ

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوۃ (۱/۱۸) [2] مصفی شرح مؤطا مطبوعہ دہلی (ص ۷، ۸) بحوالہ التوضیح عن رکعات التراویح (ص ۱۱۴، ۱۱۵) [3] مقدمہ تحفۃ الاحوذی (ص ۳۰)، رسالہ تراویح مع ترجمہ "ینابیع" (ص ۴۱) بحوالہ "حجۃ اللہ البالغۃ" (۱/۱۳۳)۔

میں فرمایا ہے تمام اہل حدیث کے اتفاق سے مؤطا کی سب حدیثیں صحیح ہیں۔[1]

مشہور غیر مقلد محدث حافظ محمد گوندلوی صاحب (سابق امیر جماعت اہل حدیث) لکھتے ہیں: ائمہ حدیث کا اتفاق ہے کہ مؤطا کی جملہ احادیث امام مالکؒ کے ہاں ضرور صحیح ہیں اور ان کے ہم خیال بھی آپ سے ان کی صحت میں متفق ہیں اور جو ان کے ہم نوا نہیں، اس قدر انہیں بھی تسلیم ہے کہ اس میں کوئی ایسی مرسل، منقطع نہیں جو بسند مروی نہ ہو (مگر چند امور کما ثبت بالتتبع) بلا شبہ اس حیثیت سے یہ بھی صحیح ہیں۔[2]

مولوی محمد قاسم خواجہ غیر مقلد لکھتے ہیں: مؤطا امام مالک جس کے متعلق شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں امام شافعیؒ کا قول ہے یہ مؤطا کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب ہے اور تمام اہل حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کی تمام حدیثیں صحیح ہیں [3]۔ لھذا جب سب محدثین اور خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی مؤطا کی تمام مرسل روایات صحیح ہیں تو پھر مؤطا کی مذکورہ مرسل روایت پر ان کا اعتراض فضول ہے۔

جواب ثالث:۔ یزید بن رومان کی مذکورہ حدیث کو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''فتح الباری'' میں ذکر کر کے سکوت فرمایا ہے اور اس پر کسی قسم کی جرح نہیں کی اور متعدد علمائے غیر مقلدین نے تصریح کی ہے کہ حافظ ابن حجر کا کسی حدیث کو فتح الباری میں ذکر کر کے اس پر جرح نہ کرنا اس حدیث کے صحیح یا کم از کم حسن ہونے کی دلیل ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب ایک حدیث (جس پر حافظ ابن حجر نے سکوت کیا ہے اور جرح نہیں کی) لکھتے ہیں: ذکرہ الحافظ ابن حجر فی فتح الباری وھو حسن عندہٗ علی مااشترط فی اوائل مقدمۃ فتح الباری الخ [4]۔

اسی طرح ایک اور حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: وسکت (ابن حجر) عن حدیث وائل و حدیث ھلب فلو کانا ایضاً ضعیفین عندہٗ لبیّن ضعفھما ولانہٗ قال فی اوائل مقدمۃ فتح الباری الخ [5]۔

---

[1] رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع (ص ۴۲) [2] التحقیق الراسخ (ص ۱۶، ۱۷) [3] حی علی الصلوٰۃ (ص ۱۸)
[4] ابکار المنن (ص ۴۵) [5] حوالہ سابق (ص ۱۰۶)

مولانا عبدالرؤف سندھو لکھتے ہیں: فتح الباری میں حافظ ابن حجر کا سکوت اسکے حسن ہونیکی علامت ہے۔[1]

حافظ زبیر علی زئی مولانا عبدالمنان نورپوری صاحب غیر مقلد کے حوالہ سے لکھتے ہیں: حافظ ابن حجر نے عبدالعزیز بن عامر کے اثر کو فتح الباری میں نقل فرما کر سکوت فرمایا ہے۔ لھذا ان کی شرط کے اعتبار سے یہ اثر ان کے نزدیک کم از کم حسن تو ضرور ہے۔[2]

الغرض یہ روایت غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں ہر لحاظ سے صحیح ہے۔

اعتراض ثانی:۔

غیر مقلدین حضرات اس روایت پر یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ یہ روایت حضرت عمر ﷺ کے حکم سے خالی ہے اس میں صرف یہی ہے کہ لوگ حضرت عمر ﷺ کے زمانے میں بیس تراویح پڑھتے تھے۔ اس میں اس امر کی تصریح نہیں کہ جو لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے وہ بحکم حضرت عمرؓ پڑھتے تھے۔[3]

جواب: ۔ یہ اعتراض بھی کئی وجہ سے باطل ہے۔

(۱) اگرچہ اس روایت میں حضرت عمر ﷺ کے حکم کی تصریح نہیں لیکن دیگر روایات میں تو حضرت عمر ﷺ کے حکم کی تصریح موجود ہے۔ مثلاً حضرت یحییٰ بن سعید انصاری کی روایت جو ابھی گزری ہے، اسی طرح ابی بن کعب ﷺ کی روایت[4] اور حضرت حسن بصریؒ کی روایت[5] میں حضرت عمر ﷺ کے حکم کی تصریح موجود ہے۔ لھذا جن روایات میں حضرت عمر ﷺ کے حکم کی تصریح نہیں ان کو بھی ان کے حکم والی روایات پر محمول کیا جائے گا کیونکہ ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر بیان کرتی ہے۔ چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: اور اصول کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے:۔ الحدیث یفسر بعضه بعضا کہ ایک حدیث دوسری کی وضاحت کرتی ہے۔[6]

(۲) خود غیر مقلدین کے اکابر کو بھی یہ بات تسلیم ہے کہ حضرت عمر ﷺ کے زمانے میں جو لوگ بیس تراویح

---

[1] القول المقبول (ص۴۳۴) [2] نور العینین (ص۱۳۵) حاشیہ نمبر ا۔ [3] رکعات تراویح (۱۹) از حافظ عبداللہ غازیپوری، تعداد قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص۷۰) از حافظ زبیر علی زئی، تعداد تراویح (ص۶۲) از حافظ عبدالمنان نورپوری وغیرہ [4] دیکھئے کنز العمال (۸/۴۰۹) [5] سنن ابی داؤد (۱/۲۰۲) [6] توضیح الکلام (۱/۴۸۹، ۵۴۴)

پڑھتے تھے وہ حضرت عمرؓ کے حکم اور فرمان سے ہی پڑھتے تھے، اس کی تفصیل مقدمہ میں گزر چکی ہے، فلیراجع الیھا۔

(۳) یہ اعتراض ہی فضول ہے کیونکہ یہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت اور مدینہ جیسے شہر کا واقعہ ہے (اس لئے کہ اس روایت کے راوی حضرت یزید بن رومان مدنی ہیں۔ نیز متصل آئندہ روایت میں مدینہ منورہ کی تصریح ہے) اور حضرت عمرؓ نے ہی لوگوں کو تراویح کی جماعت پر اکٹھا فرمایا اور اس کی ترغیب دی بلکہ آپؓ کا لوگوں کے ساتھ تراویح پڑھنا بھی ثابت ہے۔ چنانچہ مدونہ کبریٰ میں ہے: ان عمرؓ و عثمانؓ کانایقومان فی رمضان مع الناس۔ ۱؎ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ لوگوں کے ساتھ تراویح پڑھتے تھے۔ اور بخاری وموطا وغیرہ کے حوالہ سے یہ روایت گزر چکی ہے کہ: حضرت عمرؓ نے اپنی مقرر کردہ جماعت تراویح کا معائنہ بھی فرمایا اور اس کو نعمت البدعۃ سے تعبیر فرمایا: اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کا یہ بیس تراویح پڑھنا حضرت عمرؓ کے زیر علم تھا ۲؎۔ نیز جب حضرت عمرؓ نے تراویح کی جماعت قائم فرمائی اور حضرت ابی بن کعبؓ کو اس کا امام مقرر فرمایا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے انھوں نے اس کی تعداد مقرر نہ فرمائی ہو اور اسے لوگوں کی مرضی پر چھوڑ دیا ہو؟ ۳؎ بالفرض مان لیا جائے کہ یہ لوگ خود اپنی مرضی سے بیس تراویح پڑھتے تھے تو کیا حضرت عمرؓ نے ان کو اس فعل سے منع فرمایا تھا؟ ہرگز نہیں۔ پس حضرت عمرؓ کا باوجود اس کا علم ہونے کے لوگوں کو اس فعل سے منع نہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں کے اس عمل میں ان کی رضامندی بھی شامل تھی اور ان کے نزدیک یہی سنت تھی۔ ورنہ حضرت عمرؓ جیسا متبع سنت اور عاشق رسول صحابی کیسے برداشت کرسکتا ہے کہ ان کے ماتحت رعایا کوئی غلط یا خلاف سنت کام سرانجام دیں۔ لھذا اگر بالفرض یہ ان کی قولی یا فعلی سنت نہیں تو ان کی تقریری سنت ضرور ہے۔

(۴) خود غیر مقلدین کے اپنے دلائل (روایات عمرؓ) میں سوائے موطا امام مالک کی روایت کے

۱؎ (۱/۱۹۴) ۲؎ مولانا نذیر رحمانی صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ لوگوں کا بیس تراویح پڑھنا حضرت عمرؓ کے زیر علم تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں: حضرت عمرؓ نے بیس (تراویح) پر نکیر نہیں فرمائی یہی اہل حدیث کا مذہب بھی ہے، انوار المصابیح (۲۴۳)۔ ۳؎ حدیث نمبر ۱ کے ذیل میں مولانا وحید الزمان غیر مقلد کا یہ بیان گزر چکا ہے کہ جس طرح حضرت عمرؓ نے تراویح کی جماعت قائم کی اسی طرح انہوں نے خود ہی تراویح کی تعداد بھی مقرر کی تھی۔

حضرت عمرؓ کے حکم کی تصریح نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا نذیر احمد رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں: امام مالک کی روایت میں (حضرت عمرؓ کے) حکم دینے کا ذکر ہے اور دوسروں کی روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے [1]۔ حالاں کہ خود غیر مقلدین ان روایات میں حضرت عمرؓ کے حکم کی تصریح نہ ہونے کے باوجود بھی بڑے طمطراق سے ان کا استدلال کرتے ہیں اور وہاں وہ جو عذر بیان کرتے ہیں وہ بھی ذرا ملاحظہ کریں۔

چنانچہ یحییٰ بن سعید کی روایت کے ذیل میں حافظ عبدالمنان نور پوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: یہ درست ہے کہ یحییٰ بن سعید کے بیان میں حضرت عمرؓ کے حکم کا ذکر نہیں مگر اس کے بیان میں حضرت عمرؓ کے حکم کی نفی بھی تو نہیں ہے [2]۔ کیا ہم بھی غیر مقلدین سے ایسے انصاف کی توقع رکھ سکتے ہیں۔ دیدہ باید!

روایت نمبر۳: امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ روایت کرتے ہیں: ثنا حمید بن عبدالرحمن عن حسن عن عبدالعزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعت ویوتر بثلاث۔ [3]

ترجمہ: حضرت عبدالعزیز بن رفیع تابعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ (عہد فاروقی میں) لوگوں کو مدینہ منورہ میں بیس رکعات (تراویح) اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔ سند کے پہلے راوی امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ صاحب مصنف کا تذکرہ روایت نمبر۱ میں گزر چکا ہے۔ دوسرے راوی حمید بن عبدالرحمٰن الرؤاسی ابوعوف الکوفی ہیں۔ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ: یہ ثقہ تھے، امام احمدؒ بھی ان کی تعریف کرتے ہیں، امام ابن حبانؒ نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے، امام ابن سعد فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے، امام عجلیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ثبت، عاقل اور ناسک تھے۔ امام ابوبکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان جیسے لوگ کم دیکھے ہیں [4]۔ تیسرے راوی حسن بن صالح بن حی بھی بالاتفاق ثقہ ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ انکو ثقہ، صحیح الروایہ اور اثبت فی الحدیث کہتے ہیں، امام نسائیؒ، امام یحییٰ بن معینؒ اور امام ابوحاتمؒ بھی ان کو ثقہ بتلاتے ہیں۔ امام ابوزرعہؒ

---

[1] انوار المصابیح (ص ۲۳۷) [2] تعداد تراویح (ص ۱۴۴) [3] مصنف ابن ابی شیبہ (۲۸۵/۲)

[4] دیکھئے تھذیب التھذیب (۴۴/۳)، تذکرۃ الحفاظ (۲۸۸/۱)۔

" فرماتے ہیں کہ حسن بن صالح میں اتقان (روایت حدیث میں پختگی)، فقہ، عبادت اور زہد چاروں چیزیں جمع تھیں، عبدہ بن سلیمان کا قول ہے کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی حسن بن صالح کو عذاب دینے سے حیا (درگزر) فرمائیں گے ۱؎ ۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقۃ فقیہ، عابد۔ ۲؎

چوتھے راوی حضرت عبدالعزیز بن رُفیعؒ ثقہ تابعی ہیں، امام احمدؒ، امام یحییٰ بن معینؒ، امام ابوحاتم رازیؒ اور امام نسائیؒ وغیرہ ان کو ثقہ کہتے ہیں، امام ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے، امام عجلیؒ فرماتے ہیں کہ عبدالعزیز بن رفیعؒ ثقہ تابعی ہیں، امام یعقوب بن شیبہؒ فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث حجت کا درجہ رکھتی ہیں ۳؎ ۔ حافظ ابن حجرؒ نے آپ کو ثقہ بتلایا ہے۔ ۴؎

اور حضرت ابیؓ بن کعب مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔ غرض یہ روایت بالکل صحیح اور مرسل معتضد ہے جس کے حجت ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

روایت نمبر۴:۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں: حدثنا شجاع بن مخلد نا هيشم انا يونس بن عبيد عن الحسن ﷺ ان عمر ﷺ بن الخطاب جمع الناس على ابى بن كعب ﷺ فكان يصلى لهم عشرين ركعة۔ ۵؎

ترجمہ:۔ حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے لوگوں کو حضرت ابیؓ بن کعب (کی اقتدا) پر اکٹھا فرمایا تو وہ لوگوں کو بیس رکعات (تراویح) پڑھاتے تھے۔

﴿ف﴾ سنن ابی داؤد کا وہ نسخہ جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کی تصحیح کے ساتھ مطبع مجتبائی دہلی سے طبع ہوا تھا اس میں یہ روایت عشرین رکعۃ کے الفاظ سے نقل ہوئی ہے اور اس کے حاشیہ پر یہ عبارت بھی لکھی ہوئی ہے: كذا في نسخة مقروءة على الشيخ مولانا محمد اسحاق " یعنی اسی طرح عشرین رکعۃ کے الفاظ اس نسخہ میں ہیں جو شیخ مولانا محمد اسحاق صاحب دہلوی (جو غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین صاحبؒ دہلوی کے بھی استاذ ہیں) کے سامنے پڑھا جاتا تھا۔ اسی طرح امام شمس الدین الذھبیؒ المتوفی ۷۴۸ھ (جو

۱؎ " تهذیب الکمال "(۴/۳۴۹) تهذیب التهذیب ۲؎ تقریب (۱/۲۰۵) ۳؎ " تهذیب الکمال "(۱۱/۳۹۶)
" تهذیب التهذیب "۶/۳۰۔ ۴؎ تقریب (۱/۶۰۳) ۵؎ سنن ابی داؤد (۱/۲۰۳) طبع میر کتب خانہ کراچی و مطبع مجتبائی دہلی۔

بالاتفاق ثقہ اور معتبر امام ہیں) نے بھی یہی روایت سنن ابی داؤد کے حوالہ سے عشرین رکعۃ کے الفاظ کے ساتھ نقل فرمائی ہے۔ ۱

اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ المتوفی ۷۷۴ھ اور امام ابن قدامہ حنبلیؒ المتوفی ۶۲۰ھ نے بھی یہ روایت بحوالہ سنن ابی داؤد عشرین رکعۃ کے الفاظ سے نقل کی ہے ۲ ۔

لیکن مشکوۃ ،تحفۃ الاشراف وغیرہ میں یہ روایت عشرین رکعۃ کی بجائے عشرین لیلۃ کے الفاظ سے درج ہے۔اب موجودہ غیر مقلدین ان حوالوں کولیکر یہ واویلا کرتے ہیں کہ عشرین رکعۃ والا نسخہ محرّف ہے اور دیوبندیوں کے شیخ الہند نے اس میں تحریف کرکے عشرین لیلۃ کوعشرین رکعۃ بنادیا ہے لیکن غیر مقلدین کا یہ محض غیر مقلدانہ واویلا اور جاہلانہ شورشرابہ ہے کیونکہ حضرت شیخ الہند کی ولادت ۱۲۶۸ھ میں ہوئی جبکہ ان کی ولادت سے بھی کئی سوسال پہلے امام ذہبیؒ حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن قدامہ وغیرہ محدثین نے یہی روایت عشرین رکعۃ سے نقل فرمائی ہے اور شیخ الہند کی ولادت سے کئی عرصہ پہلے مسند الہند حضرت شاہ اسحاق دہلویؒ کے سامنے بھی یہی عشرین رکعۃ والا نسخہ پڑھا جاتا تھا۔اوراگر مولانا نذیر حسین دہلوی صاحبؒ غیر مقلد شاہ اسحاق صاحب کے شاگرد ہیں تو انہوں نے بھی دوران سبق یہی نسخہ حضرت شاہ صاحب سے پڑھا ہوگا۔تو کیا اب غیر مقلدین حضرات ان سب بزرگوں کو بھی شیخ الہند کی طرح محرّف اور غلط کار ہونے کا الزام لگائیں گے۔دیدہ باید!لیکن

ع مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے

غیر مقلدین عشرین رکعۃ والے نسخے کو غلط ثابت کرنے کیلئے جو دلائل ذکر کرتے ہیں کہ فلاں فلاں کتاب میں یہ روایت عشرین لیلۃ کے ساتھ درج ہے تو یہ دلائل ہمارے دعوی کے خلاف نہیں ہیں اور نہ ہی ان سے عشرین رکعۃ والے نسخہ کا محرّف ہونا لازم آتا ہے کیونکہ ان سے تو صرف عشرین لیلۃ والے نسخہ کا اثبات ہوتا ہے کہ عشرین لیلۃ والا نسخہ بھی ثابت ہے اوراس سے ہمیں کوئی انکار نہیں کیونکہ ہمارا دعوی یہ نہیں کہ ہر نسخہ میں عشرین رکعۃ کے الفاظ ہیں بلکہ ہمارا دعوی تو یہ ہے کہ ابوداؤد کے بعض

---

۱ سیر اعلام النبلاء (۱/۴۰۴) ۲ جامع المسانید والسنن (رقم الحدیث ۲۶)، المغنی (۲/) بحوالہ تنبیہ الغافلین (ص ۳۱۔۳۵)

نسخوں میں یہ روایت عشرین رکعۃ کے ساتھ ہے اور بعض نسخوں میں عشرین لیلۃ کے ساتھ درج ہے۔حضرت شیخ الہند کے نسخہ کا محرف ہوناتو تب لازم آتا جب غیرمقلدین کم ازکم کسی ایک ہی معتبر محدث کا حوالہ پیش کر دیتے کہ عشرین رکعۃ والانسخہ محرف ہے۔لیکن یہ بات غیر مقلدین قیامت کی صبح تک ثابت نہیں کر سکتے۔انشاء اللہ تعالیٰ،اس کے برخلاف ہم نے امام ذہبیؒ وغیرہ چوٹی کے محدثین کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ عشرین رکعۃ والانسخہ ثابت ہے۔باقی اگر کسی نسخہ میں عشرین رکعۃ کے الفاظ نہیں اوراس کی بجائے عشرین لیلۃ کے الفاظ ہیں تواس سے عشرین رکعۃ والے نسخہ کا محرف یاالحاقی ہونالازم نہیں آتا کیونکہ مشہورغیر مقلدمحقق مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ صاحب نے تصریح کی ہے کہ: کتب حدیث میں متعددروایات اورعبارات ایسی ہیں جوبعض نسخوں میں ہیں اوربعض نسخوں میں نہیں مگرکوئی بھی ان کوالحاقی نہیں بتلاتا [1]۔لھذااگرکسی نسخہ میں عشرین رکعہ کی بجائے عشرین لیلۃ کے الفاظ درج ہیں تواس سے عشرین رکعۃ والےنسخہ کامحرف ہونالازم نہیں آتا کیونکہ عشرین رکعۃ والانسخہ بھی ثابت ہے اوراس سے بیس رکعات تراویح پر استدلال بھی درست ہے۔اور اگرغور سے دیکھا جائے تو عشرین رکعۃ والانسخہ ہی راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضرت ابی بن کعب ﷛ کی باقی روایات میں بھی یہی عشرین رکعۃ کے الفاظ آئے ہیں مثلاً عبدالعزیز بن رفیع کااثر جوابھی گزراہے اس میں بھی یہی الفاظ ہیں: یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ ،کنزالعمال [2] کی روایت میں ہے: فصلی بھم عشرین رکعۃ ،اسی طرح روایت نمبرا جویحیٰی بن سعید سے مروی ہےاس میں بھی یہ الفاظ ہیں:ان عمربن الخطاب ﷛ امررجلاً(ای ابی بن کعب ﷛)ان یصلی بھم عشرین رکعۃ۔ حافظ ابن تیمیہؒ اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں:فلماجمعھم عمرعلیٰ ابی بن کعب ﷛ کان یصلی بھم عشرین رکعۃ [3]۔

حافظ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:ولناان عمر ﷛ جمع الناس علیٰ ابی بن کعب ﷛ کان یصلی لھم عشرین رکعۃ [4]۔

---

[1] تحقیق الکلام(۱۴۹/۲) [2] (۴۰۹/۸) [3] مجموعۃ الفتاوی(۵۲۰/۱۱) [4] المغنی(۷۹۹/۱)

معلوم ہوا کہ عشرین رکعت والا نسخہ ہی راجح ہے اور غیر مقلدین کا ابوداؤد کے اس نسخہ کو محرف کہنا باطل ہے۔

اب اس حدیث کی سند کے راویوں کا حال ملاحظہ کریں۔

﴿۱﴾ امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانیؒ جو ثقہ حافظ اور سنن ابی داؤد وغیرہ کے مصنف اور بڑے علماء محدثین میں سے ہیں [1]۔

﴿۲﴾ شجاع بن مخلد الفلاس البغوی: امام ابن معینؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں ان کو پہچانتا ہوں، ان میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ بہت اچھے شیخ (بزرگ) اور ثقہ ہیں، امام ابن حبانؒ نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے، امام ابوزرعہؒ اور امام احمدؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام ابن قانعؒ اور حسین بن فہمؒ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ اور ثبت ہیں۔ [2] حافظ ابن حجر ان کو صدوق لکھتے ہیں۔ [3]

﴿۳﴾ ھیشم بن بشیر السلمی الواسطی ثقہ راوی ہیں۔ امام ابن مھدیؒ، امام عجلیؒ، امام ابوحاتمؒ، امام ابوزرعہؒ، امام ابن سعدؒ وغیرہ محدثین نے ان کو ثقہ، صدوق اور حافظ قرار دیا ہے۔ البتہ یہ مدلس راوی ہیں۔ لیکن انہوں نے یہ حدیث انا (اخبرنا) سے بیان کی ہے لھذا ان کا مدلس ہونا یہاں مضر نہیں۔ چنانچہ امام ابن سعدؒ فرماتے ہیں: کان ثقه کثیر الحدیث ثبتا یدلس کثیراً فما قال فی حدیثه أنا فهو حجة و مالم یقل فلیس بشیء [4] ھیشم ثقہ، کثیر الحدیث، ثبت اور کثیر التدلیس ہیں پس جب وہ حدیث میں انا (اخبرنا) کہیں تو وہ حجت ہیں اور جب یہ لفظ نہ کہیں تو پھر یہ کوئی شی نہیں ہیں۔

﴿۴﴾ یونس بن عبید العبدی ثقہ تابعی اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ حافظ ابن حجر ان کے بارے میں لکھتے ہیں ثقہ، ثبت، فاضل ورع [5]۔

﴿۵﴾ امام حسن بن ابوالحسن بصریؒ مشہور اور جلیل القدر امام ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ ان کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں: ثقہ فقیہ، فاضل مشہور [6]۔

---

[1] تقریب التھذیب (۳۸۲/۱) [2] دیکھئے تھذیب التھذیب (۳۱۲/۴) [3] تقریب التھذیب (۳۱۲/۱)
[4] تھذیب التھذیب (۵۹/۱۱) [5] تقریب التھذیب (۳۴۹/۲) [6] تقریب التھذیب (۲۰۲/۱)

روایت نمبر۵:۔امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:اخبرناابوطاہرالفقیہ قال اخبرناابو عثمان البصری حدثناابواحمدبن عبدالوہاب قال اخبرناخالدابن مخلدقال حدثنا محمد بن جعفرقال حدثنی یزیدبن خصیفة عن السائب بن یزیدقال کنانقوم فی زمان عمربن الخطابؓ بعشرین رکعة والوتر[1]۔

ترجمہ:۔حضرت سائب بن یزیدؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:ہم (نبی ﷺ کے صحابہؓ) حضرت عمرؓ بن الخطاب کے زمانہ خلافت میں بیس رکعات اور (تین) وتر کے ساتھ قیام کرتے تھے۔

اس روایت کی سند کو امام سبکیؒ نے شرح منہاج میں اور ملاعلی قاریؒ نے شرح مؤطا میں صحیح قرار دیا ہے[2]۔

اسی طرح امام عراقیؒ بھی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں[3]۔

اس روایت پر غیر مقلدین نے دوطرح سے کلام کیا ہے۔

اوّلاً:۔ابوطاہر فقیہ کی کسی نے توثیق نہیں کی۔ثانیاً:۔اس روایت میں ابوعثمان بصری مجہول ہے۔چنانچہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں:اس روایت میں ایک راوی ابوطاہر ہے جن کی نسبت ہم کو علم نہیں کہ کسی نے ان کو ثقہ قرار دیا ہو۔دوسرے ابوعثمان ہیں جن کا تذکرہ ہم کو کسی کتاب میں نہیں ملالھذا یہ روایت ضعیف ہے[4]۔

لیکن غیر مقلدین کے اس اعتراض کی دونوں شقیں باطل ہیں۔اول اس لئے کہ ائمہ رجال نے ابوطاہر محمد بن محمش کی باقاعدہ توثیق کی ہے۔چنانچہ حافظ ذہبیؒ اور حافظ ابن العمادؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:الفقیه الشافعی عالم نیساپور ومسندھا ......وکان قانعاًمتعففاً......وروٰی عنه الحاکم مع تقدمه واثنٰی علیه[5]۔

یہ نیشاپور کے عالم اور مسند تھے اور دنیا سے قناعت کرنے والے اور پاک دامن،شافعی المسلک فقیہ تھے۔ امام حاکم نے ان سے باوجود متقدم ہونے کے روایت بھی کی ہے اور ان کی تعریف بھی کی ہے۔نیز امام

---

[1] معرفۃ السنن والآثار (۴۲/۴) [2] تحفۃ الاحوذی (۷۵/۲) [3] طرح التثریب (۸۸/۳) [4] تحفۃ الاحوذی (۷۵/۲) [5] العبر (۲۱۸/۲)،شذرات الذھب (۱۹۲/۳)

ذہبیؒ اس کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں: مسند نیسابور العلامۃ ابو طاہر محمد بن محمش الزیادی ۱؂ ۔

امام سبکیؒ فرماتے ہیں: الفقیہ شیخ ابوطاہر زیادی امام المحدثین والفقہاء بنیسابور فی زمانہ وکان شیخاادیباً عارفاًبالعربیۃ سلمت الیہ الفقہاالفتیاء بمدینۃ نیسابور والمشیخۃ۔ ۲؂

یعنی فقیہ شیخ ابو طاہر زیادی اپنے زمانہ کے نیساپور شہر کے تمام محدثین اور فقہاء کے امام تھے اور وہ شیخ، ادیب اور عربی زبان کے عالم تھے، نیساپور شہر کے تمام فقہاء نے فتوٰی نویسی اور بزرگی ان کو سونپ دی تھی۔ امام سبکی علامہ عبدالغافر سے ان کے بارے میں نقل کرتے ہیں:۔ امام اصحاب الحدیث بخراسان وفقیہھم بالاتفاق بلامدافعۃ ۳؂ ۔

یعنی وہ پورے خراسان کے بالاتفاق اور بلا اختلاف امام اصحاب الحدیث اور ان کے فقیہ تھے۔ اب جبکہ امام حاکمؒ، امام ذہبیؒ اور ابن العماد نے ابو طاہر کی توثیق کی ہے۔ اسی طرح امام سبکی اور علامہ عبدالغافر نے ابو طاہر کو شیخ اور امام کے القاب سے ملقب فرمایا ہے اور لفظ شیخ اور لفظ امام بھی الفاظ توثیق میں سے ہیں۔ چنانچہ امام سیوطیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے لفظ شیخ کو کلمات توثیق میں شمار کیا ہے ۴؂ اسی طرح امیر صنعانی نے بھی قصب السکر میں لفظ شیخ کو الفاظ تعدیل میں شمار کیا ہے ۵؂۔ مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں: شیخ کا لفظ الفاظ تعدیل میں شمار ہوتا ہے ۶؂ ۔ اسی طرح مولانا زین الدین عراقیؒ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری غیر مقلد اور مولانا سلطان محمود صاحب غیر مقلد نے بھی لفظ شیخ کو الفاظ تعدیل میں شمار کیا ہے ۷؂ ۔ اسی طرح لفظ امام بھی الفاظ توثیق میں ہے چنانچہ علامہ سخاویؒ اور علامہ سندھی نے اس کا کلمات توثیق میں شمار کیا ہے ۸؂ (۹) ۔

۱؂ العبر (۲/۱۲۹) ۲؂ طبقات الکبرٰی (۳/۸۳) بحوالہ رکعات التراویح (ص ۴۸) ۳؂ ایضاً ۴؂ دیکھئے تدریب الراوی (۲۱۳/۱) شرح نخبۃ الفکر (ص ۱۳۴) ۵؂ قصب السکر فی نظم نخبۃ الفکر (ص ۱۵۸) مع شرح نخبۃ الفکر۔
۶؂ توضیح الکلام (۴۸۰/۱) ۷؂ دیکھئے "الفیۃ الحدیث مع التعلیقات الاثریۃ" (ص ۴۶) "ابکار المنن" (ص ۱۴۰) "اصطلاحات المحدثین" (ص ۲۱) ۸؂ الرفع والتکمیل (ص ۱۳) (۹) ۔اعتراض:۔ مولانا نذیر احمد رحمانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: حافظ سخاوی نے جو لکھا ہے اس کا منشا یہ ہے کہ جب کسی عادل کے حق میں یہ الفاظ (امام اور حافظ) استعمال کئے جائیں گے تو اس وقت ان =

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد نے بھی لفظ امام کو کلمات توثیق میں شمار کیا ہے [1] ۔

اب جبکہ امام حاکم، امام سبکی، امام عبدالغافر، امام ذہبیؒ، علامہ ابن العماد نے با قاعدہ ابوطاہر کو ثقہ قرار دیا ہے تو پھر یہ مجہول کیسے ہے؟ اور خود غیر مقلدین کے مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالجلیل سوانی بھی ابوطاہر کو ثقہ کہتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ ابوطاہر فقیہ محمد بن محمد بن محمش مشہور ثقات سے ہیں [2] ۔

نیز اس کی مذکورہ روایت کو امام سبکیؒ اور ملاعلی قاریؒ نے صحیح قرار دیا ہے اور مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: جب کسی حدیث کو صحیح کہا جاتا ہے تو اس کے ضمن میں اس کے راویوں کی توثیق بھی آجاتی ہے [3]۔ حافظ زبیر علی زئی صاحب غیر مقلد ایک راوی (محمد بن یحییٰ الصفار جس کو کسی امام نے بھی ثقہ نہیں کہا) کے بارے میں لکھتے ہیں: بیہقی نے اس کی حدیث کی تصحیح کر کے اس کی توثیق کی ہے [4]۔ نیز موصوف ایسے ہی ایک اور راوی کی روایت کے متعلق لکھتے ہیں: الحاکم والذہبی کا اس کی حدیث کو صحیح کہنا اس کی توثیق ہے [5]۔ مولانا محمد گوندلویؒ غیر مقلد ایک راوی کے متعلق لکھتے ہیں: ۔ دارقطنی نے اس اثر کو صحیح کہا ہے۔ ان کے ہاں یہ راوی مجہول نہیں [6] ۔

بنابریں جب امام سبکیؒ اور ملاعلی قاریؒ نے ابوطاہر فقیہ کی حدیث مذکورہ کو صحیح کہہ کر اس کی توثیق کی ہے اور امام حاکمؒ وغیرہ حضرات نے صراحتاً اس کی توثیق کردی تو پھر غیر مقلدین کیسے اس کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مجہول ہے اور اس کی کسی نے توثیق نہیں کی، بلکہ امام سبکی اور امام عبدالغافر نے تو اس کے بارے میں یہاں تک فرمایا ہے کہ نیشاپور شہر کے تمام محدثین اور فقہاء نے ابوطاہر کو اپنا امام اور مقتداء

= کا شمار الفاظ توثیق میں ہوگا۔ انوار المصابیح (ص ۲۲۳) جواب: اگر رحمانی صاحب کی یہ بات بالکلیہ تسلیم بھی کر لی جائے تو پھر بھی ابوطاہر فقیہ کے حق میں یہ کوئی مضر نہیں کیوں کہ جب امام سبکیؒ اور ملاعلی قاریؒ نے اس کی حدیث کو صحیح کہہ کر اس کی توثیق کردی ہے اور امام سبکی اور امام عبدالغافرؒ نے اس کے بارے میں شیخ کہا ہے جو بالاتفاق الفاظ توثیق میں سے ہے تو اس سے ابوطاہر کا ثقہ اور عادل ہونا ثابت ہوگیا۔ لھذا جب اس کے حق میں لفظ امام استعمال کیا گیا تو چونکہ یہ لفظ ایک عادل کے حق میں استعمال کیا گیا ہے تو گویا رحمانی صاحب کے بیان کردہ قاعدہ کے موافق بھی ابوطاہر کے حق میں لفظ امام الفاظ توثیق میں سے ہے۔ [1] دیکھئے ''الکواکب الدریۃ'' (ص ۶۵) [2] ''فتاوی اہلحدیث'' (۱/۵۱۱)

[3] تعداد تراویح (ص ۴۶) [4] الکواکب الدریۃ (ص ۴۵) [5] ایضاً (ص ۶۵) [6] خیر الکلام (ص ۲۲۱)

تسلیم کیا ہے۔ اور ذہبی اور علامہ ابن العماد نے اس کو مسند نیشاپور کہا ہے۔ اب جس شخص کو نیسا پور جیسے شہر (جو اس وقت بڑے بڑے محدثین اور فقہاء کا مسکن رہا ہے) کے محدثین اور فقہاء بلا اختلاف اپنا امام تسلیم کریں تو اس شخص کی ثقاہت اور عدالت میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ کیونکہ یہ بات ناممکن ہے کہ تمام محدثین اور فقہاء ایک غیر ثقہ اور غیر معروف العدالۃ شخص کو اپنا امام تسلیم کریں۔ لھذا اگر انھوں نے ابو طاہر فقیہ کو اپنا امام مانا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تمام شہر کے محدثین اور فقہاء کے حلقہ میں ابو طاہر کی عدالت اور ثقاہت مشہور و معروف تھی اور ایسا شخص جس کی عدالت اہل علم کے ہاں مشہور و معروف ہو تو اس کی عدالت کے متعلق سوال ہی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ امام نووی فرماتے ہیں: فمن اشتہرت عدالته بین اھل العلم وشاع الثناء علیه کفی فیھا ۱۔

جس شخص کی عدالت اہل علم میں مشہور و معروف ہو اور اس کی تعریف عام ہو تو یہ اس کی عدالت کیلئے کافی ہے۔

بنا بریں اگر ابو طاہر فقیہ کی محدثین (امام سبکی، امام عبدالغافر، ملا علی قاریؒ وغیرہ) نے توثیق نہ بھی کی ہوتی تو ان محدثین اور فقہاء کا اس کو اپنا امام اور رہنما تسلیم کرنا ہی اس کی عدالت اور ثقاہت کیلئے کافی تھا لیکن جب ان محدثین نے اس کی با قاعدہ توثیق بھی کر دی تو پھر اس کے عادل اور ثقہ ہونے میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں رہا۔

اسی طرح غیر مقلدین کے اعتراض کی دوسری شق بھی باطل ہے کہ اس روایت کے دوسرے راوی ابو عثمان بصری مجہول ہیں:۔ اولاً ائمہ حدیث اور ائمہ رجال میں سے کسی امام نے ابو عثمان کو مجہول نہیں قرار دیا بلکہ ائمہ حدیث امام سبکیؒ، ملا علی قاریؒ اور امام عراقیؒ وغیرہ نے اس کی حدیث کو صحیح کہہ کر اس کی توثیق کی ہے (جیسا کہ غیر مقلدین حضرات کے حوالے سے گزر چکا ہے)۔ اگر ابو عثمان بصری مجہول ہوتے تو پھر یہ بڑے بڑے محدثین اس کی راویت کو کیسے صحیح کہہ سکتے تھے۔ کیوں کہ کسی روایت کے صحیح ہونے کیلئے شرط ہے کہ اس کی سند میں کوئی مجہول راوی نہ ہو۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد محدث مولانا محمد گوندلوی صاحبؒ لکھتے ہیں: جس روایت میں مجہول راوی ہو وہ ضعیف ہوتی ہے ۲۔

---

۱ تقریب مع تدریب الراوی (۱/۲۵۵) ۲ خیر الکلام (ص ۳۰٦)

ثانیا:ابوعثمان (عمرو بن عبداللہ) البصری سے ابوطاہر فقیہ اور حسن ابن علی بن موئل وغیرہ نے روایت کی ہے اور اس مذکورہ روایت کے علاوہ اور بھی کئی روایات السنن الکبریٰ للبیہقیؒ میں ان سے مروی ہیں ۱۔ اور کسی محدث نے ان کی تضعیف نہیں کی بلکہ امام سبکیؒ، ملاعلی قاریؒ اور امام عراقیؒ وغیرہ نے اس کی حدیث کی تصحیح کر کے اس کی توثیق کی ہے اور اصول حدیث کا یہ متفقہ اصول ہے کہ جس شخص سے دو راوی روایت کر دیں تو اس کی جہالت ختم ہو جاتی ہے اور وہ مجہول نہیں رہتا کیونکہ مجہول عندالمحدثین اس کو کہتے ہیں جس سے صرف ایک راوی روایت کرے اور اس کی توثیق بھی نہ کی گئی ہو چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: من لم یروعنه غیرواحدولم یوثق والیه الاشارةبلفظ مجهول ۲۔

جس شخص سے سوائے ایک راوی کے دوسرا کوئی راوی روایت نہ کرے اور کسی نے اس کی توثیق بھی نہ کی ہو تو اس کی طرف لفظ مجہول سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ مولانا شمس الحق عظیم آبادی غیر مقلد علامہ ابن حزم کے دارقطنی کے ایک راوی کو مجہول کہنے پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وھو جرح مردود فقد روی عنہ ثلاثۃ ۳۔

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: محمد بن یحیٰی الصفار سے دو ثقہ روایت کر رہے ہیں۔ نمبر۱: محمد بن سلیمان بن فارس۔ نمبر۲: محمد بن عبدالسلام۔ لھذا وہ مجہول نہیں ہے ۴۔

مولانا ابو محمد عبدالستار الحماد غیر مقلد لکھتے ہیں: اور محدثین کا اصول ہے کہ جس آدمی سے کم از کم دو راوی روایت کرنے والے ہوں اس کی جہالت ختم ہو جاتی ہے ۵۔

نیز لکھتے ہیں: علمائے جرح وتعدیل نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی ایسا راوی ہے جسے کسی نے بھی ثقہ نہ کہا ہو اور نہ کسی سے اس کے متعلق جرح ہی منقول ہو، اگر اس سے روایت لینے والے کئی ایک ثقہ راوی ہوں اور اس سے کوئی منکر حدیث بیان نہ کریں تو اس کی مرویات کو قبولیت کی سند حاصل ہوگی ۶۔

حماد صاحب مزید لکھتے ہیں: بلکہ حافظ سخاوی مجہول العدالۃ کی روایت کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ اخبار واحادیث کی بنیاد راوی کے ساتھ حسن ظن پر ہے اور کسی شخص سے اگر کئی ایک ثقہ

---

۱ التعلیق الحسن (ص۲۵۱) ۲ مقدمہ تقریب التھذیب (ص۳) ۳ التعلیق المغنی (۹/۳)

۴ الکواکب الدریہ (ص۴۵) ۵ ہفت روزہ الاعتصام (ص۱۹) ۱۶ ستمبر ۱۹۹۴ء ۶ ایضاً۔

راوی روایات نقل کرتے ہوں تو اس سے حسن ظن کو تقویت پہنچتی ہے، ہشیم بن عمران کی مذکورہ روایت کو ہمارے شیخ (البانی غیر مقلد) نے اور ہم نے انہی دلائل کی وجہ سے اسنادہ حسن کہا ہے۔[1]

قارئین: غیر مقلدین کے ان اقتباسات کو سامنے رکھتے ہوئے اندازہ لگائیں کہ جس راوی کی کسی محدث نے ادنیٰ توثیق بھی نہ کی ہو، صرف اس سے نقل کرنے والے دو راوی ہوں تو اس کی روایت تو غیر مقلدین کے ہاں حسن ہے اور اس کو سند قبولیت حاصل ہے لیکن جس راوی (ابوعثمان بصری) کی روایت کو محدثین نے صحیح کہہ کر اس کی توثیق بیان کی ہے اور اس سے کم از کم دو راوی روایت کرنے والے بھی ہیں تو پھر بھی وہ راوی غیر مقلدین کی نظروں میں مجہول ہے۔ والی اللہ المشتکی !

غیر کی آنکھ کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر　　　دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

باقی رہا مولانا مبارکپوری صاحب کا یہ کہنا کہ ابوعثمان کا تذکرہ ہمیں کسی کتاب میں نہیں ملا تو جواباً عرض ہے کہ مبارک پوری صاحب کے عدم علم سے ابوعثمان کا مجہول ہونا لازم نہیں آتا کیوں کہ خود مبارکپوری صاحب کے ہی ہم مسلک محدث حافظ گوندلوی ایک راوی کے متعلق فرماتے ہیں: مگر عدم علم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مجہول ہو[2]۔ الغرض غیر مقلدین کے اعتراض کی دونوں شقیں باطل ہیں اور اس روایت کے پہلے دونوں راوی قطعاً مجہول نہیں ہیں۔ اسی طرح روایت کے باقی راوی بھی سب ثقہ ہیں۔ چنانچہ تیسرے راوی ابواحمد بن عبدالوہاب فراء ہیں، امام نسائی فرماتے ہیں یہ ثقہ ہیں، امام مسلم بن حجاج فرماتے ہیں یہ ثقہ اور صدوق ہیں، امام ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے[3]۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقہ عارف[4]۔ چوتھے راوی خالد بن مخلد القطوانی الکوفی ہیں، امام یحییٰ بن معین ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ما بہ بأس۔ امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں: ھو من المکثرین وھو عندی انشاء اللہ لا بأس بہ۔ یعنی یہ کثیر الحدیث ہیں اور میرے نزدیک انشاء اللہ ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام ابن حبانؒ اور امام ابن شاہینؒ نے ان کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ امام عجلی فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں اور ان میں تھوڑا سا تشیع ہے۔

---

[1] ایضاً۔ [2] خیر الکلام (ص ۲۲۸) [3] "تھذیب التھذیب" (۳۱۹/۹) [4] تقریب (۱۰۸/۲)

عثمان بن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ اور صدوق ہیں۔ نیز یہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کے راوی ہیں۔ [1]

پانچویں راوی محمد بن جعفر بن ابی کثیر الانصاری ہیں امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں، امام ابن المدینی فرماتے ہیں: یہ معروف محدث ہیں، امام نسائی فرماتے ہیں کہ یہ صالح اور مستقیم الحدیث ہیں، امام عجلیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں اور امام ابن حبانؒ نے بھی ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اور یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں [2] ۔

چھٹے اور ساتویں راوی یزید بن خصیفہ اور سائب بن یزید ﷜ کا تذکرہ روایت نمبر ۸ میں آئے گا۔ الغرض یہ روایت بالکل صحیح ہے۔

روایت نمبر ۶: عبدالرزاق عن الاسلمی عن الحارث بن عبدالرحمان ابن ابی ذباب عن السائب بن یزید قال کنا ننصرف من القیام علیٰ عهد عمر ﷜ وقد دنا فروغ الفجر و کان القیام علیٰ عهد عمر ﷜ ثلاثة وعشرین رکعة [3] ۔

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید ﷜ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر ﷜ کے عہد خلافت میں قیام (تراویح) سے اس وقت فارغ ہوکر لوٹتے تھے جب طلوع فجر قریب ہوتا اور حضرت عمر ﷜ کے دور میں قیام (تراویح) کی تعداد تیئیس رکعات تھی۔

علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں: هذا محمول علیٰ ان الثلاث للوتر [4] ۔ یہ تیئیس رکعات اس پر محمول ہے کہ ان میں تین رکعتیں وتر کی تھیں۔

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔ اب اس روایت کے ہر ہر راوی کے حالات ملاحظہ ہوں۔

(۱) امام عبدالرزاق الحمیریؒ مشہور مصنف اور بالاتفاق ثقہ امام ہیں، امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ آپ نے حدیث میں عبدالرزاق سے بہتر کسی کو دیکھا ہے تو انھوں نے فرمایا کسی کو نہیں، امام ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ عبدالرزاق ان محدثین میں سے ہیں جن کی حدیث درست ہوتی ہے، امام ابوحاتم فرماتے

---

[1] دیکھئے تھذیب التھذیب (۳/۱۱۶) [2] دیکھئے تھذیب (۹/۹۴) [3] مصنف عبدالرزاق (۴/۲۶۱)

[4] عمدۃ القاری (۸/۲۴۶)

ہیں ان کی حدیث لکھی جاتی ہے اور اس سے احتجاج کیا جاتا ہے۔اسی طرح ابوداؤد، فریابی، امام ذہلی، امام یعقوب بن شیبہ اور امام ابن حبان وغیرہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے [1]۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ عبدالرزاق حفاظ اور اثبات میں سے اور صاحب تصانیف بزرگ ہیں اور تمام ائمہ نے آپ کی توثیق کی ہے سوائے عباس بن عظیم عنبری کے، کہ انھوں نے ان کے بارے میں ایسی بات کہی جس میں انھوں نے حد سے تجاوز کیا ہے اور ائمہ رجال میں سے کسی امام نے اس میں ان کی موافقت نہیں کی [2]۔

امام عبدالرزاق آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے اور ان کے حافظہ میں تغیر آ گیا تھا لھذا جن لوگوں ان سے آخر عمر میں سماعت کی تھی انھوں نے ان سے کچھ منکر حدیثیں بھی نقل کی ہیں۔ان لوگوں میں سے ایک اسحاق بن ابراہیم دبری بھی ہیں جنھوں نے سے حالت اختلاط میں سنا تھا اور یہی اسحاق دبری مُصَنّف عبدالرزاق کے بنیادی راوی ہیں۔اب بعض غیر مقلدین مصنف کی جملہ روایات کو یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ چونکہ مصنف کا بنیادی راوی اسحاق دبری کا امام عبدالرزاق سے سماع بعد الاختلاط کا ہے لھذا اس کی جملہ روایات منکر ہیں لیکن غیر مقلدین حضرات کا یہ اشکال غلط ہے کیوں کہ امام عبدالرزاق نے اپنی یہ کتاب نابینا ہونے سے پہلے حالتِ صحت میں لکھی تھی اور اصول حدیث کی وجہ سے محدث جب زمانہ اختلاط میں جو روایات زبانی بیان کرے وہ تو منکر شمار کی جاتی ہیں لیکن اس دوران جو روایات وہ اپنی کتاب سے بیان کرے جس کو اس نے حالت صحت میں تصنیف کیا تھا ان روایات پر اس کے اختلاط کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔یہ بات خود اکابر غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے۔چنانچہ حافظ عبدالمنان نور پوری غیر مقلد لکھتے ہیں: مختلط سے اختلاط کے بعد آدمی کے سماع کے درمیان اور اختلاط کے بعد اس سے اس کی وہ تصنیف کردہ کتاب روایت کرنے کے درمیان جو اس نے اختلاط سے پہلے تصنیف کی فرق ہے [3]۔

لھذا امام عبدالرزاق سے دبری نے جو روایات زبانی سنی تھیں ان میں تو کلام کرنے کی گنجائش ہے لیکن اس نے جو روایات ان سے ان کی تصنیف کردہ کتاب سے سنی تھیں ان کی صحت میں کوئی شک و

---

[1] ''تھذیب الکمال''(۱۱/۳۵۰تا۳۵۲)'' تھذیب التھذیب''(۶/۲۸۰،۲۸۱) [2] ھدی الساری مقدمہ فتح الباری (ص۵۸۹) [3] تعداد تراویح (ص۱۹۱)

شبہ نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ حافظ ابن الصلاحؒ اور حافظ ابن حجرؒ اسحاقؒ دبری موصوف کے ترجمہ میں فرماتے ہیں: وانما الکلام فی الاحادیث التی عنده فی غیر التصانیف، فهی التی فیها المناکیر وذلك لاجل سماعه منه فی حالة الاختلاط۔ [1]

اسحاق دبری کی عبدالرزاق سے ان روایات میں کلام ہے جو اس کے پاس تصانیف کے علاوہ ہیں کیونکہ ان میں منکر روایات بھی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دبری نے عبدالرزاق سے حالت اختلاط میں سماعت کی تھی۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: من سمع منه بعد ما عمی فلیس بشئی وما کان فی کتبه فهو صحیح وما کان لیس فی کتبه فانه کان یلقن فیتلقن [2]۔

جس نے امام عبدالرزاق سے نابینا ہونے کے بعد سماعت کی ہے وہ کوئی شئی نہیں ہے اور جو اس کی کتابوں میں ہے وہ صحیح ہے اور جو اس کی کتابوں میں نہیں تو اس میں جب اس کو تلقین کی جاتی تھی تو وہ تلقین کو قبول کر لیتا تھا۔

مصنف عبدالرزاق سے متعلق مزید تفصیل انشاءاللہ حصہ دوئم میں آئے گی۔

(۲) محمد بن فلیح السلمی: یہ امام عبدالرزاق کے استاد اور صحیح بخاری وغیرہ کے راوی ہیں۔ امام دارقطنی ان کو ثقہ کہتے ہیں، امام بخاری فرماتے ہیں کہ بعض ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے اور یہ اپنے باپ (فلیح) سے زیادہ ثقہ ہیں، امام ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے امام ابوحاتمؒ فرماتے ہیں: ما بہ بأس (ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے)۔ نیز فرماتے ہیں: لیس بذاك القوی مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں: لیس بذاك القوی جس کے مفہوم میں صرف درجہ کاملہ کی نفی مراد ہے۔ لہذا یہ جرح لیس بہ باس کے معارض نہیں [3]۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ: محمد بن فلیح ثقہ ہیں اور میں نے ان سے حدیث لکھی ہے [4]۔

---

[1] "لسان المیزان" (۴۶۱/۱) "مقدمہ ابن الصلاح" (ص) [2] هدی الساری (ص ۵۸۹) [3] "توضیح الکلام" (۴۷۳/۱) [4] دیکھئے "تھذیب الکمال" ۱۵۹/۱۷، "تھذیب التھذیب" (۳۶۰/۹) "میزان الاعتدال" ( )

(۳) حارث بن عبدالرحمن بن ابی ذبابؒ۔

امام ابوداود ان کے بارے میں فرماتے ہیں: لیس به باس، امام مقبری فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں، امام یحیی بن معین فرماتے ہیں کہ یہ مشہور (محدث) ہیں، امام ابن حبانؒ اور امام ابن قانعؒ نے ان کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ نیز امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ متقنین میں سے ہیں، امام مسلم نے ان سے اپنی صحیح میں، امام بخاری نے خلق افعال العباد میں اور دیگر ائمہ نے اپنی اپنی کتب حدیث میں ان سے روایات نقل کی ہیں [1]۔

(۴) حضرت سائب بن یزید ﷺ صحابی رسول ہیں۔

الغرض یہ روایت بالکل صحیح ہے اور اس کا ہر ہر راوی بالکل ثقہ ہے۔

---

[1] دیکھئے "تهذیب الکمال" ۴/۴۵، "تهذیب التهذیب" (۲/۱۶۸) "میزان الاعتدال" (۱/۴۳۸)

بیس تراویح عہد فاروقی وعہد عثمانی میں

روایت نمبر۷: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں: وقداخبرناابوعبداللہ الحسین ابن محمد بن الحسین ابن فنجویہ الدینوری بالدامغان ثنااحمدبن محمدبن اسحاق السنی ثناعبداللہ بن محمدبن عبدالعزیزالبغوی ثناعلی بن الجعدانبأناابن ابی ذئب عن یزیدبن خصیفہ عن السائب بن یزیدؓ قال کانوایقومون علیٰ عہدعمر بن الخطابؓ فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ قال وکانوایقرؤن بالمئین وکانوا یتوکؤن علیٰ عصیّھم فی عہدعثمان بن عفانؓ من شدۃالقیام [1]۔

ترجمہ: حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ حضرت عمر بن الخطابؓ کے دور خلافت میں بیس رکعات (تراویح) کے ساتھ قیام کرتے تھے اور (قراء حضرات) سوسو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں لوگ شدت قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے۔

چونکہ اس روایت کا آخری جملہ لوگ یعنی صحابہ کرامؓ حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں شدت قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے بیس رکعات کے ضمن میں مروی ہے تو اس سے ظاہر یہی ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں بھی حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت کی کی طرح بیس رکعات تراویح ہی پڑھی جاتی تھیں کیونکہ جب راوی حضرت سائبؓ نے حضرت عمرؓ کے دور میں بیس رکعات کے پڑھے جانے کا ذکر کیا تو اگر حضرت عثمانؓ کے دور میں بیس کے علاوہ کسی اور عدد پر عمل ہوتا تو راوی ضرور اس کو بھی ذکر فرماتے۔ پس راوی کا اس موقعہ پر سکوت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں بھی عہد فاروقی کی طرح بیس تراویح ہی پڑھی جاتی تھیں۔ کیونکہ سکوت فی محل البیان بیان ہی ہوتا ہے۔

نیز حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ کے دور خلافت میں بھی بیس تراویح پر عمل درآمد ہونا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عہد عثمانی میں بھی بیس تراویح پر ہی عمل رہا۔

---

[1] السنن الکبریٰ للبیہقی (۲/۴۹۶)۔

اس مذکورہ روایت کو متعدد محدثین مثلاً امام نوویؒ، امام سیوطیؒ، امام ابن العراقیؒ اور علامہ نیمویؒ وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے ۱۔ مولوی ایوب صابر صاحب غیر مقلد اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: اس حدیث کی سند بلاغبار صحیح ہے ۲۔

اب اس روایت کے ہر ہر راوی کا تذکرہ اور توثیق کتب اسماء الرجال سے ملاحظہ ہو۔

(۱) صاحب سنن امام احمد بن حسین البیہقیؒ مشہور محدث اور جلیل القدر امام ہیں علامہ ذھبیؒ ان کے متعلق لکھتے ہیں: الامام، الحافظ، العلامة، شیخ الخراسان ۳۔

(۲) ابوعبداللہ حسین ابن فنجویہ الدینوری: حافظ ابن حجر عسقلانی حسن بن محمود کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: وشیخه هو الحسن بن عبداللہ بن فنجویه حافظ کبیر مصنف نیز فرماتے ہیں کہ یہ معروف راوی ہیں ۴۔ اسی طرح حافظ موصوف محمد بن علی المعتصم الھاشمی کے ترجمہ میں بھی ابن فنجویہ کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے ۵۔

(۱) امام ذہبیؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں، الامام المحدث، بقیة المشائخ امام شیرویہ اپنی تاریخ میں ابن فنجویہ کے بارے میں لکھتے ہیں: کان ثقه صدوقا، کثیر التصانیف ۶۔

علامہ ابن العماد فرماتے ہیں: ابن فنجویة ثقه مصنفا ۷۔

علامہ نیموی لکھتے ہیں: فهو من کبار المحدثین لا یسئل عن مثله ۸۔

اس سے مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب غیر مقلد کا یہ مطالبہ پورا ہو گیا کہ: فَمَنْ یدعی صحة هذا الاثر ان یثبت کونه ثقه قابلا للا حتجاج ۹۔ یعنی جو شخص اس اثر کی صحت کا مدعی ہو اس پر لازم ہے کہ وہ ابن فنجویہ کا ثقہ اور قابل احتجاج ہونا ثابت کرے۔

(۳) احمد بن محمد بن اسحاق السنی: یہ مشہور کتاب عمل الیوم واللیلہ کے مصنف اور سنن نسائی کے راوی، مرتب ہیں۔ حافظ ذہبیؒ طبقات الحفاظ میں ان کے بارے میں فرماتے ہیں: کان دینا خیرا صدوقا

۱۔ دیکھئے آثار السنن مع التعلیق الحسن (ص ۲۵۱) ۲۔ تحقیق التراویح (۵۱) ۳۔ تذکرۃ الحفاظ (۳/۳۰۹)

۴۔ دیکھئے لسان المیزان (۲/۲۹۵، ۲۹۶) طبع بیروت ۵۔ ایضاً (۵/۳۰۱) ۶۔ سیر اعلام النبلاء (۱۷/۳۸۳، ۳۸۴)

۷۔ شذرات الذھب (۳/۲۰۰) ۸۔ التعلیق الحسن (ص ۲۵۱) ۹۔ تحفۃ الاحوذی (۲/۷۵)

اخترالسنن وسماه المجتبیٰ [1]۔

نیز حافظ ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں: الحافظ، الامام، الثقۃ [2]۔

حافظ تاج الدین سبکیؒ فرماتے ہیں: کان رجلا صالحافقیھا [3]۔

(۴) عبداللہ بن محمد البغویؒ:۔ علامہ خطیب بغدادی ان کے بارے میں لکھتے ہیں: کان ثقۃ، ثبتا، مکثرا، فھما، عارفا۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں: ثقۃ، جبل، امام من ائمۃ الحدیث [4]۔

امام ذہبیؒ ان کو الحافظ، الامام اور الحجۃ کے القاب سے یاد فرماتے ہیں [5]۔

(۵) علی بن الجعد:۔ یہ امام بخاری کے استاذ ہیں، اور امام بخاریؒ نے تیرہ حدیثیں ان سے اپنی صحیح میں روایت فرمائی ہیں، نیز یہ نہایت ثقہ راوی ہیں۔ چنانچہ امام صالح ان کو ثقہ بتلاتے ہیں، امام نسائی ان کو صدوق کہتے ہیں، امام ابوزرعہؒ فرماتے ہیں: کان صدوقا فی الحدیث۔ امام ابوحاتمؒ فرماتے ہیں: کان متقنا صدوقا۔ نیز فرماتے ہیں کہ محدثین میں سے میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو علی بن الجعد کی طرح احادیث یاد رکھنے والا ہو۔ امام ابن قانع فرماتے ہیں: ثقۃ ثبت۔ امام محمد بن صالح اور امام مطین بھی ان کو ثقہ کہتے ہیں، امام فن الرجال حضرت یحییٰ بن معین ان کو ثقہ صدوق، ثقہ صدوق دو دفعہ کہہ کر ان کی ڈبل توثیق کرتے ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ علی بن الجعد ربانی العلم ہیں [6]۔

حافظ ابن حجر عسقلانی ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقہ ثبت رمی بالتشیع [7]۔

(۶) محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب:

یہ ثقہ، صدوق اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ سعید بن المسیبؒ کے مشابہ تھے، امام یحییٰ بن معین، امام یعقوب بن شیبہؒ، امام نسائی، امام احمد، امام ابن سعد، امام ابن حبان، امام خلیلی، امام مالک وغیرہ تمام ائمہ رجال نے ان کی زبردست توثیق کی ہے [8]۔ امام بخاریؒ اور حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں

---

[1] التعلیق الحسن للنیمویؒ (ص۲۵۱) [2] تذکرہ (۹۳۹/۳) [3] طبقات الکبریٰ (۳۹/۳)
[4] التعلیق الحسن (ص۲۵۱) [5] سیر اعلام النبلاء (۴۴۰/۱۴) [6] دیکھئے تھذیب الکمال (۲۱۶/۱۳، ۲۱۷)، تھذیب التھذیب (۲۵۸/۷) [7] تقریب التھذیب (۶۸۹/۱) [8] تھذیب (۳۰۳/۹، ۳۰۴)

کہ یہ بڑے ائمہ ثقات میں سے ایک امام ہیں اور ان کی عدالت وثقاہت عندالمحدثین متفق علیہ ہے[1]۔

حافظ ابن حجران کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقه فقيه فاضل ۔[2]

(۷) یزید بن عبداللہ بن خصیفہ: امام احمد بن حنبل، امام ابوحاتم، اور امام نسائی وغیرہ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام ابن حبانؒ نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ثقة حجة۔ امام ابن سعد فرماتے ہیں کان عابدًا، ناسكًا، كثير الحديث، ثبتًا۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: وكان ثقة ساموناً[3]۔

علامہ ابن عبدالبرؒان کے بارے میں لکھتے ہیں: وهو يزيد بن خصيفة بن يزيد بن عبدالله الكندي بن اخي السائب بن يزيد الكندي وكان ثقة ساموناً محدثاً محسناً[4]۔

(۸) حضرت سائب بن یزید ﷛: ۔ صحابی رسول ﷺ ہیں اور آپ کے والد حضرت یزید ﷛ بھی اصحاب رسول ﷺ میں سے ہیں۔ حضرت سائب اپنے والد کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک تھے اور پھر حضرت عمر ﷛ نے اپنے دور خلافت میں انہیں ایک بازار کا نگران مقرر کیا تھا[5]۔

مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ صاحب غیر مقلدان کے بارے میں لکھتے ہیں: انھوں نے حضرت عمر ﷛ کا زمانہ یقیناً پایا ہے۔ کیونکہ وہ صحابی ﷛ ہیں اور مدینہ منورہ میں سب صحابہ ﷛ کے بعد فوت ہوئے[6]۔

لھذا یہ روایت بالکل صحیح ہے اور متصل السند ہے اس روایت کا ہر ہر راوی نہایت ثقہ اور عادل ہے۔

اعتراض نمبر ۱: حافظ زبیر علی زئی پیروادی غیر مقلد اس روایت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس روایت کا ایک راوی علی بن الجعد تشیع کے ساتھ مجروح ہے، سیدنا معاویہ ﷛ وغیرہ صحابہ ﷛ کی تنقیص کرتا تھا ایسے مختلف فیہ راوی کی روایت مؤطا امام مالک کی صحیح روایت کے خلاف کیوں کر پیش کی جاسکتی ہے؟[7]

---

[1] ''تاریخ الکبیر''(۱/۱۵۲)، ''میزان الاعتدال''(۳/۳۲) [2] ''تقریب التھذیب''(۲/۱۰۵)

[3] ''تھذیب الکمال''(۲۰/۳۳۵، ۳۳۶)'' تھذیب التھذیب''(۱۱/ ۲۹۸)

[4] التمہید شرح مؤطا(۶/۳۳۱) [5] تقریب التھذیب(۱/ ۳۳۸) [6] انارۃ المصابیح (ص ۲۸)۔

[7] تعداد رکعات، قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۲۸)

جواب۔ یہ اعتراض کئی وجوہ سے باطل ہے۔ **اولاً:** علی بن الجعد بخاری شریف کے راوی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے باوجود محتاط ہونے کے ان سے تیرہ حدیثیں اپنی کتاب صحیح بخاری میں روایت کی ہیں [1]۔ اسی طرح حافظ نے تقریب التھذیب [2] میں اور امام سیوطیؒ نے ''تدریب الراوی'' [3] میں علی بن الجعد کو بخاری شریف کے راویوں میں شمار کیا ہے۔ اب معترض موصوف کو چاہئے کہ وہ مذکورہ روایت پر اعتراض کرنے سے پہلے یہی اعتراض امام بخای پر کرے کہ انھوں نے ایسے راوی کی روایات اپنی صحیح میں کیوں داخل کی ہیں۔ دیدہ باید لیکن

ع مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے

ثانیا: علی بن الجعد نہایت ثقہ وعادل راوی ہیں، تمام کبار محدثین نے ان کی توثیق کی ہے اور امام بخاریؒ نے بھی اپنی صحیح میں ان سے احادیث روایت کی ہیں۔ مولانا نذیر احمد رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: جمہور ائمہ مسلمین نے ان دونوں کتابوں (بخاری مسلم) کا صحیح ہونا تسلیم کیا ہے جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ان کے راویوں کی عدالت پر جمہور امت کا اتفاق ہے [4]۔

خود معترض زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں: اصحاب صحیح کا کسی راوی سے صحیح میں اخراج اس راوی کی ان کے نزدیک توثیق ہوتی ہے [5]۔ پس جب علی بن الجعد ثقہ راوی ہیں اور ان کی توثیق غیر مقلدین اور خود معترض کے نزدیک بھی ثابت ہے تو پھر ان کا شیعی ہونا صحت حدیث کے منافی نہیں۔ کیونکہ خود معترض زبیر صاحب نے لکھا ہے کہ: جس راوی کا ثقہ وصدوق ہونا ثابت ہو جائے اس کا قدری، خارجی، رافضی، شیعی، معتزلی، جہمی، مرجی وغیرہ ہونا صحت حدیث کے خلاف نہیں ہے بشرطیکہ وہ داعی بدعت کی طرف نہ ہو [6]۔ اور علی بن جعد کا داعی بدعت کی طرف ہونا ہرگز ثابت نہیں۔ لھذا اس روایت کا صحیح ہونا اور اس پر اعتراض کا باطل ہونا خود معترض کے نزدیک بھی ثابت ہو گیا۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

---

[1] تھذیب التھذیب (۲۸۵/۷) [2] (۶۸۹/۱) [3] (۲۷۹/۱) [4] ''انوار المصابیح'' (ص ۳۱۹)

[5] تعداد رکعات قیام رمضان کا جائزہ (ص ۱۷) [6] نور العینین (ص ۲۵)

ثالثاً: حافظ ابن حجرؒ نے علی بن الجعد کے بارہ میں رُمِیَ بالتشیع [1] فرمایا ہے یعنی اس پر شیعہ ہونے کا الزام لگایا گیا ہے جب کہ اس کے بالمقابل یعقوب القمی (جو گیارہ رکعات کے راوی ہیں) کو حافظ ابن حجرؒ نے بالجزم شیعہ قرار دیا ہے [2]۔

اب جس راوی پر صرف تشیع کا الزام ہے اس کی روایت تو غیر مقلدین کے نزدیک ضعیف ہے لیکن جو بالیقین شیعہ راوی ہے اس کی روایت غیر مقلدین کے ہاں قابل قبول ہے۔

ع ناطقہ سر بگریباں اسے کیا کہیے

رابعاً: علی بن الجعد اگر شیعہ ہے بھی تو وہ متقدمین شیعہ میں سے ہے اور علمائے متقدمین کی اصطلاح میں شیعہ اس کو کہتے ہیں جو حضرت علی ﷺ کو حضرت عثمان غنی ﷺ پر فضیلت دیتا ہے اور اس کو تفضیلی شیعہ بھی کہتے ہیں۔ ان متقدمین شیعوں میں موجود شیعوں کی طرح کفریہ عقائد (تکفیر صحابہ ﷺ، انکار قرآن اور عقیدہ رجعت وغیرہ) نہیں پائے جاتے تھے بلکہ جو شخص ان کفریہ عقائد کا معتقد ہوتا تھا اس کو علمائے قدیم رافضی اور غالی شیعہ سے پکارتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: والتشیع محبة علی ﷺ وتقدیمه علی الصحابة ﷺ فمن قدّمه علیٰ ابی بکر ﷺ وعمر ﷺ فهو غال فی التشیع ویطلق علیه رافضی والافشیعی فان انضاف الیٰ ذلك السب او التصریح بالبغض فغال فی الرفض وان اعتقدالرجعةالی الدنیا فاشد فی الغلو [3] یعنی اصطلاح قدیم میں شیعت حضرت علی ﷺ کی محبت اور ان کو دیگر صحابہ کرام ﷺ سے افضل سمجھنے کا نام ہے۔ جو شخص حضرت علی ﷺ کو حضرت ابو بکر صدیق ﷺ اور حضرت عمر ﷺ پر مقدم سمجھتا ہے تو وہ غالی شیعہ ہے اسی کو رافضی کہا جاتا ہے ورنہ اس کو شیعی کہتے ہیں۔ پھر اگر اس کے ساتھ سب وشتم یا بغض ونفرت کا اظہار بھی ہو تو وہ رافضیت میں غلو کرنے والا ہے اور اگر وہ (حضرت علیؓ) کے دوبارہ دنیا میں آنے کا عقیدہ رکھتا ہو تو وہ غلو میں بھی آگے ہے۔

---

[1] تقریب (۱/۶۸۹) [2] دیکھئے "البدایة والنهایة" (۳/۳۷۵) [3] "هدی الساری" (۴۵۹)

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں: متقدمین عرف میں شیعہ اس کو کہتے ہیں جو صرف حضرت علی ﷺ کو حضرت عثمان ﷺ پر فضیلت دے [1] ۔ چونکہ موجودہ شیعوں میں بھی رافضیوں کی طرح کفریہ عقائد پائے جاتے ہیں اس لئے اب شیعہ اور رافضی کا مصداق ایک ہی ہے لیکن اصطلاح قدیم میں ان دونوں میں فرق تھا۔ پس جو راوی صرف تشیع کے ساتھ مجروح ہو اور اس میں رافضیوں کے کفریہ عقائد نہ پائے جاتے ہوں تو ایسے راوی کی روایت قابل قبول ہوتی ہے کیونکہ ایسے تفضیلی راویوں کی روایتیں تو صحیحین میں بھی موجود ہیں۔ چنانچہ صرف امام سیوطیؒ نے تقریباً پچیس راوی ایسے شمار کئے ہیں جو تشیع کے ساتھ مجروح ہیں [2]۔ اور امام حاکم تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم تو ایسے راویوں سے بھری ہوئی ہے [3] ۔ البتہ باقرار غیر مقلدین صحیحین میں غالی اور تبرائی شیعوں کی روایت لینے سے اجتناب کیا گیا ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الحدیث اور ہفت روزہ الاعتصام کے مفتی ثناء اللہ مدنی صاحب لکھتے ہیں: صحیح بخاری میں کسی غالی مذہبی (شیعہ وغیرہ۔ ناقل) کی روایت نہیں لی گئی [4] ۔ اور چونکہ علی بن الجعد بھی بخاری شریف کے راوی ہیں، لھذا ان پر یہ الزام لگانا کہ وہ حضرت امیر معاویہ ﷺ وغیرہ صحابہ کرام ﷺ کی تنقیص کرتے تھے بالکل غلط ہے جو لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث کہلواتے ہیں ان کو بخاری شریف کے راویوں پر ایسے اعتراض کرتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔

ع شرم تم کو مگر نہیں آتی

باقی رہا یہ سوال کہ ایسے راوی کی روایت مؤطا کی روایت کے خلاف کیوں کر پیش کی جا سکتی ہے؟ تو اس کا جواب بزرگ غیر مقلد عالم مولانا میاں غلام رسول صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔ میاں صاحب اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: جب امام ابن عبد البرؒ اور شاہ ولی اللہ دہلوی اور شیخ عبد الحق اور صاحب کبیری نے بیہقی کی سند کو صحیح قرار دیا ہے اور اسی حدیث کو جمہور اپنی دلیل گردانتے ہیں اور اسناد صحیح کے لفظ سے اس کی صحت کو صراحت سے بیان کرتے ہیں تو یہ حدیث صحت اور قوت میں مؤطا کی حدیث

---

[1] رسالہ مولانا سرفراز صفدر صاحب اپنی تصانیف کے آئینے میں (ص ٦٦) [2] دیکھئے تدریب الراوی (١/٢٧٩)

[3] حوالہ سابق [4] الاعتصام (ص ١٣) ٢٨ مئی ١٩٩٩ء

[illegible] اس میں زیادہ [illegible] (جو اصول کے لحاظ سے واجب القبول ہے) ۱؎۔

[illegible] جواب غیر مقلدین کیلئے اور کیا ہوسکتا ہے؟ اور اگر اس سے بھی زیادہ [illegible] تو پھر حصہ دوم کا انتظار کریں۔ وہاں ہم مؤطا کی روایت کے جواب میں اس پر [illegible] بحث کرینگے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اعتراض ثانی:۔ بعض غیر مقلدین نے لکھا ہے کہ گیارہ رکعات والی روایت بیس رکعات والی روایت پر راجح ہے کیونکہ گیارہ رکعات والی روایت۔ کے راوی محمد بن یوسف کے حق میں حافظ ابن حجر نے تقریب میں ثقہ ثبت دو لفظ استعمال کیے ہیں جب کہ بیس رکعات کے راوی یزید بن خصیفہ کے حق میں حافظ نے صرف ایک لفظ ثقہ استعمال کیا ہے۔ لھذا محمد بن یوسف کی روایت یزید کی اس بیس رکعات والی روایت پر راجح ہے۔

جواب:۔ ان دونوں روایتوں میں سے کون سی روایت راجح ہے؟ اس کی تفصیلی بحث تو حصہ دوم میں آئے گی۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے، کہ اگر غیر مقلدین کے اس بیان کردہ قاعدہ ترجیح کو سامنے رکھا جائے تو پھر بھی یزید کی روایت محمد بن یوسف کی روایت پر راجح ہے کیونکہ یزید کے ترجمہ میں ابھی گزرا کہ امام یحییٰ بن معین جو جرح اور تعدیل کے امام ہیں، نے یزید کے حق میں ثقہ حجۃ دو لفظ استعمال کیے ہیں جبکہ انھوں نے محمد بن یوسف کے حق میں صرف ایک لفظ ثقہ کہا ہے ۲؎۔

اسی طرح امام محمد بن سعد نے یزید کے حق میں چار لفظ (عابد، ناسک، کثیر الحدیث اور ثبت) استعمال کیے ہیں جبکہ محمد بن یوسف کے حق میں ان سے کچھ بھی منقول نہیں۔ اسی طرح علامہ ابن عبد البرؒ نے بھی ان کے حق میں ثقہ، مامون، محدث اور محسن کے چار توثیقی الفظ استعمال کیئے ہیں۔ نیز اگر حافظ ابن حجر نے تقریب میں محمد بن یوسف کے حق میں دو لفظ استعمال کئے ہیں تو انھون نے اپنی دوسری کتاب تھذیب التھذیب میں یزید بن خصیفہ کے حق میں بھی دو لفظ ثقہ اور مامون استعمال فرمائے ہیں۔ لھذا غیر مقلدین کے بیان کردہ قاعدہ ترجیح کے موافق بھی یزید کی روایت راجح ہے۔

۱؎ رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع (ص۴۲) ۲؎ دیکھئے تھذیب (۵۳۴/۹)

اسی طرح غیر مقلدین کی اس روایت کو مرجوع قرار دینے کی یہ دلیل بھی باطل ہے کہ گیارہ رکعات کے راوی محمد بن یوسف حضرت سائب ﷺ کے قریبی رشتہ دار ہیں کیونکہ حضرت سائب ﷺ ان کے نانا یا ماموں یا چچا تھے۔ لھذا ان کی روایت یزید بن خصیفہ (جو حضرت سائب ﷺ کے رشتہ دار نہیں ہیں) کی روایت پر راجح ہوگی [1]۔ لیکن یہ بھی غیر مقلدین کا نرا وہم ہے کیوں کہ یزید بن خصیفہ بھی حضرت سائب ﷺ کے رشتہ دار یعنی بھانجے تھے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے حضرت سائب بن یزید ﷺ کے ترجمہ میں ان سے روایت کرنے والے راویوں کو شمار کرتے ہوئے جب یزید بن خصیفہ کو شمار کیا تو فرمایا: وابن اختہ یزید بن عبداللہ بن خصیفہ و جماعۃ [2]۔ یعنی حضرت سائب ﷺ سے ان کے بھانجے یزید بن خصیفہ نے بھی روایت کی ہے، جب کہ علامہ ابن عبدالبرؒ کی رائے ہے کہ یہ حضرت سائب ﷺ کے بھائی کے بیٹے یعنی بھتیجے ہیں، جیسا کہ ان کا حوالہ گزر چکا ہے۔ لھذا غیر مقلدین کی یہ وجہ ترجیح بھی باطل ہوگئی اور غیر مقلدین کے اس صحیح روایت پر تمام تر اعتراضات ھباءً منثورا ہوگئے۔

بیس تراویح عہد مرتضوی میں

حضرت علی المرتضٰی ﷺ کے دور خلافت میں بھی حضرت عمر فاروق ﷺ اور حضرت عثمان غنی ﷺ کے دور کی طرح بیس تراویح پر عمل درآمد رہا۔ ذیل میں عہد مرتضوی کے متعلق چند روایات ملاحظہ کریں۔

روایت نمبر ۸: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں: اخبرناابوالحسین بن الفضل القطان ببغداد، انا محمدبن احمدبن عیسیٰ بن عبدك الرازی، ثناابوعامرعمروبن تمیم، ثنااحمد بن عبداللہ بن یونس، ثناحمادبن شعیب، عن عطاء بن السائب، عن ابی عبد الرحمن السلمی، عن علی ﷺ قال: ودعاالقراء فی رمضان فامرمنهم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعة قال وکان علی ﷺ یوتربهم [3]۔

ترجمہ: حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علی ﷺ نے رمضان المبارک میں قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات (تراویح) پڑھائے اور ان کو وتر خود حضرت علی ﷺ پڑھاتے تھے۔

---

[1] انارۃ المصابیح (۴۰) [2] "تھذیب التھذیب" (۳/۴۵۰) [3] سنن الکبریٰ للبیھقی (۲/۴۹۶)

غیر مقلدین کی طرف اس روایت پر دو اعتراض کئے جاتے ہیں۔

اعتراض اول: اس روایت کا ایک راوی حماد بن شعیب ہے جسے امام ابن معین، امام نسائی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور امام بخاریؒ نے اس کے بارے میں فیہ نظر کہا ہے جبکہ امام ابن الھمام نے تصریح کی ہے کہ جس راوی کے بارہ میں امام بخاریؒ فیہ نظر فرمائیں تو اس کی روایت نہ قابل احتجاج واستدلال ہو سکتی ہے اور نہ ہی قابل استشہاد ہوتی ہے [1]۔

جواب: حماد بن شعیب مختلف فیہ راوی ہے۔ اگر چہ بعض ائمہ نے اس کی تضعیف کی ہے لیکن بعض آئمہ نے اس کی توثیق بھی کی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں:

﴿۱﴾ امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں: یکتب حدیثه مع ضعفه۔ یعنی اس کی حدیث ضعف کے باوجود لکھی جاسکتی ہے [2]۔ اور مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: یکتب حدیثہ کالفظ الفاظ تعدیل میں شمار ہوتا ہے [3]۔

﴿۲﴾ امام ابن حبان نے اس کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے [4]۔

﴿۳﴾ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: اخرج لهٗ مع هذا الحاكم في مستدركه [5]۔ یعنی امام حاکم نے اپنی مستدرک میں اس کی احادیث کی تخریج کی ہے۔ اور غیر مقلدین کو یہ بات تسلیم ہے کہ مستدرک حاکم کی روایات صحیح ہیں۔ چنانچہ مولانا سلطان محمود صاحب (شیخ الحدیث مدرسہ دارالحدیث محمدیہ جلالپور) لکھتے ہیں: جس کتاب میں کسی مصنف کی ملحوظ شرائط کے مطابق ایسی صحیح احادیث جمع کی جائیں جو اس مصنف نے اپنی کتاب میں درج نہ کی ہوں جیسے مستدرک حاکم [6]۔

﴿۴﴾ امام بیہقیؒ بھی حماد کی مذکورہ روایت کو قوی مانتے ہیں چنانچہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد شتیر بن شکل کا اثر ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: وفي ذالك قوة۔ اس کے بعد انہوں نے یہی مذکورہ روایت

---

[1] "تحفۃ الاحوذی" ۲/۷۵، "تعداد تراویح" ص ۱۰۰ وغیرہ۔ [2] لسان المیزان (۲/۳۴۸) [3] "توضیح الکلام (۱/۵۴۷)

[4] الاکمال للحسینی مع تھذیب الکمال (۵/۵۲۸) طبع دارالفکر بیروت [5] لسان المیزان (۲/۳۴۸)

[6] اصطلاحات المحدثین (ص ۲۹)

شتیر کے اثر کو قوی ثابت کرنے کیلئے مع السند ذکر فرمائی ہے [1]۔ پس جب یہ روایت عند البیہقیؒ شتیر بن شکل کے اثر کی تقویت اور قوت کا سبب ہے تو پھر یہ روایت خود کیسے قوی نہ ہوگی؟

﴿۵﴾ اسی طرح یہ روایت امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک بھی صحیح ہے کیونکہ انہوں نے اسی حماد بن شعب والی روایت سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی قائم کی ہوئی جماعت (بیس تراویح) کو توڑ نہیں بلکہ برقرار رکھا [2]۔ اور مشہور غیر مقلد محدث محمد گوندلوی صاحبؒ (سابق امیر جماعت اہلحدیث) لکھتے ہیں:

کہ محدثین کا کسی روایت کو نقل کر کے استدلال کرنا اور اس پر جرح نہ کرنا اس کی صحت کی دلیل ہے [3]۔ مولانا ارشاد الحق اثری ایک راوی کے بارے میں لکھتے ہیں: امام بیہقی نے صراحت کی ہے کہ اس سے امام بخاری نے استدلال کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایت حسن صحیح ہے [4]۔

﴿۶﴾ پھر امام ذہبیؒ جیسے ناقد ماہر رجال نے بھی اپنی مختصر میں اس روایت کو اور حافظ ابن تیمیہؒ کے اس سے اس استدلال کو بلا ٹوک ونکیر ذکر فرمایا ہے اور حماد بن شعیب اور اس کی روایت پر ادنٰی نقد بھی نہیں کیا [5]۔ معلوم ہوا کہ امام ابن تیمیہؒ اور حافظ ذہبیؒ دونوں کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے۔

﴿۷﴾ اس روایت کی صحت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ محدث کبیر امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ حضرت علیؓ سے مروی بیس تراویح والی روایت کو صحیح مانتے ہوئے اس سے استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

واکثراھل العلم علی ماروی عن علیؓ وعمرؓ وغیرھما من اصحاب النبیﷺ عشرون رکعة [6]۔

مولانا عبداللہ روپڑیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں:۔ اہل علم سے صحابہؓ و تابعین وغیرہ مراد ہیں۔ چنانچہ امام ترمذیؒ نے کئی جگہ اس کی تصریح کی ہے اور جس مسئلہ کی بابت امام ترمذی والعمل علی ھذا عند اھل العلم کہتے ہیں۔ اگر اس مسئلہ میں اختلاف نہ ہو تو پھر حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔ اگر اختلاف ہو تو کچھ

---

[1] دیکھئے سنن کبرٰی (۴۹۶/۲) [2] دیکھئے منہاج السنۃ (۲۲۴/۲) [3] التحقیق الراسخ (ص ۸۸)
[4] توضیح الکلام (۲۰۶/۱) [5] المنتقٰی للذہبیؒ (ص ۵۴۸) بحوالہ رکعات التراویح (ص ۷۲) [6] ترمذی (۹۹/۱)

تقویت پہنچ جاتی ہے بشرطیکہ اس حدیث کے مقابل کوئی حدیث نہ ہو [1]۔ اور یہاں بھی اس حدیث کے مقابل کوئی حدیث نہیں ہے۔ لھذا یہ حدیث بھی امام ترمذیؒ کے نزدیک قوی ہے۔

﴿۸﴾ محدث امام ابن قدامہ حنبلیؒ اس روایت سے استدلال کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وھذا کا لاجماع [2]۔

لھذا حماد بن شعیب کی توثیق راجح ہے اور اس کی یہ مذکورہ روایت عندالمحدثین صحیح ہے۔ باقی رہا امام بخاریؒ کا حماد بن شعیب کے بارے میں فیہ نظر فرمانا اور بقول ابن الھمام وغیرہ جس راوی کے بارے میں امام بخاریؒ فیہ نظر فرمادیں تو ایسے راوی کی روایت نہ تو قابل حجت ہوتی ہے اور نہ ہی قابل تائید، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بیان کردہ قاعدہ باقرار غیر مقلدین کلیہ نہیں بلکہ اکثریہ ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری غیر مقلد امام ذہبیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

قال البخاری فیه نظر ولا یقول هذا الا فیمن یتهم غالباً۔ [3]

مولانا نذیر رحمانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: کہ کثیراً اور غالباً کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہ حکم کلی نہیں اکثری ہے [4]۔ نیز مولانا رحمانی لکھتے ہیں کہ محدثین نے اس امر کی تصریح کردی ہے کہ امام بخاریؒ کی اس جرح کی شدت واہمیت اکثری ہے کلی نہیں [5]۔ مولانا ارشادالحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: امام بخاریؒ کی جرح فیہ نظر کو بھی عموماً اہل علم نے اسی درجہ میں شمار کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کا یہ حکم عمومی نہیں اکثری ہے [6]۔ یہی وجہ ہے کہ بے شمار راوی ایسے ہیں کہ جن کے بارے میں امام بخاریؒ نے فیہ نظر فرمایا ہے لیکن اس کے باوجود ائمہ رجال نے ان کو ثقہ ٹھہرایا ہے بلکہ مصنفین صحاح اور خود امام بخاریؒ اور دیگر محدثین نے ایسے راویوں کی روایات کو اپنی کتب میں استدلال اور استشہاد دونوں اعتبار سے ذکر فرمایا ہے۔ بطور نمونہ صرف چند ایسی مثالیں ملاحظہ کریں۔

---

[1] فتاوی اہل حدیث (۱۰۸/۱) [2] المغنی (۸۰۳/۱) [3] ابکار المنن (ص ۵۸)
[4] "انوار المصابیح" (ص ۳۳۵) [5] ایضاً (ص ۳۳۴) [6] توضیح الکلام (۳۱۶/۲)

﴿۱﴾ تمام بن نجیح :۔ امام بخاریؒ نے ان کے بارے میں بھی فیہ نظر فرمایا ہے لیکن اس کے باوجود اپنی کتاب جزء رفع یدین میں ان سے روایت لی ہے اسی طرح امام ابوداؤد اور امام نسائی وغیرہ نے اپنی اپنی سنن میں ان سے روایت نقل کی ہیں اور امام یحیٰی بن معین اور یعقوب بن سفیان وغیرہ نے ان کو ثقہ اور امام بزار نے صالح الحدیث کہا ہے [1]۔

﴿۲﴾ عباد بن کثیر رملیؒ کے حق میں بھی امام بخاریؒ نے فیہ نظر فرمایا لیکن دیگر ائمہ حدیث کی طرح خود بھی ان کی روایات اپنی مشہور کتاب الادب المفرد میں لی ہیں [2]۔

﴿۳﴾ حبیب بن سالم انصاری کے بارے میں بھی امام بخاریؒ نے یہی الفاظ استعمال کئے ہیں لیکن یہ صحیح مسلم وغیرہ کے راوی ہیں اور امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ: ان کی روایات میں ایک روایت بھی منکر نہیں ہے [3]۔

﴿۴﴾ منھال بن خلیفہ العجلیؒ: ان کے بارے میں بھی امام بخاریؒ فرماتے ہیں: فیہ نظر، لیکن یہ سنن ابی داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ کے راوی ہیں اور امام ابن خزیمہؒ نے بھی اپنی صحیح میں ان کی روایات ذکر کی ہیں [4]۔ اور خود علمائے غیر مقلدین مثلاً حافظ عبداللہ روپڑی، مولانا مبارکپوری صاحب، حافظ عبد المنان نورپوری صاحب اور شیخ عبدالرؤف سندھو نے تصریح کی ہے کہ صحیح ابن خزیمہ کی تمام روایات صحیح ہیں اور اس کے سارے راوی ثقہ ہیں [5]۔

صرف ان چند مثالوں کو ہی سامنے رکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی راوی کے بارہ میں امام بخاریؒ کے فیہ نظر کہنے کے باوجود وہ راوی ثقہ اور اس کی بیان کردہ روایات صحیح اور قابل استدلال ہوسکتی ہیں ادوسری بات یہ ہے کہ امام بخاریؒ کی اس جرح کی اہمیت اور شدت اگر ہے بھی تو وہ صرف امام بخاری کے نزدیک ہے ورنہ وہ راوی دوسرے ائمہ حدیث کے نزدیک ثقہ ہوسکتا ہے اسکا کچھ نمونہ درج بالا مثالوں میں آپ نے ملاحظہ کرلیا ہے اور اس بات کا بھی غیر مقلدین کو اقرار ہے۔ چنانچہ مولانا نذیر رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ ان الفاظ کی جرح کی شدت اور اہمیت امام بخاریؒ کے نزدیک ہے دوسرے محدثین

---

[1] ''تھذیب الکمال'' (۳/۲۱۱،۲۱۲) [2] تھذیب الکمال (۹/۴۲۰) [3] ایضاً (۴/۱۱۹) [4] ایضاً (۱۸/۴۱۰)

[5] کتاب رفع یدین اور آمین (ص۱۲۲،۱۲۳) تحفۃ الاحوذی (۲/)، تعداد تراویح (ص۳۴)، القول المقبول (ص۴۲)

کے نزدیک ان الفاظ کی یہ حیثیت نہیں ہے ۱۔ اور رحمانی صاحب امام سخاویؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ لھذا فیہ نظر اور سکتوا عنہ کو سخت الفاظ میں شمار کرنا خاص کر انہی کے اعتبار سے ہے اور اس کے ساتھ اس تعبیر میں چشم پوشی اور درگزر بھی ہے ۲۔ اور آخر میں لکھتے ہیں: تو اس سے یہ بات خود ہی ثابت ہو جاتی ہے کہ ایسے راوی بھی ہیں جن کے حق میں امام بخاریؒ نے فیہ نظر یا سکتوا عنہ کہا ہے مگر دوسرے ناقدین کے نزدیک وہ معتبر ہیں بلکہ خود امام بخاریؒ کے نزدیک بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ایسا راوی بالکل ناکارہ ہی ہو ۳۔

لھذا جب غیر مقلدین کو یہ دونوں باتیں تسلیم ہیں تو پھر اگر امام بخاریؒ نے حماد بن شعیب کے بارے میں فیہ نظر کہہ دیا ہے لیکن دیگر محدثین امام ابن عدی، امام ابن حبان اور امام حاکم وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے اور امام ابن تیمیہؒ، امام ذہبیؒ، امام ترمذیؒ، امام بیہقیؒ وغیرہ نے اس کی روایت کو قابل استدلال سمجھا ہے تو انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ غیر مقلدین حضرات اپنے بیان کردہ اصولوں کی روشنی میں حماد بن شعیبؒ کی مذکورہ روایت کو بھی تسلیم کر لیں اور اس کو بالکل ہی ناکارہ راوی کہنا چھوڑ دیں۔

ثانیاً: اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حماد بن شعیب ضعیف راوی ہے اور اس کی وجہ سے یہ روایت بھی ضعیف ہے تو پھر بھی مضر نہیں کیونکہ حضرت علی ﷛ سے بیس رکعات والی روایت حماد کے طریق کے علاوہ دیگر طرق سے بھی مروی ہے، کما سیاتی تفصیلھا، اور وہ طرق حماد کی اس روایت کے لیے مؤید ہیں جس کی وجہ سے حماد والی روایت کا ضعف ختم ہو جاتا ہے کیونکہ اصول حدیث کا یہ قاعدہ ہے کہ جس ضعیف روایت کی تائید دیگر طرق سے ہو جائے تو اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب ایک ضعیف روایت سے استدال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ھذا الحدیث وان کان ضعیفا لکنہ منجبر بتعدد طرقہ ۴۔

مولانا محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: کہ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر کثرت طرق سے اس کا ضعف جاتا رہا ۵۔ پس حماد بن شعیب اتنا ضعیف راوی نہیں ہے کہ کثرت طرق سے بھی اس کی روایت کا ضعف ختم نہ ہو۔

---

۱ انوار المصابیح (۲۳۵) ۲ ایضاً (ص ۲۳۶) ۳ ایضاً (ص ۲۴۰) ۴ ابکار المنن (ص ۱۸۶) ۵ خیر الکلام (ص ۲۵۲)

اعتراض ثانی: اس روایت کا دوسرا راوی عطاء بن سائب آخر عمر میں اختلاط کے عارضہ میں مبتلا ہو گیا تھا اور جن راویوں نے اس سے قبل الاختلاط روایت کی ہے ان میں حماد بن شعیب کا نام نہیں ہے۔ لھذا یہ روایت عطا سے بعد الاختلاط مروی ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے ۱۔

جواب: عطاء بن السائب اگر چہ آخر عمر میں عارضہ اختلاط میں مبتلا ہو گئے تھے لیکن وہ اتنے مختلط نہیں ہوئے تھے کہ ان کی احادیث ضعیف قرار پائیں بلکہ اختلاط کے باوجود ان کی احادیث عند المحدثین کم از کم حسن ضرور ہیں۔ چنانچہ امام ہیثمیؒ ایک روایت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وفیه عطاء بن السائب وفیه کلام وهو حسن الحدیث ۲ اس روایت میں عطاء بن ثابت ہیں اگر چہ (اختلاط کی وجہ سے) ان میں کلام ہے لیکن ان کی حدیث حسن ہے۔ امام ذہبیؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: تابعی مشهور حسن الحدیث ۳۔ امام حاکم عطاء کی ایک روایت جس کو ان سے جریر بن عبد الحمید نے نقل کیا ہے، صحیح الاسناد کہا ہے ۴۔ حالانکہ جریر کا سماع بعد الاختلاط کا ہے ۵۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ عطاء کے بارے میں لکھتے ہیں: وکان اختلط بآخره ولم یفحش حتی یستحق ان یعدل به عن مسلك العدول ۶۔ یعنی عطاء بن سائب اگر چہ آخر عمر میں عارضہ اختلاط میں مبتلا ہو گئے تھے (لیکن) وہ اتنے فاحش اور زیادہ مختلط نہیں ہوئے کہ وہ اختلاط کی وجہ سے عادل اور ثقہ راویوں کی راہ سے تجاوز کر جائیں۔ امام مسلم نے بھی عطاء بن سائب کو مقدمہ مسلم میں قابل اعتماد اور طبقہ ثانی کے راویوں میں شمار کیا ہے کہ جن سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایات لی ہیں ۷۔

اسی طرح امام ابو حاتم کے نزدیک بھی عطاء قابل اعتبار راوی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم حصین بن عبد الرحمٰن اور عطاء بن سائب برابر ہیں محلهم محل الصدق یکتب حدیثهم ولا یحتج بهم ۸۔

---

۱ مصلہ انوار المصابیح (ص ۲۸۸، ۲۸۹) ۲ مجمع الزوائد (۳/۳۵) ۳ المغنی فی الضعفاء (۲/۵۹)
۴ المستدرک (۱/۳۴۸) ۵ تدریب الراوی (۲/۴۲۳) ۶ تھذیب التھذیب (۷/۱۸۵)
۷ دیکھئے مقدمہ مسلم (ص ۳) ۸ الجرح والتعدیل (۱/۱۳۳)

مولانا ارشادالحق اثری لکھتے ہیں کہ لا یحتج کے الفاظ راوی کے صدوق ہونے کے منافی نہیں [1]۔
نیز فرماتے ہیں: خلاصۃ المرام راوی کا (ابو حاتم کے نزدیک) لیس بحجۃ ہونا اس کے صدوق بلکہ ثقہ ہونے کے منافی نہیں [2]۔ اور چونکہ امام ابو حاتم نے عطاء بن سائب کے بارہ میں محل الصدق اور یکتب حدیثہ فرمایا ہے جو الفاظ تعدیل میں سے ہیں لھذا امام ابو حاتم کا ان کے بارہ میں لا یحتج فرمانا مضر نہیں اور یہ عطاء کے ثقہ اور صدوق ہونے کے منافی نہیں ہے نیز محدث کبیر امام بخاریؒ کے نزدیک بھی عطاء کی متابعت والی روایت صحیح ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی صحیح میں عطاء کی ایک متابعت والی روایت ذکر فرمائی ہے حالانکہ اس روایت کو عطاء سے نقل کرنے والے ھشیم راوی ہیں [3]۔ جن کا عطاء سے سماع بالیقین عطاء کے زمانہ اختلاط کا ہے۔ چنانچہ امام عجلیؒ فرماتے ہیں: فاما من سمع منه (ای عطاء بن سائب) بعد الاختلاط فهو مضطرب الحديث منهم هشيم وخالد بن عبدالله [4]۔

اب جبکہ عطاء بن سائب کی حالت اختلاط والی روایت صحیح بخاری میں بھی موجود ہے اور باقرار غیر مقلدین صحیح بخاری میں مختلط راویوں کی جتنی روایات موجود ہیں وہ سب صحیح ہیں۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد مولانا ارشادالحق اثری صاحب ایسے راویوں کی روایات کے متعلق لکھتے ہیں: ان کی روایات (صحیح بخاری) میں موجود ہیں مگر ہم نے بحمد اللہ یہ ثابت کیا ہے کہ یہ روایات صحیح ہیں اور صحیح بخاری کی صحت پر ان روایات کی وجہ سے کوئی فرق نہیں آتا [5]۔

بنابریں جب عندالمحدثین (امام ہیثمیؒ، امام حاکمؒ، حافظ ابن حجرؒ، امام ابو حاتمؒ اور امام بخاریؒ وغیرہ کے نزدیک بھی عطاء بن سائب کی اختلاط والی روایات صحیح ہیں اور ان کی صحت کا خود غیر مقلدین کو بھی اقرار ہے تو پھر اس کی مذکورہ روایت جس کی تائید حضرت علیؓ کی دیگر روایات سے بھی ہو رہی ہے وہ کیونکر صحیح نہیں ہوگی؟

ثانیا: چونکہ حضرت علیؓ سے بیس تراویح اس روایت کے علاوہ دیگر روایات میں بھی مروی ہیں جو کہ عطاء کی مذکورہ روایت کے لیے مؤید ہیں۔ اور اصول حدیث میں طے شدہ ہے کہ مختلط راوی کیمتابعت

---

[1] توضیح الکلام (۱/۲۳۰) [2] ایضاً (ص۲۲۹) [3] "تدریب الراوی" (۱/۳۲۴)
[4] "تھذیب الکمال" (۱۳/۵۷)، "الجوہر النقی" (۳/۳۸، ۳۹)۔ [5] توضیح الکلام (۲/۴۷۰)

اور تائید جب کسی دوسری روایت سے ہو جائے تو پھر مختلط سے مروی روایت معتبر اور قابل حجت سمجھی جاتی ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: ومتیٰ توبع السیئ الحفظ بمعتبر کان یکون فوقه اومثله لا دونه و کذا، المختلط الذی لا یتمیز ولمستور والاسناد المرسل و کذا المدلس صار حدیثهم حسنا لالذاته بل وصفه باعتبار المجموع [1]۔

یعنی جب سیئ الحفظ راوی کی متابعت اور تائید کسی معتبر راوی سے ہو جائے جو مرتبہ میں اس سے بہتر یا برابر ہو کم نہ ہو، اسی طرح مختلط راوی جس کی روایات میں تمیز نہ ہو سکے (کہ یہ روایات اس کے حالت اختلاط سے پہلے کی ہیں یا بعد کی) اور اسی طرح مستور، مرسل اور مدلس کی کوئی تائید کر دے تو ان سب کی روایات حسن ہو جائیں گی اپنی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ مجموعی حیثیت کے اعتبار سے [2]۔

خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی مختلط کی روایت عند المتابعت صحیح ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب ایک مختلط راوی کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: واما اختلاطه قبل موته بقلیل کما قاله الحافظ فی التقریب فیقتضی ان یکون حدیثه ضعیفا مالم یثبت انه رواه قبل اختلاطه لکنه قد شهده حدیث وائل بن حجر وهلب الطائی [3]۔

باقی رہا اس کو موت سے تھوڑا عرصہ پہلے اختلاط ہونا جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تقریب میں فرمایا ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی روایت ضعیف ہو جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس نے یہ حدیث اختلاط سے پہلے روایت کی ہے لیکن اس کے لیے وائل بن حجر اور هلب طائی کی احادیث شاہد ہیں۔ مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: مبارکپوری صاحب ابو اسحاق کو مختلط لکھتے ہیں لیکن طحاوی میں ابو اسحاق کا متابع موجود ہے۔ لهذا ابو اسحاق پر اعتراض فضول ہے [4]۔

پس جب مختلط کی روایت عند المتابعۃ خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی معتبر ہے تو پھر عطاء بن سائب کی متابعت والی روایت پر ان کا اعتراض بھی فضول ہے۔ اور یہ روایت بالکل صحیح ہے اب اس روایت کے دیگر

---

[1] ''شرح نخبۃ الفکر'' (ص۹۱) [2] علامہ شوکانیؒ غیر مقلد نے تصریح کی ہے کہ ایسی حسن لغیرہ روایت عند الجمہور حجت ہے چنانچہ فرماتے ہیں: وبهذا ان الحدیث من قسم الحسن لغیره وهو محتج به عندالجمهور۔ ''نیل الاوطار'' (۳۱۴/۴) [3] ابکار المنن (ص۱۱۵) [4] توضیح الکلام (۵۱۴/۱، ۵۱۵)

راویوں کا حال ملاحظہ ہوں۔

(۱) امام بیہقیؒ جو بالاتفاق ثقہ امام ہیں۔

(۲) ابوالحسین بن الفضل القطان البغدادی: مولانا ارشادالحق اثری صاحب غیر مقلد انکے بارے میں لکھتے ہیں: امام بیہقی اور خطیب کے مشہور استاذ ہیں امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بالاتفاق ثقہ ہیں۔ ۱

حافظ ابن حجرؒ ان کی ایک روایت کو اسنادہ جید فرماتے ہیں۔ ۲

(۳) محمد بن احمد بن عیسیٰ بن عبدک الرازی۔ یہ امام دارقطنیؒ وغیرہ محدثین کے استاد ہیں۔ علامہ خطیبؒ انکو ثقہ بتلاتے ہیں۔ ۳

(۴) ابو عامر عمرو بن تمیم:۔ حافظ ابن حجر نے محمد بن اسماعیل ابوالحسین الرازی کے ترجمہ میں علامہ خطیب کے حوالہ سے انکو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ ۴

(۵) احمد بن عبداللہ بن یونس:۔ امام احمد بن حنبلؒ ان کو شیخ الاسلام کہتے ہیں امام ابو حاتم فرماتے ہیں: کان ثقتہ متقنا امام نسائی اور امام ابن حبان فرماتے ہیں: ثقتہ، امام ابن سعد اور امام عجلی ان کو ثقہ اور صاحب سنتہ والجماعتہ فرماتے ہیں، امام ابن قانع فرماتے ہیں: ثقتہ مامونا ثبۃ، امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ (یہ کوفہ کے صالحین اور اہل سنت میں سے ہیں۔ ۵

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ آپکے بارے میں لکھتے ہیں: ثقتہ حافظ۔ ۶

(۶) حماد بن شعیب اور (۷) عطاء بن سائب کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

(۸) ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب السلمیؒ: یہ ثقہ تابعی ہیں، امام عجلیؒ انکے بارے میں فرماتے ہیں: کوفی تابعی ثقۃ، امام نسائی فرماتے ہیں: ثقہ، محمد بن عمیر فرماتے ہیں: کان ثقۃ کثیر الحدیث علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ یہ تمام محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، امام بخاری اپنی کتاب التاریخ الکبیر میں لکھتے ہیں کہ: انھوں نے حضرت علی ﷺ، حضرت عثمان ﷺ اور حضرت ابن مسعود ﷺ سے سماعت

---

۱ اسباب اختلاف الفقہاء (ص ۶۱) بحوالہ سیر اعلام النبلاء (۱۷/۳۳۱)، تاریخ بغدادی (۲/۲۴۶)

۲ تلخیص الحبیر (ص) ۳ دیکھئے تاریخ بغداد (۱/۳۳۳، ۳۳۴) ۴ لسان المیزان (۵/۸۹)

۵ مصلہ "تھذیب الکمال" ۱/۱۸۴، "تھذیب التھذیب" (۱/۴۴) ۶ تقریب (۱/۳۹)

حدیث کی ہے، علامہ واقدی لکھتے ہیں کہ جنگ صفین میں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک تھے [1]۔
(۹) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفہ رسول ﷺ اور داماد رسول ﷺ ہیں۔ الغرض یہ روایت بالکل صحیح ہے۔

روایت نمبر ۹:۔ امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں: ثنا وکیع عن حسن بن صالح عن عمرو ابن قیس عن ابی الحسناء ان علیاً امر رجلا یصلی بھم فی رمضان عشرین رکعۃ [2]۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوالحسناء روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات (تراویح) پڑھائے [3]۔

اس روایت پر غیر مقلدین نے دو اعتراض کیے ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو نقل کرنے والے ابوالحسناء مجہول ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے ان کو مجہول اور حافظ ذہبیؒ اور علامہ نیمویؒ نے لایُعرف کہا ہے۔ دوسرا اعتراض یہ کیا کہ ابوالحسناء کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات بھی ثابت نہیں۔ لھذا یہ روایت منقطع بھی ہے۔

جواب:۔ غیر مقلدین کے یہ دونوں اعتراض باطل ہیں۔ اس لئے کہ ابوالحسناء سے دو ثقہ راوی عمرو بن قیس اور ابوسعد البقال یہ روایت نقل کر رہے ہیں اور روایت نمبر ۵ میں ابوعثمان بصری کے تذکرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ جس راوی سے ایک سے زائد راوی روایت کر دیں تو اس کی جہالت ختم ہو جاتی ہے اور اس کو مجہول نہیں کہا جاتا۔

البتہ جس راوی سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت کریں اور اس کے بارے میں کسی سے توثیق

---

[1] ”تھذیب الکمال“ ۸۰/۱۰، ”تھذیب التھذیب“ ۱۶۱/۵۔ [2] مصنف ابن ابی شیبہ (۲۸۵/۲)

[3] اس روایت کے پہلے راوی حضرت وکیع کا تذکرہ روایت نمبر ا میں اور حسن بن صالح کا تذکرہ روایت نمبر ۳ میں گزر چکا ہے۔ تیسرے راوی عمرو بن قیس الملائی بالاتفاق ثقہ ہیں۔ امام احمد، امام ابن معین، امام ابوحاتم، امام نسائی، امام ابو زرعہ، امام ثوری، امام عجلی، امام ترمذی اور امام ابن حبان وغیرہ سب محدثین ان کو ثقہ بتلاتے ہیں۔ دیکھئے تھذیب التھذیب (۹۲/۸)۔ حافظ ابن حجرؒ انکے بارے میں لکھتے ہیں: ثقة عابد متقن، تقریب (۷۴۴/۱)۔ چوتھے راوی ابو الحسناء کا ترجمہ اوپر کتاب میں مذکور ہے۔

منقول نہ ہوتو ایسے راوی کو کو مستور یا مجہول الحال کہتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: من روی عنہ اثنان من واحد ولم یوثق والیہ الاشارۃ بلفظ مستور او مجہول الحال [1]

یعنی جس راوی سے آگے ایک سے زائد راوی روایت کریں اور اس کی توثیق نہ کی گئی ہو تو اس کی طرف لفظ مستور یا مجہول الحال سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ علامہ مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں: مستور تو اسے کہتے ہیں کہ جس سے دو شخص روایت کریں اور کسی نے اس کی توثیق نہ کی ہو [2]۔

مولانا حافظ محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: جس شخص سے دو راوی روایت کر دیں تو اس کو مجہول نہیں، مستور کہتے ہیں [3]۔

مولانا سلطان محمود صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ جس سے روایت لینے والے تو کئی ہوں مگر اس کے بارہ میں جرح وتعدیل معلوم نہ ہو اسے مستور بھی کہتے ہیں [4]۔

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: اصول حدیث میں یہ مقرر ہے کہ جس سے دو ثقہ روایت کریں وہ مجہول العین نہیں رہتا بلکہ اس کی جہالت عین ختم ہو جاتی ہے۔ مستور وہ ہوتا ہے جس کی کسی نے بھی توثیق نہ کی ہو [5]۔

ابوالحسناء مجہول نہیں مستور ہیں:۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ جس راوی سے دو راوی روایت کریں تو اس کو محدثین کی اصطلاح میں مجہول نہیں بلکہ مستور کہتے ہیں اور یہ بات خود غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے۔ چونکہ ابوالحسناء سے بھی دو راویوں نے یہ روایت بیان کی ہے اور اس کے کم از کم دو شاگرد ہیں [6]۔ لھذا اس کو مجہول کہنا غلط ہے بلکہ یہ مستور راوی ہے۔

---

[1] تقریب (ص ۲۵) [2] تحقیق الکلام (۱/۷۹) [3] مقدمہ خیر الکلام (ص ۱۶۸) [4] اصطلاحات المحدثین (ص ۱۹) [5] الکواکب الدریہ (ص ۳۲) [6] مولانا رحمانی صاحب نے اپنی عادت سے مجبور ہو کر اس پر یہ اعتراض کر دیا کہ عمرو بن قیس اور ابوسعد بقال کو ابوالحسناء کے شاگرد قرار دینا وہم ہے کتب رجال سے اسکا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ انوار المصابیح (ص ۳۰۰) لیکن ان دونوں کو ابوالحسناء کا شاگرد قرار دینا وہم نہیں بلکہ رحمانی صاحب کا اس سے انکار کرنا خود انکا وہم ہے کیونکہ علمائے غیر مقلدین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ یہ دونوں ابوالحسناء کے شاگرد ہیں چنانچہ مولانا رحمانی صاحب کے =

حافظ ابن حجر عسقلانی نے جس ابوالحسناء راوی کو مجہول اور حافظ ذہبیؒ نے لایعرف کہا ہے وہ یہ ابوالحسناء نہیں جو مذکورہ روایت کا راوی ہے بلکہ وہ شریک نخعیؒ کا استاد ہے اور اس سے صرف ایک ہی راوی شریک روایت کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ مجہول ہے، جیسا کہ حافظ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال [1] میں، حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان [2] اور تھذیب [3] میں اور حافظ ابوالحجاج مزی نے تھذیب الکمال [4] میں اس کی تصریح کی ہے۔ یہاں جس ابوالحسناء میں کلام ہو رہا ہے اس سے صرف ایک راوی نہیں بلکہ کم از کم دو راوی روایت کرتے ہیں اور وہ خود حضرت علی المرتضیٰ ﷛ سے روایت کرتے ہیں۔ جبکہ پہلے ابوالحسناء حکم سے، جو حضرت علی ﷛ کے شاگرد حنش کے شاگرد ہیں، سے روایت کرتے ہیں [5]۔ لھذا غیر مقلدین کا ان دو مختلف راویوں کو ایک قرار دے کر مذکورہ روایت کے راوی ابوالحسناء کو مجہول ثابت کرنا غلط ہے۔ اگر غیر مقلدین حضرات ان دونوں کو ایک ہی قرار دینے پر بضد ہیں تو پھر اس صورت میں ابوالحسناء سے روایت کرنے والے دو کی بجائے تین راوی ہو جائیں گے، دو (عمرو بن قیس اور ابوسعد بقال) مذکورہ روایت کے راوی اور ایک شریک نخعیؒ۔ پھر غیر مقلدین کس اصول کے تحت ابوالحسناء کو مجہول قرار دینگے؟ دیدہ باید

خلاصہ کلام:۔ ابوالحسناء دو راوی ہیں اور جن ابوالحسناء کو ابن حجرؒ وغیرہ نے مجہول قرار دیا ہے وہ اس مذکورہ روایت کے راوی نہیں ہیں بلکہ مذکورہ روایت کے راوی ابوالحسناء اصول حدیث کی رو سے مستور راوی ہیں اور علامہ نیمویؒ کی مراد بھی ابوالحسناء کو لایعرف کہنے سے اس کا مستور ہونا ہے کیونکہ انھوں نے خود ابوالحسناء کے دونوں شاگردوں کی روایتیں ذکر کیں ہیں [6]۔

لھذا علامہ نیمویؒ کی تحقیق کے مطابق بھی مذکورہ روایت کے راوی ابوالحسناء مستور ہیں اور لایعرف کا اطلاق جس طرح مجہول راوی پر ہوتا ہے اسی طرح اس کا اطلاق مستور راوی پر بھی کیا جاتا ہے۔

= استاذ الاستاذ حافظ عبداللہ غازیپوری لکھتے ہیں: اس روایت کی سند میں ایک راوی ابوالحسناء بھی ہیں جو ابوسعد بقال کے شیخ ہیں۔ رکعات التراویح (ص ۳۰) پس جب ابوسعد بقال جو غیر مقلدین کے نزدیک ضعیف بھی ہے اور مدلس بھی اس کو ابوالحسناء کا شاگرد ہونا تسلیم کر لیا ہے تو پھر ابوالحسناء کے دوسرے شاگرد عمرو بن قیس جو بالاتفاق ثقہ ہیں اور مدلس بھی نہیں ہیں ان کا ابوالحسناء کا شاگرد ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہو گیا۔ [1] (۵۰۱/۴) [2] (۴۵۹/۷) [3] (۷۴/۱۲)
[4] (۱۷۹/۲۱) [5] دیکھئے تھذیب الکمال (۱۸۰/۲۱) [6] دیکھئے التعلیق الحسن (ص ۲۵۴، ۲۵۵)

مستور راوی کی روایت کا حکم

مستور کی روایت کے بارے میں ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ مطلق مقبول ہے لیکن جمہور اس کا رد کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ تحقیق یہ ہے کہ مستور کی روایت نہ مطلق مقبول ہے اور نہ مطلق مردود، بلکہ اس میں ظاہر حال تک توقف کیا جائے گا[1]۔ پھر آگے مختلط وغیرہ راویوں کے ضمن میں لکھتے ہیں: اگر مستور وغیرہ کی متابعت کوئی دوسرا معتبر راوی جو کہ اس کے مثل یا اس سے بہتر ہو، کر دے تو مستور وغیرہ کی روایت حسن ہو جائے گی[2]۔ حافظ صاحب کی یہ پوری عربی عبارت روایت نمبر ۸ کے ذیل میں مختلط کی بحث میں گزر چکی ہے۔ اسی طرح امام سیوطی حدیث ضعیف کی تعریف کے تحت لکھتے ہیں: ثم قسمه ابن الصلاح الیٰ اقسام کثیرة باعتبار فقد صفت من صفات القبول الستة، وهي الاتصال، والعدالة، والضبط، والمتابعة في المستور وعدم الشذوذ، وعدم العلة[3]۔ اس خط کشیدہ عبارت پر غور کریں اس سے واضح ہے کہ مستور کی روایت تب ضعیف ہوگی جب اس کی متابعت نہ کی گئی ہو۔ لیکن اگر اس کی متابعت کوئی دوسرا راوی کر دے تو پھر مستور کی روایت صحیح اور مقبول ہو جائے گی۔ چونکہ ابوالحسناء بھی مستور راوی ہے اور اس کی متابعت ابو عبد الرحمن السلمیؒ نے کی ہے (جو روایت نمبر ۸ کے راوی اور بالاتفاق ثقہ تابعی ہیں)۔ لھذا ابوالحسناء کی روایت بھی متابعت کی وجہ سے صحیح اور قابل اعتبار ہوگی۔ خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی مستور کی روایت متابعت کی صورت میں قابل حجت ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے محقق اعظم مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب حدیث حسن لغیرہ کی تعریف میں لکھتے ہیں: الحسن لغيره وهو الذي يكون حسنهٔ بسبب الاعتضاد نحو حديث المستور الخ[4]۔ یعنی حسن لغیرہ وہ حدیث ہے جس کو کسی اعتضاد اور تائید کے سبب حسن قرار دیا جائے جیسے مستور کی حدیث۔

مختلط کی بحث میں قاضی شوکانی غیر مقلد کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ حسن لغیرہ عند الجمہور حجت ہے وهو المطلوب۔

---

[1] (شرح نخبۃ الفکر (ص ۸۷) [2] ایضاً (ص ۹۱) [3] تدریب الراوی (۱/۱۴۴) [4] تحفۃ الاحوذی (۱/۱۹۹)

ابوالحسناء پر دوسرے اعتراض کا جواب:۔

غیر مقلدین کا دوسرا اعتراض کہ ابوالحسناء کا حضرت علیؓ سے لقاء ثابت نہیں ہے، یہ بھی باطل ہے کیونکہ پہلے اعتراض کے جواب میں یہ گزر چکا کہ ابوالحسناء دو ہیں ایک وہ جس سے صرف ایک راوی شریک نخعیؒ روایت کرتے ہیں اور وہ خود حکمؒ سے روایت کرتے ہیں جو کہ حضرت علیؓ کے شاگرد حنش کے شاگرد نہیں اور یہ ابوالحسناء طبقہ سابعہ کے راوی ہیں [1]۔اس طبقہ کا کسی صحابیؓ سے بھی لقاء ممکن نہیں ہے۔اور دوسرے ابوالحسناء جو مذکورہ روایت کے راوی ہیں ان کا حضرت علیؓ سے لقاء ممکن ہے کیونکہ ان کے شاگرد ابوسعد البقال تابعین میں سے ہیں اور صحابی رسول حضرت انسؓ بن مالک اور کبار تابعین سے روایت کرتے ہیں اور خود سلیمان اعمش وغیرہ تابعین کے استاذ ہیں [2]۔

اسی طرح ابوالحسناء کے دوسرے شاگرد عمرو بن قیس کبار اتباع تابعین میں سے ہیں اور ممکن ہے کہ یہ بھی تابعین میں سے ہوں کیونکہ وہ طبقہ سادسہ میں سے ہیں [3]۔اس طبقہ کا صحابہ کرامؓ سے لقاء ممکن ہے کیونکہ اس طبقہ والے طبقہ خاصہ والوں کے ہم عصر ہیں جن کی صحابہ کرامؓ سے لقاء اور سماع دونوں ثابت ہیں۔اب جس راوی کے شاگرد تابعین میں سے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ خود کبار یا اوساط تابعین میں سے یقیناً ہوں گے جن کا حضرت علیؓ سے لقاء اور سماع دونوں ممکن ہیں اور یہی اتصال سند کے لئے کافی ہیں۔کیونکہ سند کے اتصال کے لئے راوی اور مروی عنہ کے درمیان امکان لقاء اور سماع ہی ضروری ہے۔ثبوت لقاء یا سماع ضروری نہیں۔چنانچہ مشہور غیر مقلد محدث حافظ محمد گوندلوی صاحب لکھتے ہیں: باقی رہا یہ اعتراض کہ مکحول کا سماع محمود سے ثابت نہیں، عدم ثبوت صحت حدیث کے منافی نہیں کیونکہ صحت حدیث کیلئے صرف استاد اور شاگرد کی ملاقات کا ممکن ہونا کافی ہے عدم ثبوت سے نفی لازم نہیں آتی [4]۔

مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ: اتصال سند کیلئے معاصرت شرط ہے اور معاصرت کا مطلب عندالمحدثین یہ ہے کہ راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات ممکن ہو [5]۔

---

[1] تقریب (۳۸۴/۲) [2] دیکھئے "تھذیب الکمال" (۲۸۹/۷) [3] تقریب (۷۴۴/۱)

[4] خیر الکلام (ص ۱۶۷) [5] ابکار المنن (ص ۱۴۵/۱۴۶)

مولانا ارشاد الحق اثری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: اور اصول حدیث کا یہ قاعدہ ہے کہ اتصال سند کے لیے امکان لقاء ہی کافی ہے جیسا کہ امام مسلم نے کہا ہے [1]۔

پس جب ابوالحسناء اور حضرت علی ؓ کے درمیان ملاقات اور سماع ممکن ہے اور یہی اتصال سند اور صحت حدیث کے لئے کافی ہے تو پھر غیر مقلدین کا اس روایت پر دوسرا اعتراض بھی رفع ہو گیا کہ ابوالحسناء اور حضرت علی ؓ کے درمیان لقاء ثابت نہ ہونے کی وجہ سے یہ حدیث منقطع اور ضعیف ہے۔ بالفرض مان ہی لیا جائے کہ ابوالحسناء کا حضرت علی ؓ سے لقاء نہیں ہے تو بھی اس حدیث کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اس صورت میں یہ روایت مرسل معتضد ہو جائے گی کیونکہ اس کی تائید سابقہ روایت سے ہو رہی ہے اور اس پر صحابہ کرام ؓ اور علمائے امت کا عمل بھی ہے اور مرسل معتضد بالاتفاق حجت ہے جس کی تفصیل روایت نمبر ا کے ذیل میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔ اگر اس تحقیق کو سامنے رکھا جائے تو غیر مقلدین کا پہلا اعتراض بڑی آسانی سے رفع ہو جائے گا کیونکہ جس ابوالحسناء کو مجہول کہا گیا ہے اس کے اور حضرت علی ؓ کے درمیان کم از کم دو واسطے ہیں اور جو ابوالحسناء مذکورہ روایت کے راوی ہیں ان کے اور حضرت علی ؓ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے اور اگر ہو بھی تو صرف ایک ہی واسطہ ہو گا۔ لھذا غیر مقلدین کا ان دونوں کو ایک قرار دیکر ان کے اس روایت پر کیے گئے دونوں اعتراض باطل ہو گئے اور اس کا یہ روایت صحیح ہونا ثابت ہو گیا۔

اس روایت کے دیگر راویوں کا تذکرہ اس روایت کے شروع کے حاشیہ میں گزر چکا ہے جو سب ثقہ ہیں نیز اس روایت کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت علی ؓ کے تربیت یافتہ اور خصوصی شاگرد، شتیر بن شکل، عبدالرحمن بن ابی بکرہ، سعید بن ابی الحسن، سوید بن غفلہ، علی بن ربیعہ اور حارث اعور وغیرہ بھی بیس تراویح پڑھاتے تھے۔ ان کے آثار عنقریب ذکر کیے جائیں گے انشاء الله تعالیٰ۔

روایت نمبر ۱۰:۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں: اخبرنا ابو عبدالله ابن فنجويه الدينوری ثنا احمد ابن محمد اسحاق السنی ثنا احمد بن عبدالله البزار ثنا سعد ان بن

[1] توضیح الکلام (۲/۵۹۱)

يزيد ثنا الحكم بن مروان السلمي انبأ الحسن بن صالح عن ابي سعد البقال عن ابي الحسناء ان علي بن ابي طالبؓ امر رجلا ان يصلي بالناس خمس ترويحات عشرين ركعة[1]۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوالحسناء سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب نے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو پانچ ترویحات یعنی بیس تراویح پڑھائے[2]۔

اس روایت کے بارے میں امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند میں ضُعف ہے۔

علامہ ابن الترکمانیؒ لکھتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ اس سند کا ضعف ابوسعد البقال کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ متکلم فیہ راوی ہے لیکن مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت (جو ابھی گزری ہے) میں (عمرو بن قیس) اس کا متابع موجود ہے جس سے اس کے ضعف کی تلافی ہو جاتی ہے[3]۔

اگرچہ بعض ائمہ نے ابوسعد البقال کی تضعیف بھی کی ہے لیکن وہ جمہور ائمہ رجال کے ہاں ثقہ ہیں۔ چنانچہ

(۱) امام ابوہشام رفاعی فرماتے ہیں: وکان ثقۃ، (۲) امام ابوزرعہؒ فرماتے ہیں: صدوق کان لا یکذب (۳) ابواسامہ فرماتے ہیں: حدثنا ابو سعد وکان ثقة کہ ابوسعد نے ہم سے حدیث بیان کی اور وہ ثقہ تھے (۴) امام ساجیؒ فرماتے ہیں: صدوق، (۵) امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث

---

[1] السنن الکبریٰ للبیہقی (۲/۶۹۷) [2] اس روایت کے راویوں کے مختصر حالات ملاحظہ ہوں۔ نمبر ا۔ ابن فتحویہ الدینوری اور احمد بن اسحاق السنی کا تذکرہ روایت نمبر ے کے ذیل میں گزر چکا ہے۔ نمبر ۳۔ احمد بن عبداللہ ابوجعفر المز ار۔ امام یوسف فواسؒ نے ان کو اپنے ثقہ مشائخ میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح احمد بن محمد بن فضل الجراح نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ دیکھئے تاریخ بغداد (۴/۴۴۹، ۴۵۰) نمبر ۴۔ سعدان بن یزید: یہ امام ابوحاتمؒ اور ابن ابی حاتم وغیرہ بڑے بڑے محدثین کے استاد ہیں، امام ابوحاتم اور ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ: یہ صدوق راوی ہیں۔ حوالہ سابق (۹/۲۰۲) والجرح والتعدیل (۴/۲۹۰)۔

(۵) حکم بن مروان السلمی الکوفی۔ امام ابوحاتم ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔ لا بأس به، الجرح والتعدیل (۳/۱۲۹)

(۶) حسن بن صالح کا ترجمہ روایت نمبر ۳ میں گزر چکا ہے جبکہ ابوسعد البقال کا ترجمہ اوپر کتاب میں مذکور ہے۔ الغرض یہ روایت صحیح یا کم از کم حسن ضرور ہے۔ [3] دیکھئے "الجوہر النقی" (۲/۶۹۷) فی رد علی البیہقی۔

لکھی جاسکتی ہے۔(۶)امام ابوداؤدفرماتے ہیں:اقرأ الناس کہ لوگوں میں سب سے بڑے قاری ہیں۔ (۷)امام عقیلیؒ اور امام ہیثمی فرماتے ہیں کہ:وثقهٗ وکیع کہ امام وکیع نے ابوسعد کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (۸)حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شریک نخعیؒ سے پوچھا کہ آپ ابوسعد البقال کو پہچانتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا:اعرفه عالی الاسناد میں ابوسعد کو پہچانتا ہوں۔وہ اونچی سند والے ہیں(۹)علامہ ہیثمی فرماتے ہیں:هو ثقة مدلس ۱۔(۱۰)علامہ منذریؒ لکھتے ہیں:ابو سعد وقد وثق یعنی ابوسعد کی توثیق کی گئی ہے ۲۔(۱۱)امام ابن جریر طبریؒ نے اپنی تاریخ میں متعدد مقامات پر ابوسعد البقال کی مختلف روایات کو صحیح قرار دیا ہے ۳۔(۱۲)امام ترمذیؒ نے بھی اپنی جامع میں مختلف مقامات پر ان کی احادیث کو حسن کہا ہے ۴۔(۱۳)حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی فتح الباری ۵ میں ابوسعد کی ایک حدیث کو حسن کہا ہے۔(۱۴)ابوسعد البقال امام بخاری کے ہاں بھی ثقہ ہیں۔چنانچہ امام ترمذی نے اپنی کتاب العلل الکبیر میں اپنے استاذ امام بخاری سے ابوسعد کے بارے میں مقارب الحدیث ہونا نقل کیا ہے ۶۔مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ:لفظ مقارب الحدیث ہر حال میں الفاظ تعدیل اور توثیق میں سے ہے ۷۔خود امام بخاریؒ نے اپنی کتاب ادب المفرد میں ان سے روایت بھی لی ہے۔چنانچہ حافظ ابوالحجاج مزیؒ ابوسعد بقال کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:روی له البخاری فی الا دب والترمذی وابن ماجة ۸۔معلوم ہوا کہ ابوسعد بقال امام بخاری کے نزدیک بھی ثقہ ہیں اور ان سے ابوسعد کے بارے میں جو منکر الحدیث ہونا نقل کیا جاتا ہے۔وہ غلط ہے۔ کیونکہ جس راوی کو امام بخاری مقارب الحدیث کہہ کر اس کی توثیق کر رہے ہیں اور ان سے روایت بھی بیان کرتے ہیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ امام بخاری اس کو منکر الحدیث کہہ دیں۔حالانکہ حافظ عبداللہ روپڑی صاحب غیر مقلد نے تصریح کی ہے کہ:امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ جس کے حق میں میں منکر الحدیث کہہ دوں

۱ دیکھئے''تھذیب الکمال''(۲۹۰/۷)''تھذیب التھذیب''(۷۱/۴)''مجمع الزوائد''(۱۰۸/۲)،(۳۳۸/۱)
۲ الترغیب والترھیب(۸۰/۴) ۳ مثلاً تاریخ طبری(۲۹،۲۸،۲۵،۱۱/۱)،بحوالہ معارف السنن(۲۱۲/۲) ۴ مثلاً دیکھئے جامع الترمذی(۱۷۵/۲)باب ماجاء فی الدعاء اذااصبح واذاامسیٰ ۵ (۱۸۶/۶) ۶ نصب الرایۃ (۳۶۶/۴) ۷ مقدمہ تحفۃ الاحوذی(ص۱۹۵) ۸ تھذیب الکمال(۲۹۱/۷)

اس سے روایت لینی حلال نہیں ہے [1]۔

لھذا امام بخاری کی طرف اس جرح کی نسبت غلط ہے اور اگر اس جرح کی نسبت ان کی طرف صحیح بھی ہو تو مولانا ارشاد الحق اثری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: ایک ہی امام کے قول میں اختلاف ہو تو ترجیح توثیق کو ہوتی ہے [2]۔ لھذا اثری صاحب کی تصریح کے مطابق ابو سعد بقال کے بارہ میں امام بخاریؒ کی توثیق ہی راجح ہے۔ (۱۵) ابو سعد بقال امیر المؤمنین فی الحدیث امام شعبہؒ کے نزدیک بھی ثقہ ہیں کیونکہ انھوں نے اس سے روایت لی ہے [3]۔ اور حدیث نمبر ا کے ذیل میں ابراہیم ابوشیبہ کے تذکرہ میں متعدد علمائے غیر مقلدین کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ امام شعبہ صرف ثقہ راوی سے ہی روایت لیتے ہیں۔ (۱۶) امام حاکمؒ نے ابوسعد بقال کو کوفہ کے اُن ثقہ اور مشہور ائمہ حدیث میں شمار کیا ہے جن کی احادیث مشرق سے لیکر مغرب تک بطور تبرک جمع کی جاتی ہیں [4]۔

ان ٹھوس حوالہ جات سے ثابت ہو گیا کہ ابوسعد البقال (سعد بن مرزبان العبسی الکوفی) جمہور کے ہاں ثقہ اور صدوق ہیں۔ رہا ان کا مدلس ہونا تو اس کا جواب یہ ہے کہ عمرو بن قیس جو سابقہ روایت کے راوی ہیں اور نہایت ثقہ اور غیر مدلس ہیں، انہوں نے ابوسعد کی متابعت کی ہے۔ اور جب مدلس راوی کی کوئی ثقہ راوی متابعت کر دے تو مدلس کی عن والی روایت قابل قبول ہو جاتی ہے [5]۔ خود غیر مقلدین حضرات مولانا عبدالرحمن مبارکپوری [6] مولانا محمد گوندلوی صاحب اور حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس کی تصریح کی ہے [7]۔

لھذا ابوسعد کے مدلس ہونے کیوجہ سے اس روایت کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور یہ روایت بالکل صحیح ہے۔

تلك عشرة كاملة

---

[1] رفع یدین اور آمین (ص ۳۲) [2] ''توضیح الکلام'' (۵۳۴/۱) [3] تھذیب الکمال (۲۸۹/۷)
[4] معرفت علوم الحدیث (ص ۳۲۷) [5] دیکھئے شرح نخبۃ الفکر (ص ۹۱) مطبوع فاروقی کتب خانہ ملتان
[6] دیکھئے مقدمہ تحفۃ الاحوذی (ص ۱۹۳) [7] خیر الکلام (ص ۱۶۱)، نور العینین (ص)

چندروایات بطور شواہد:۔ مذکورہ دس روایات دور خلافت راشدہ سے متعلق بیس تراویح کے اثبات میں بطور اصل اور استدال کے تھیں۔ اب ان کی تائید اور استشہاد میں چند روایات ذکر کی جاتی ہیں۔ چونکہ یہ روایات بطور تائید اور متابعت کے ہیں، اس لیے ان کی اسناد پر تحقیق نہیں کی جائے گی اور نہ ان پر وارد کسی اعتراض کا جواب دیا جائے گا۔ کیونکہ اگر یہ روایات بالفرض ضعیف بھی ہوں تب بھی ان کو سابقہ صحیح روایات کی تائید میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد مولانا محمد گوندلوی صاحب ایک مقام پر چند روایات بطور متابعت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ان روایات کے بعض راوی اگرچہ ضعیف ہیں مگر متابعت میں ذکر کرنے سے کوئی حرج نہیں [1]۔

پہلی روایت بطور شاہد: عن ابی بن کعب ؓ ان عمر ؓ بن الخطاب امرہ ان یصلی باللیل فی رمضان فقال ان الناس یصومون النھار ولا یُحْسِنُوْنَ ان یقرأوا فلو قرأت علیھم باللیل فقال یاامیرالمؤمنین ھذاشئ لم یکن فقال قد علمت ولکنہ حسن فصلی بھم عشرین رکعۃ [2]۔

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب ؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب ؓ نے ان کو حکم دیا کہ وہ رمضان میں رات کے وقت نماز (تراویح) پڑھایا کریں، حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ لوگ دن کو روزہ رکھتے ہیں لیکن اچھی طرح قرآن مجید پڑھنا نہیں جانتے، پس کاش! تم رات کے وقت ان کو (تراویح میں) قرآن سناتے۔ حضرت ابی بن کعب ؓ نے عرض کیا: اے امیرالمؤمنین یہ ایک ایسی چیز ہے جو پہلے نہیں تھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تو مجھے بھی معلوم ہے لیکن یہ ایک اچھی چیز ہے چنانچہ حضرت ابی بن کعب ؓ نے لوگوں کو بیس رکعات (تراویح) پڑھائیں۔

دوسری روایت: عن محمد بن کعب ؓ کان الناس یصلون فی زمان عمر ؓ بن الخطاب فی رمضان عشرین رکعتہ یطیلون فیھا القراء ۃ ویوترون بثلاث [3]۔

ترجمہ: حضرت محمد بن کعب قرظیؒ سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمر ؓ کے زمانہ خلافت میں بیس رکعات

[1] خیرالکلام (ص۲۳۳) [2] کنزالعمال (۸/۴۰۹) [3] قیام اللیل (ص۱۵۷)

(تراویح) پڑھا کرتے تھے اور ان میں لمبی قرأت کرتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے۔

تیسری روایت: حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: وروی مالك من طريق يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد عشرين ركعة [1]۔ قاضی محمد شوکانی" غیر مقلد لکھتے ہیں: وفی الموطا من طريق يزيد بن خصيفه عن السائب بن يزيد انهاعشرون ركعة [2]۔

ترجمہ: امام مالک نے مؤطا میں یزید بن خصیفہ" کے واسطہ سے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ تراویح (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں) بیس رکعتیں تھیں۔

﴿ف﴾ مولانا عبد المنان نور پوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: اس اثر کو مؤطا امام مالک، موطا امام محمد اور سنن کبریٰ للبیہقی میں تلاش کیا مگر ان سب کتب میں سے کسی ایک میں بھی نہیں پایا۔ لیکن کہا جا سکتا ہے کہ موطا کے نسخے سولہ ہیں۔ متداول نسخہ میں نہیں تو کیا بات ہوئی الخ [3]۔

چوتھی روایت: عن علی رضی اللہ عنہ انه امر الذی يصلی بالناس صلوة القيام فی شهر رمضان ان يصلی بهم عشرين ركعة۔ [4]

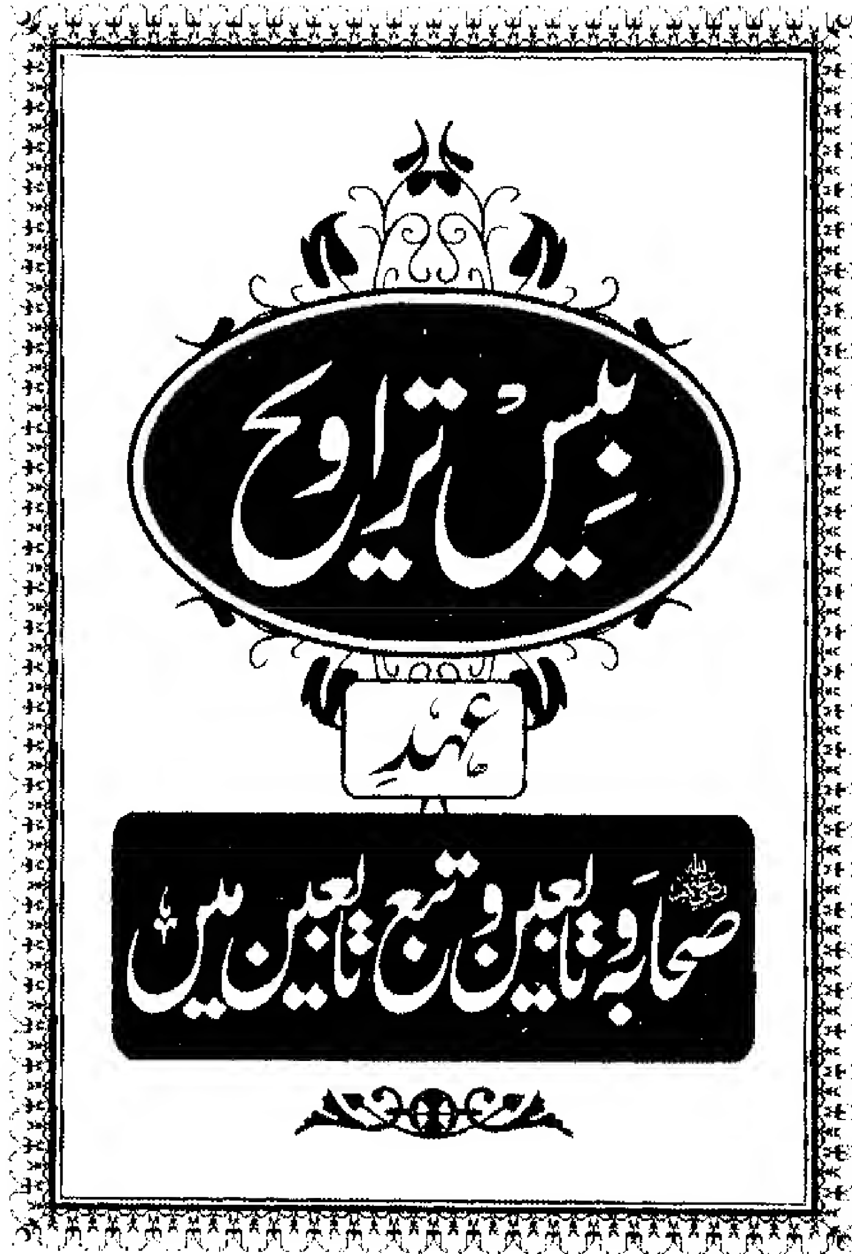
ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو جو رمضان المبارک میں نماز تراویح پڑھاتے تھے، حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات (تراویح) پڑھائے۔



---

[1] فتح الباری (۴/) [2] نیل الاوطار (۵۳/۳) [3] تعداد تراویح (ص ۶۱)

[4] مسند زید بن علی (ص ۱۳۹)


بیس تراویح
عہد
صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین و تبع تابعین میں

حضرات خلفائے راشدین ﷺ کے عہد سے متعلق روایات کے بعد اب دیگر صحابہ کرام ﷺ، تابعین اور تبع تابعین عظام کے کچھ آثار ذکر کیے جاتے ہیں۔ صحابہ کرام ﷺ کے آثار تو بلا شک حجت شرعیہ ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے خود اپنے ان جانثاروں کے راستے پر چلنے کی تلقین اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ان بنی اسرائیل تفرقت علیٰ ثنتین وسبعین ملة وتفرق امتی علیٰ ثلاث وسبعین ملة کلھم فی النار الا ملة واحدة قالوا من ھی یارسول الله ؟قال ما انا علیه واصحابی [1]۔

ترجمہ: بنی اسرائیل بہتر (۷۲) فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ یہ سب کے سب فرقے دوزخ میں جائیں گے مگر صرف ایک فرقہ: ۔صحابہ کرام ﷺ نے آپ ﷺ سے پوچھا وہ کون سا فرقہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ لوگ جو میرے اور میرے صحابہ ﷺ کے طریقہ پر کاربند رہے۔

غیر مقلدین کے محدث اعظم حافظ عبداللہ روپڑی صاحب لکھتے ہیں: اقوال صحابہ ﷺ سے استدلال کرنا ٹھیٹھ اسلام میں داخل ہے [2]۔ مولانا اسماعیل سلفی صاحب تحریر کرتے ہیں: بے شک اہل حدیث قرآن وسنت کے ساتھ صحابہ کرام ﷺ اور سلف صالحین کے اقوال کو بھی اسلام کے اصول میں سے ایک اصل شمار کرتے ہیں [3]۔

صحابہ کرام ﷺ کے بعد تابعین اور اتباع تابعین کے آثار حجت شرعیہ کا درجہ رکھتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ ﷺ کے بعد تابعین اور پھر انکے بعد اتباع تابعین کے نقش قدم پر چلنے کی وصیت فرمائی ہے چنانچہ حضرت عمر فاروق ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اوصیکم باصحابی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم [4]۔

---

[1] ترمذی (۸۹/۲) [2] ضمیمہ اہل حدیث (ص ۳) بحوالہ راہ سنت (ص ۳۸) [3] حرکۃ انطلاق الفکری (ص ۱۵۳) [4] مستدرک حاکم (۱۱۴/۱)۔

ترجمہ: میں تمہیں اپنے صحابہ کے (نقش قدم پر چلنے کی) وصیت کرتا ہوں پھر ان لوگوں کے بارے میں جو ان سے ملیں گے یعنی تابعین کرام، پھر ان کے بارے میں جو ان سے ملیں گے یعنی اتباع تابعین۔

امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط پر (صحیح) ہے۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام ؓ کے آثار کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے آثار یکے بعد دیگرے حجت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین عظام اور فقہائے کرام اپنی اپنی کتب میں صحابہ ؓ کے آثار کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے آثار ذکر کرنے کا التزام کرتے ہیں اور ان سے حجت پکڑتے ہیں۔ مثلاً امام المحدثین حضرت امام بخاریؒ جن کی کتاب صحیح بخاری جو کتاب اللہ کے بعد سب سے معتز اور مھتم بالشان کتاب شمار ہوتی ہے۔، میں تابعین اور تبع تابعین کے آثار کو بڑی کثرت کے ساتھ پیش فرماتے ہیں۔ مثلاً باب مایقع من النجاسات من السمن والماء کے تحت متعدد تابعینؒ کے آثار اپنے مدعیٰ کے اثبات میں پیش کئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: وقال الزھری لاباس بالماء مالم یضرہ طعم اوریح اولون، وقال حماد لاباس بریش المیتة، وقال الزھری فی عظام الموتیٰ نحو الفیل وغیرہ ادرکت ناسامن سلف العلماء یمتشطون بھا و یدھنون فیھا لا یرون بہ باسا، وقال ابن سیرین، وابراھیم لاباس بتجارة العاج [1]۔

مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں: جس طرح صحیح بخاری قال الحسن البصری سے بھری پڑی ہے اسی طرح وقال ابراہیم النخعی سے بھی بھری پڑی ہے [2]۔

پس جب رسول اللہ ﷺ بھی صحابہ ؓ، تابعین اور تبع تابعین کے نقش قدم پر چلنے کی وصیت اور تاکید فرما گئے ہیں اور تمام محدثین اور فقہاء ان کے آثار کو حجت گردانتے ہیں تو پھر آج کے دور میں کچھ لوگ اگر یہ دعویٰ کر بیٹھیں کہ ان تینوں جلیل القدر طبقوں کے آثار کی کچھ وقعت نہیں ہے تو یہ دعویٰ صرف اور صرف ''چھوٹا منہ بڑی بات'' کا ہی مصداق ہے، اب وہ آثار ملاحظہ کریں جن میں صحابہ کرام ؓ تابعین اور تبع تابعین کے بیس رکعات پڑھنے کا ذکر ہوگا۔

---

[1] صحیح بخاری (۱/۳۷) [2] تاریخ اہل حدیث (ص ۱۲۹)

اثر نمبر ۱:۔ امام محمد بن نصر مروزی فرماتے ہیں: اخبرنا یحییٰ بن یحییٰ اخبرنا حفص بن غیاث عن الاعمش عن زید بن وھب قال کان عبداللہ بن مسعود یصلی لنافی شھر رمضان فینصرف و علیہ لیل قال الاعمش کان یصلی عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث ۱؎۔

ترجمہ: حضرت اعمشؒ، حضرت زید بن وھبؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہم کو رمضان المبارک میں نماز (تراویح) پڑھاتے تھے اور ہم جب فارغ ہوکر واپس لوٹتے تھے تو ابھی رات باقی ہوتی تھی حضرت اعمش (جن کے بارے میں امام قاسم بن عبدالرحمن کہتے ہیں: ھو اعلم الناس بقول عبداللہ بن مسعودؓ ۲؎۔ کہ اعمش حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اقوال کو سب لوگوں سے زیادہ جاننے والے ہیں) یہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔

اس روایت کے سارے راوی ثقہ ہیں ۳؎۔ مشہور غیر مقلد ناقد شیخ البانی اس روایت کے بارے

۱؎ قیام اللیل (۹۱) عمدۃ القاری (۲۴۶/۸) ۲؎ تاریخ بغدادی (۱۱/۹)

۳؎ اس روایت کے سارے راوی بالاتفاق ثقہ ہیں۔ پہلے راوی امام محمد بن نصر المروزی قیام اللیل کے مصنف ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: الفقیہ ثقۃ حافظ امام جبل۔ تقریب (۲/۱۴۰)۔ دوسرے راوی یحییٰ بن یحییٰ بن بکیر التمیمی النیسابوری صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کے راوی ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقۃ ثبت امام، تقریب (۲/۳۱۸)۔ تیسرے راوی حفص بن غیاث بھی ثقہ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ امام ابن معین، امام عجلیؒ، امام ابن نمیر، امام ابو حاتم، امام نسائی اور امام ابن مہدی وغیرہ نے ان کی زبردست توثیق کی ہے۔ امام یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں: اوثق اصحاب الاعمش حفص بن غیاث، کہ اعمش کے شاگردوں میں حفص بن غیاث سب سے زیادہ ثقہ ہیں دیکھئے تھذیب التھذیب (۲/۳۱۶) اور ان کی یہ روایت بھی اعمش سے ہے۔ چوتھے راوی حفص بن غیاث نخعی کے استاذ سلیمان بن مہران بھی بالاتفاق ثقہ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ امام شعبہؒ، امام عجلی، امام وکیع، امام یحییٰ بن معین وغیرہ سب محدثین آپ کی تعریف اور توثیق کرتے ہیں۔ دیکھئے تھذیب (۴/۲۲۲)، پانچویں راوی حضرت زید بن وہب حضرات خلفائے راشدین، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ وغیرہ صحابہ کرامؓ کے شاگرد اور بالاتفاق ثقہ تابعی ہیں۔ تھذیب (۳/۴۲۷)

میں لکھتے ہیں کہ: اس اثر کی سند اعمش تک صحیح ہے ۱؎۔ البتہ غیر مقلدین کی طرف سے اس روایت پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ روایت منقطع ہے۔ کیونکہ حضرت اعمشؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو نہیں پایا، ان کی ولادت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وفات کے بعد ہوئی۔ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے محدث شہیر حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمیؒ تحریر فرماتے ہیں: زید بن وہب حضرت ابن مسعودؓ کے اصحاب میں سے ہیں بلکہ انھوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بھی حدیث سنی ہے۔ لھذا یہ روایت متصل ہے مگر چونکہ بیس رکعات کا ذکر باقی حصہ سے الگ کر کے یوں کیا گیا ہے کہ: قال الاعمش الخ اس لیے ہم نے اس روایت کو مرسل روایتوں کے ضمن میں ذکر کیا ہے مگر اس کا مرسل ہونا مضر نہیں۔ اس لیے کہ ابن مسعودؓ کے اصحاب خاص (شتیر بن شکل، ابن ابی ملیکہ، سوید بن غفلہ وغیرہم ۔ ناقل) کے عمل سے اعمش کے بیان کی زبردست تائید ہوتی ہے اور مرسل اعتضاد کے بعد مقبول ہو جاتا ہے دیکھئے صحیح البخاری میں حدیث آمین کے آخر میں ہے: قال ابن شھاب اکان رسول اللہ ﷺ یقول آمین ،، یہ ٹکڑا مرسل ہے۔ مگر ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے: وھو وان کان مرسلا فقد اعتضد بصنیع ابی ھریرہؓ راویہ ۔ یعنی یہ ٹکڑا اگرچہ مرسل ہے مگر اس کو راوی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کے عمل سے مضبوطی اور تقویت حاصل ہے ۲؎۔ لھذا یہاں بھی اگرچہ ابن مسعودؓ کی نسبت اعمش کا بیان مرسل ہے مگر اعمش کے بیان کی پرزور تردید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کے اصحاب خاص شتیر بن شکل اور سوید بن غفلہ نیز ان کے اصحاب خاص کے شاگرد ابوالبختری بیس رکعت پڑھتے تھے ۳؎۔

۱؎ حاشیہ صلوۃ التراویح (ص ۷۱) ۲؎ حافظ ابن حجرؒ کے اس قول سے غیر مقلدین کا یہ شبہ بھی دور ہو گیا کہ اعمش کی مرسل روایت اعتضاد کے بعد بھی مقبول نہیں کیونکہ کہ وہ صغار تابعین میں سے ہیں اور مرسل معتضد صرف کبار تابعین کی حجت ہے، مصلہ انوار المصابیح (ص ۲۸۲) اس شبہ کے ازالہ کی تفصیل یہ ہے کہ ابن شہاب زہری جو کبار تابعین میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ طبقہ رابعہ میں سے ہیں (تقریب (۲/۱۳۳) جن کے متعلق مولانا نذیر رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں: چوتھا طبقہ وہ ہے جو تابعین کے طبقہ وسطی کے قریب ہے۔ انوار المصابیح (ص ۲۸۰)۔ اب جب زہری کبار تابعین میں سے نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود حافظ ابن حجرؒ جو شافعی المسلک ہیں، ان کے نزدیک زہری کی مرسل روایت اعتضاد کے بعد مقبول ہے تو پھر اعمش کی مرسل معتضد روایت کیوں مقبول نہیں؟ ۳؎ رکعات تراویح (۶۷)

اس روایت پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اعمش مدلس ہے اور مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے اور یہ روایت بھی اعمش نے عن کے ساتھ بیان کی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابھی اعتراض نمبرا کے جواب میں گزرا ہے کہ ہمارا استدال اس روایت کے اس ٹکڑے سے ہے جو اعمش کا اپنا بیان ہے کہ حضرت ابن مسعود ﷛ بیس رکعات پڑھاتے تھے اور جوانھوں نے اپنے استاد زید بن وھب سے عن کے ساتھ روایت بیان کی ہے وہ ہمارا مستدل ہی نہیں ہے لھذا یہ اعتراض ہی فضول ہے۔

نیز علامہ خطیبؒ لکھتے ہیں: و کان عامة حديث الاعمش عند حفص بن غياث على الخبر والسماع [1]۔ یعنی امام اعمش کی اکثر روایات جو حفص بن غیاث نے روایت کی ہیں وہ خبر اور سماع پر محمول ہیں۔ اور یہ مذکورہ روایت بھی اعمش سے حفص بن غیاث نے ہی بیان کی ہے۔

اثر نمبر۲: امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں: حدثنا ابن نمير [2] عن عبدالملك [3] عن عطاء قال ادركت الناس وهم يصلون ثلاثا وعشرين ركعته بالوتر [4]۔

ترجمہ: حضرت عطاء بن ابی رباحؒ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے (صحابہ کرام ﷡ اور تابعین عظام) کو وتر سمیت تیئیس (۲۳) رکعات تراویح پڑھتے پایا ہے۔

علامہ نیمویؒ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: اس کی سند حسن ہے [5]۔

﴿ف﴾ اس اثر کے مرکزی راوی حضرت عطاء بن ابی رباح عظیم فقیہ اور جلیل القدر تابعی ہیں ان کی جن حضرات سے ملاقات ہوئی وہ صحابہ کرام ﷡ اور تابعین عظام تھے۔ چنانچہ مولانا مبارک پوری صاحب نے خود ان کا اپنا بیان نقل کیا ہے۔ حضرت عطاء خود فرماتے ہیں کہ میں نے دوسو اصحاب ﷡ رسول ﷺ کی

---

[1] تاریخ بغداد (۱۹۵/۸) [2] عبداللہ بن نمیر الھمد انی الکوفی ثقہ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ حافظ ابن حجر ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ثقة صاحب حديث من اهل السنة، تقریب (۵۴۲/۱)۔ [3] عبدالملک بن ابی سلیمان: یہ صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں ان سے معلق روایات لی ہیں۔ امام یحییٰ بن معینؒ، امام احمد، امام نسائی، امام عجلی، امام ابن سعد اور امام ترمذی وغیرہ نے انہیں ثقہ اور حافظ قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے بھی ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ امام ابوزرعہ نے ان کے بارے میں ما بأس به اور سفیان ثوری نے ثقہ، متقن اور فقیہ فرمایا ہے۔ دیکھئے تھذیب التھذیب (۳۹۶/۶، ۳۹۷) [4] مصنف ابن ابی شیبہ (۲۸۵/۲) [5] آثار السنن (ص ۲۵۳)

زیارت کی ہے [۱]۔ آپ کا مرتبہ فقہ میں اتنا بلند تھا کہ حضرت ابن عباس ﷺ، حضرت ابن عمر ﷺ اور حضرت ابوجعفر (امام باقرؒ) فرمایا کرتے تھے: اے لوگو! تم ہمارے پاس مسائل پوچھنے آجاتے ہو، حالانکہ تم میں عطاء بن ابی رباح موجود ہیں۔ امام ابن حبان اور حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں: عطاء فقہ، علم، تقوٰی، اور فضیلت کے لحاظ سے سب تابعین کے سردار ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے تھے کہ میں جن لوگوں سے ملا ہوں ان میں عطاء بن ابی براح سے بہتر کسی کو نہیں پایا آپ کی وفات ۱۱۴ھ میں ہوئی [۲]۔

اب اس جلیل القدر تابعی نے اپنی پوری زندگی میں صحابہ ﷺ اور تابعین کو صرف بیس رکعات تراویح اور تین وتر ہی پڑھتے پایا ہے۔

اثر نمبر۳:۔ ابو یوسف: قال حدثنا ابو حنیفة عن حماد عن ابراہیم ان الناس کانوا یصلون خمس ترویحات فی رمضان [۳]۔

ترجمہ:۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ہم سے حضرت حمادؒ کے واسطہ سے حضرت ابراہیم نخعیؒ سے روایت بیان کی ہے لوگ (یعنی صحابہ کرام ﷺ اور تابعین عظام) رمضان المبارک میں پانچ ترویحے (یعنی بیس تراویح) پڑھا کرتے تھے۔

اس اثر کی سند سلسلۃ الذہب یعنی سونے کی ایک لڑی ہے۔ اس سند کے چاروں راوی مشہور ائمہ کرام اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے فقہاء اور محدثین ہیں، ان میں آخر الذکر تین تو جلیل القدر تابعین ہیں اور چوتھے کبار تبع تابعین میں سے ہیں۔ ان حضرات کی توثیق اور تعدیل بیان کرنے کی تو ضرورت ہی نہیں کیونکہ ان کی ثقاہت اور عدالت تو چڑھتے سورج سے بھی زیادہ روشن اور ظاہر ہے۔ البتہ بطور تبرک ان چاروں ہستیوں کا مشہور ائمہ رجال سے مختصر مختصر تذکرہ اور توثیق ہدیہ ناظرین ہے۔

﴿۱﴾ امام ابو یوسفؒ: امام ابوحنیفہؒ کے سب سے بڑے شاگرد اور اسلام کے پہلے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے۔ امام ابن کامل فرماتے ہیں کہ امام یحیٰی بن معینؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام علی بن مدینیؒ ان سب کبار ائمہ رجال کا اس پر اتفاق ہے کہ امام ابو یوسف ثقہ ہیں [۴]۔ نیز امام ابن معین آپ کو صاحب

---

[۱] تحفۃ الاحوذی ( ) [۲] مصلہ تھذیب الکمال (۱۳/ ۴۹، ۵۰) تھذیب التھذیب (۷/ ۱۸۲) میزان الاعتدال (۳/ ۷۰)، تحفۃ الاحوذی ( ) [۳] کتاب الآثار بروایۃ الامام ابی یوسف (ص ۴۱) [۴] تاریخ بغداد (۱۴/ ۲۴۶)

محدثین اور صاحب سنن لکھتے ہیں۔ امام نسائی اور امام بیہقی آپ کو ثقہ کہتے ہیں ۱۔

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ امام ابو یوسف حافظ اور کثیر الحدیث تھے ۲۔

امام ابو حاتم، امام ابن حبان، امام ابن عدی، امام محمد بن صباح اور امام مزنی وغیرہ نے بھی آپ کی توثیق کی ہے ۳۔

﴿۲﴾ سراج الامہ امام ابو حنیفہؒ۔ آپ کی جلالت شان، علم، فقاہت، تقویٰ، اور ثقاہت بیان کرنے میں تمام ائمہ محدثین وفقہاء اور مورخین رطب اللسان ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ: تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کے عیال ہیں ۴۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: سبحان اللہ امام ابو حنیفہؒ تو علم، ورع، زہد وتقوی اور دار آخرت کو اختیار کرنے میں اس مقام کو حاصل کر چکے ہیں جس کو کوئی نہیں پا سکتا ۵۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ ایسے شخص تھے کہ اگر تم سے اس ستون کے متعلق گفتگو کریں کہ یہ سونے کا ہے تو وہ یقینا ایک مضبوط دلیل سے ثابت کر دکھائیں گے ۶۔ مشہور محدث امام سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں: میری آنکھ نے ابو حنیفہؒ کی طرح کوئی نہیں دیکھا ہے ۷۔

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے امام ابو حنیفہؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ سے نہ ملایا ہوتا تو میں بدعتی ہوتا ۸۔ امام بخاریؒ کے استاذ الاستاذ امام یزید بن ہارون فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔ امام الرجال یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: امام ابو حنیفہؒ نہایت عادل اور ثقہ ہیں، ایسے شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس کی ابن المبارک اور وکیع نے توثیق کی ہے ۹۔

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: ابو حنیفہؒ، امام الاعظم، فقیہ العراق، امام متورع، عالم، عامل اور کبیر الشان تھے ۱۰۔ مشہور غیر مقلد محقق نواب صدیق حسن خان بھی آپ کو امام اعظم کے نام سے یاد کرتے تھے ۱۱۔

---

۱ تذکرۃ الحفاظ (۱/۲۱۴) ۲ تاریخ ابن خلکان (۲/۳۰۳) ۳ لسان المیزان (۶/۳۹۰) ۴ تاریخ بغداد (۱۳/۳۴۶)
۵ مناقب الامام ابی حنیفۃ للذھبیؒ (ص ۲۷) ۶ اکمال فی اسماء الرجال (ص ۲۷) ۷ ایضاً ۸ مناقب الامام للذہبی (ص ۱۸) ۹ ''مناقب للکردی'' (ص ۱۰۱) ۱۰ تذکرۃ الحفاظ (۱/۱۵۸) ۱۱ دیکھئے تقصار جیوو الاجرار (ص ۹۳)

مولانا مبارک پوری صاحب اپنی کتاب تحقیق الکلام اور مولانا صادق سیالکوٹی صاحب صلوۃ الرسول میں جابجا امام صاحب کو امام اعظم کے لقب سے یاد کرتے ہیں [1]۔ مشہور مورخ اور محقق علامہ ابن الندیمؒ لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ تابعین میں سے ہیں کیونکہ انہوں نے کئی صحابہ ﷺ سے ملاقات کی ہے [2]۔ علامہ خوارزمیؒ لکھتے ہیں کہ: علماء کا اس پر اتفاق ہے امام صاحبؒ نے صحابہ کرام ﷺ سے روایات نقل کی ہیں لیکن ان کی تعداد میں اختلاف ہے [3]۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ: امام صاحب نے حضرت عبداللہ بن اوفیٰ اور حضرت انس ﷺ سے ملاقات کی ہے [4]۔

علامہ خطیبؒ اور حافظ مزیؒ نے بھی تصریح کی ہے کہ امام صاحب کو حضرت انس ﷺ سے شرف ملاقات حاصل ہے [5]۔ حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ: امام صاحب نے حضرت انس ﷺ سے کئی بار ملاقات کی تھی [6]۔ حافظ عراقیؒ نے بھی آپ کو تابعین میں شمار کیا ہے [7]۔

ان محققین کے علاوہ دیگر محققین مثلاً علامہ ابن حجر مکیؒ، امام عبداللہ بن مبارکؒ، امام ابن جوزی اور امام سیوطی وغیرہ نے بھی امام صاحبؒ کے تابعی ہونے کی تصریح کی ہے۔ امام عبداللہ بن مبارک اپنی نظم میں امام صاحب کی مدح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کفی نعمان فخرا ما رواہ　　من الاخبار عن غرر اصحابہ

یعنی امام ابوحنیفہ النعمان کے فخر کیلئے یہی کافی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے بڑے بڑے صحابہ ﷺ سے روایات نقل کی ہیں [8]۔

﴿۳﴾ امام حماد کوفیؒ:۔ امام حماد بن ابی سلیمان امام ابوحنیفہؒ، امام سفیان ثوری اور امام اعمش وغیرہ بڑے بڑے محدثین اور فقہاء کے استاذ اور مشہور فقیہ اور ثقہ تابعی ہیں آپؒ نے حضرت انس ﷺ بن مالک ”جو رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص تھے، سے سماعت اور روایت حدیث کی ہے۔ تمام ائمہ رجال اور محدثین آپ کی توثیق اور جلالت شان کے معترف ہیں۔ امام ابواسحاق شیبانیؒ اور امام معمرؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے

---

[1] مثلاً دیکھئے تحقیق الکلام (۱/۵، ۱۱۰) (۲/۸۲) وصلوۃ الرسول (ص ۱۲۰، ۱۹۷، ۴۴۳ وغیرہ) [2] فہرست (۱/۲۹۸)
[3] تنسیق النظام (ص ۱۰) [4] ایضاً [5] تاریخ بغداد (۱۳/۳۲۵) تھذیب الکمال () [6] تذکرۃ الحفاظ (ص ۱/۱۲۶)
[7] دیکھئے التقیید والایضاح (ص ۳۳۲) [8] مقدمہ عمدۃ الرعایہ (ص ؟)

حماد ... بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔ امام یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں کہ: حماد مجھے مغیرہ سے بھی (جو بہت بڑے ثقہ امام ہیں۔ ناقل) زیادہ محبوب ہیں، امام الرجال یحییٰ بن معینؒ سے کسی نے پوچھا کہ مغیرہ اور حماد میں کون اثبت ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: حماد: نیز فرمایا کہ حماد ثقہ ہیں۔ امام شعبہ آپ کو صدوق اللسان کہتے ہیں [1]۔ مولانا عبدالرحمن مبارک پوریؒ صاحب لکھتے ہیں کہ: حماد بن ابی سلیمان بالاتفاق مقبول ہیں [2]۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں جابجا ان کے آثار کو ذکر فرمایا ہے [3]۔

بقول بعض علماء امام حماد آخر عمر میں عارضہ اختلاط میں مبتلا ہو گئے تھے لیکن وہ اس کے باوجود بھی امام نخعیؒ کی روایتوں میں خطاء نہیں کرتے تھے [4]۔ یہی وجہ ہے کہ امام دارقطنی ان کی ایک روایت جو حماد سے عبدالاعلیٰ بن ابی الشمار ور نے روایت کی ہے، کو صحیح حسن کہا ہے [5]۔ حالانکہ عبدالاعلیٰ بھی ان کے آخری تلانذہ میں سے ہیں معلوم ہوا کہ ان کی ابراہیم نخعی سے تمام روایات صحیح ہیں۔

﴿۴﴾ امام ابراہیم نخعیؒ: ۔مشہور فقیہ، تابعی اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ان کی توثیق، جلالت شان اور فقہی کمالات پر سب کا اتفاق ہے [6]۔

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں: امام نخعیؒ فقیہ العراق، صاحب اخلاص اور بلند مرتبت علماء میں سے تھے۔ اور وہ حدیث کو جاننے میں صراف اور نقاد تھے [7]۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ: ابراہیم ذکی (ذہین)، حافظ اور صاحب سنۃ تھے [8]۔ امام محمد بن سعد فرماتے ہیں کہ ابراہیم نخعیؒ بچپن میں حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے اور اصحاب رسول ﷺ حضرت زید بن ارقمؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت انسؓ بن مالک سے سماعت حدیث بھی کی تھی [9]۔ امام عجلیؒ فرماتے ہیں کہ: انھوں نے اگرچہ کسی صحابیؓ سے حدیث بیان نہیں کی لیکن صحابہؓ کی ایک جماعت سے ملاقات ضرور کی ہے اور حضرت عائشہؓ کی بھی زیارت کی تھی [10]۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ: تمام

---

[1] محصلہ تھذیب الکمال (۵/۱۸۸تا۱۹۳) [2] ابکار المنن (ص۱۹۹) [3] مثلاً دیکھئے (۱/۳۷) باب مایقع من النجاسات من السمن والماء [4] دیکھئے تھذیب التھذیب (۳/۱۷) [5] سنن دارقطنی مع التعلیق المغنی (۲/۱۹۸) [6] تھذیب الاسماء واللغات (۴/۲۰۱) [7] تذکرہ الحفاظ (۱/۶۹) [8] سیر اعلام النبلاء (۵/۴۲۷)
[9] ایضاً (ص۴۲۹) [10] ایضاً

محدثین نے خواہ انھوں نے ابراہیم نخعی کی صحابہ کرام ؓ سے سماعت حدیث کا اقرار کیا ہو یا انکار، سب کے سب نے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے [1]۔ نیز قاضی محمد شوکانی غیر مقلد اور مولانا محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد نے بھی ان کو تابعین میں شمار کیا ہے [2]۔ امام ذہبیؒ نے آپ کو واسع الروایۃ اور امام ابن سعد نے کثیر الحدیث کہا ہے۔ امام عجلیؒ، امام ابوزرعہؒ اور امام نسائیؒ وغیرہ محدثین نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے [3]۔

﴿ف﴾ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ حسن بصریؒ، سعید بن المسیبؒ، ابراہیم نخعیؒ اور عطاء بن ابی رباحؒ یہ چاروں (تابعین) تمام شہروں کے امام ہیں اور جب یہ چاروں کسی مسئلہ پر متفق ہو جائیں تو پھر میں ان کے علاوہ کسی اور (کے قول) کی طرف توجہ نہیں کرتا اور نہ ان کی مخالفت کرنے والوں کی پرواہ کرتا ہوں [4]۔ بحمد اللہ تراویح کی بیس رکعات ہونے پر بھی یہ چاروں ائمہ کبار متفق ہیں۔ ابراہیم نخعیؒ اور حضرت عطاء بن ابی رباح کے آثار ابھی گزرے ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ کی روایت بھی ماقبل بیس تراویح عہد خلفائے راشدین میں گزر چکی ہے۔ سعید بن المسیبؒ کی ولادت حضرت عمر ؓ کے زمانہ خلافت کے دوسرے سال ۱۴ھ میں ہوئی۔ اور حضرت عمر ؓ اور ان کے بعد حضرت عثمان غنی ؓ کے دور خلافت میں مدینہ منورہ میں بیس رکعات تراویح پڑھی جاتی رہیں۔

اثر نمبر۴:۔ امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں: حدثنا وکیع [5] عن نافع بن عمرؒ [6] قال کان ابن ابی ملیکۃ یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعۃ [7]۔

ترجمہ:۔ حضرت نافع بن عمرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہؒ ہم کو رمضان المبارک میں بیس رکعات (تراویح) پڑھاتے تھے۔

علامہ نیمویؒ فرماتے ہیں کہ اس اثر کی سند صحیح ہے [8]۔

﴿ف﴾ حضرت عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ بڑے تابعین میں سے ہیں، یہ عبادلہ اربعہ (عبداللہ بن

---

[1] سیر اعلام النبلاء (۵/۴۲۷) [2] نیل الاوطار (۳/۳۲۰، ۳۳۳) التحقیق الراسخ (ص ۱۵۵) [3] سیر الاعلام (۵/۴۲۴)
[4] تھذیب الکمال (۱/۵۰) [5] حضرت وکیع کا ترجمہ روایت نمبر ۱ میں گزر چکا ہے۔ [6] حضرت نافع بن عمر بن عبداللہ الجمحیؒ صحاح ستہ کے راوی ہیں، حافظ ابن حجرؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقۃ ثبت، تقریب (۲/۲۳۸)۔
[7] مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۲۸۵) [8] آثار السنن (ص ۲۵۴)

عمر ﷺ، عبداللہ بن مسعود ﷺ، عبداللہ بن زبیر ﷺ عبداللہ بن عباس ﷺ) اور عبداللہ بن جعفر ﷺ حضرت ابو محذورہ ﷺ، حضرت عثمان غنی ﷺ، حضرت اسماءؓ، حضرت عائشہؓ حضرت ام سلمہؓ، اور عبداللہ بن سائب ﷺ مخزومی وغیرہ صحابہ کرام ﷺ کے شاگرد ہیں۔

امام ابن حبان کتاب الثقات میں فرماتے ہیں کہ: انھوں نے اسی صحابہ کرام ﷺ کی زیارت ہے اور یہ خود حضرت عطاء بن ابی رباحؒ، عبدالعزیز بن ابی رفیعؒ اور عمرو بن دینارؒ وغیرہ جلیل القدر تابعین کے استاد ہیں۔ نیز یہ حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ کے دور خلافت میں مکہ کے قاضی اور بیت اللہ کے مؤذن تھے اور حضرت سائب بن یزید صحابی ﷺ کی وفات کے بعد بیت اللہ کے امام مقرر ہوئے۔ تمام ائمہ رجال نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ان کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی اور ۱۱۷ھ تک تمام لوگ ان کی اقتداء میں بیس تراویح ہی پڑھتے رہے [۱]۔

اثر نمبر ۵:۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں: اخبرنا ابوزکریا [۲] بن ابی اسحاق، ثنا ابوعبداللہ [۳] محمد بن یعقوب، ثنا محمد بن عبدالوہاب [۴] ثنا جعفر [۵] بن عون، ثنا ابو الخصیب [۶] قال کان یؤمنا سوید بن غفلة فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعة [۷]۔

---

[۱] ان کے حالات کے لیے دیکھئے تھذیب التھذیب (۳۰۶/۵) [۲] ابوزکریا بن ابی اسحاق مزکی علامہ ذہبیؒ ان کو مسند نیشاپور لکھتے ہیں، تذکرۃ الحفاظ (۲۲۵/۳)۔ علامہ خطیبؒ لکھتے ہیں کہ: وہ ادیب، مؤرخ، کثیر العلوم تھے اور نیشاپور میں علم حدیث کا درس دیتے تھے، تاریخ بغداد (۲۳۹/۱۴) بحوالہ احسن الکلام (۱۲۸/۱)۔ علامہ ابن العماد لکھتے ہیں: شیخ العدالة ببلدہ کان صالحاً زاہداً ورعاً صاحب حدیث کابیہ، شذرات الذھب (۲۰۲/۳)۔

[۳] ابوعبداللہ نیشاپوری بالاتفاق ثقہ اور مشہور حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ حافظ ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: الامام الحافظ الکبیر و کان من أئمة هذا الشان، تذکرۃ الحفاظ (۵۵/۳) [۴] محمد بن عبدالوہاب بھی ثقہ اور حافظ الحدیث ہیں۔ دیکھئے تھذیب الکمال (۱۵/۱۷) وغیرہ [۵] جعفر بن عون المخزومی: امام ابن معین، امام احمد، امام ابوحاتم، امام ابن حبان، امام ابن شاہین، امام ابن قانع وغیرہ آئمہ رجال نے ان کو ثقہ اور صدوق کہا ہے تھذیب (۱۰۱/۲)۔

[۶] ابوالخصیب زیاد بن عبدالرحمن القیسی: امام ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے تھذیب (۳۷۹/۳)۔ اور مولانا مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ: ابن حبان کی توثیق عندالمحدثین معتبر ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف ابن حبان کی توثیق سے بھی جہالت ختم ہوسکتی ہے۔ تحقیق الکلام (۸۲/۱) [۷] السنن الکبریٰ للبیہقی (۴۹۶/۲)

ترجمہ: حضرت ابوالخصیبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام بن سوید غفلہؒ ہمیں رمضان المبارک میں بیس تراویح پڑھاتے تھے۔

علامہ نیمویؒ فرماتے ہیں کہ: اس اثر کی سند حسن ہے ۱؎ ۔

﴿ف﴾ حضرت سوید غفلہؒ کبار تابعین میں سے ہیں، یہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی مسلمان ہو گئے تھے لیکن شرف ملاقات سے محروم رہے جب یہ آپ ﷺ سے ملاقات کیلئے مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ کی وفات ہو چکی تھی اور صحابہ کرام ؓ آپ کو لحد میں اتار چکے تھے اس طرح یہ شرف صحابیت سے محروم رہ گئے۔ بعض محدثین نے ان کو صحابہ ؓ میں شمار کیا ہے، واللہ اعلم۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد انھوں نے خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام ؓ حضرت ابی بن کعب ؓ، حضرت ابوذر غفاری ؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ وغیرہم سے استفادہ کیا اور ان سے روایت حدیث کی تمام مشہور ائمہ رجال نے ان کی توثیق وتعریف کی ہے ۲؎۔ ان کی وفات ۸۱ھ میں کوفہ کے شہر میں ہوئی ۳؎۔ تمام لوگ ۸۱ھ تک حضرت سویدؒ کی اقتداء میں بیس تراویح پڑھتے رہے۔

اثر نمبر ۶:۔ امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں: ثنا الفضل ۴؎ بن دکین عن سعید بن عبید ۵؎ أنّ علی بن ربیعة کان یصلی بھم فی رمضان خمس ترویحات و یوتر بثلاث ۶؎ ۔

ترجمہ: حضرت سعید بن عبیدؒ سے روایت ہے کہ حضرت علی بن ربیعہ تابعی لوگوں کو پانچ ترویحات یعنی بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

علامہ نیمویؒ اس اثر کی سند کو صحیح کہتے ہیں ۷؎ ۔

﴿ف﴾ حضرت علی بن ربیعہ الاسدالکوفی حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ انھوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ، حضرت سلمان فارسی ؓ، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ اور

۱؎ آثار السنن (ص۲۵۳) ۲؎ محصلہ تھذیب التھذیب (۲۷۸/۴)، تذکرۃ الحفاظ (۵۲/۱) ۳؎ تقریب (۳۰۴/۱)

۴؎ فضل بن دکین کوفی ثقہ ثبت اور صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں نیز یہ امام بخاری کے بڑے شیوخ میں شمار ہوتے ہیں۔ تقریب (۱۱/۲) ۵؎ سعید بن عبید الطائی الکوفی بھی ثقہ اور بخاری ومسلم وغیرہ کے راوی ہیں، تقریب (۳۶۰/۱)

۶؎ مصنف ابن ابی شیبہ (۲۸۵/۲) ۷؎ آثار السنن (ص۲۵۴)

حضرت مرہ بن جندب رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہ کیا اور ان سے تربیت حاصل کی۔ امام ابن حبانؒ، امام ابن سعدؒ، امام عجلیؒ، امام ابن نُمیرؒ، امام نسائیؒ اور امام ابن معینؒ وغیرہ محدثین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ یہ کوفہ کے بڑے اور قدیم مشائخ میں سے تھے [1]۔

اثر نمبر ۷:۔ امام ابن ابوبکر بن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں:

حدثنا وكيع عن سفيان [2] عن ابى اسحاق [3] عن عبدالله بن قيس [4] عن شتير بن شكل انه كان يصلى فى رمضان عشرين ركعة والوتر [5]۔

ترجمہ: عبداللہ بن قیس سے روایت ہے کہ حضرت شتیر بن شکل رمضان المبارک میں بیس رکعات (تراویح) اور (تین) وتر پڑھاتے تھے۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ: اس اثر میں قوۃ ہے [6]۔

﴿ف﴾ حضرت شتیر بن شکل صحابی رسول اللہ حضرت شکل بن حمید العبسی الکوفیؒ کے صاحبزادے ہیں۔ انھوں نے اپنے والد حضرت شکل رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت حفصہؓ، حضرت ام حبیبہؓ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے اور یہ کوفہ میں حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خصوصی شاگرد اور ان کے تربیت یافتہ تھے۔ انھوں نے زمانہ جاہلیت بھی پایا تھا اور یہ ثقہ تابعی ہیں، بعض حضرات (امام ابوموسیٰ وغیرہ) نے ان کو صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار کیا ہے واللہ اعلم بالصواب۔ ان کی وفات حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوئی [7]۔

---

[1] ان کے حالات کیلئے دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۴/۴۸۹)، تھذیب التھذیب (۷/۳۲۰) وغیرہ [2] حضرت امام سفیان ثوریؒ بالاتفاق ثقہ امام ہیں۔ حافظ ابن حجر ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ثقہ حافظ، فقیہ، عابد امام حجۃ۔ تقریب (۱/۳۷۱)
[3] ابواسحاق سلیمان بن ابی سلیمان الشیبانی ثقہ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں، تقریب (۱/۳۸۶)۔ امام ابوحاتم، امام نسائی، امام ابن معین اور امام عجلیؒ وغیرہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ: یہ تمام محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، تھذیب (۴/۱۹۷)۔ [4] یہ ثقہ اور کبار تابعین میں سے ہیں۔ دیکھئے تھذیب التھذیب (۳/۲۳۵) [5] مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۲۸۵) [6] السنن الکبریٰ (۲/۴۹۶) [7] دیکھئے تھذیب التھذیب (۴/۱۱۱)

اثر نمبر ۸:امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں:حدثنا ابومعاویة [1] عن حجاج [2] عن ابی اسحاق [3] عن الحارث انه كان يؤم الناس فی رمضان بالليل بعشرين ركعة ويوتر بثلاث ويقنت قبل الركوع [4]۔

ترجمہ:حضرت ابواسحٰق سے مروی ہے کہ حضرت حارث اعورؒ رمضان المبارک میں رات کو لوگوں کو بیس رکعات (تراویح) اور تین وتر پڑھاتے تھے اور دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے۔

﴿ف﴾ حارث بن عبداللہ الھمد انی الاعور حضرت علی المرتضٰی کے شاگردوں میں سے اور کبار علمائے تابعین میں سے ہیں۔گو یہ روایت حدیث میں متکلم فیہ ہے۔علامہ شوکانی ان کے بارے میں امام ابوبکر بن ابی داؤد سے نقل کرتے ہیں:كان افقه الناس وافرض الناس واحسب الناس تعلم الفرائض من علی ﷺ یعنی یہ لوگوں میں سب سے بڑے فقیہ،سب سے بڑے علم الفرائض کے ماہر اور سب سے بڑے حساب جاننے والے تھے،انھوں نے علم الفرائض حضرت علیؓ سے حاصل کیا تھا۔نیز شوکانی صاحب حافظ ذہبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:وكان من اوعية العلم [5]۔یعنی حارث اعور علم کے جامع تھے۔مولانا نذیر احمد رحمانی صاحب لکھتے ہیں:حدیث فقہ،تفسیر وغیرہ بہت سے علوم کے اعتبار سے ان کا شمار بڑے علماء میں ہے [6]۔

---

[1] ابومعاویہ محمد بن حازم ثقہ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں،تقریب (۲/۷۰)۔

[2] حجاج بن ارطاۃ مختلف فیہ راوی ہیں،نیل الاوطار (۳/۳۲۵)۔مولانا محمد گوندلوی صاحب لکھتے ہیں کہ جب راوی مختلف فیہ ہو تو اس کی حدیث حسن ہوتی ہے،خیر الکلام (ص ۲۳۸)۔البتہ حجاج مدلس ہیں لیکن پہلے گزر چکا ہے کہ تدلیس متابعت سے مرتفع ہو جاتی ہے اور چونکہ حارث کی مذکورہ روایت حضرت علی ﷺ کے دیگر شاگردوں کی روایت سے معتضد ہے۔لھذا یہاں حجاج کی تدلیس قادح نہیں ہے۔ [3] ابواسحاق عمرو بن عبداللہ السبعی بالاتفاق ثقہ راوی ہیں۔ان کے تفصیلی حالات کیلئے دیکھئے۔تھذیب التھذیب (۸/۶۳،۶۴)،میزان الاعتدال ( ) [4] مصنف ابن ابی شیبہ (۲۸۵)

[5] نیل الاوطار (۳/۳۲۵) [6] انوار المصابیح (ص ۲۰۶)

اثر نمبر ۹: امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں: حدثنا غندر[1] عن شعبة[2] عن خلف[3] عن الربیع[4] واثنیٰ علیه خیراً عن ابی البختری انه کان یصلی خمس ترویحات فی رمضان ویوتر بثلاث[5]۔

ترجمہ: حضرت ربیعؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوالبختریؒ رمضان المبارک میں پانچ ترویحے یعنی بیس رکعات (تراویح) اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

﴿ف﴾ حضرت سعید بن فیروز ابوالبختریؒ حضرت بن عبداللہ بن عباس ﷺ، حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ اور حضرت ابوسعید الخذری ﷺ وغیرہ صحابہ کرام ﷺ کے شاگرد ہیں۔ اسی طرح یہ حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی اور حارث اعور وغیرہ (اصحاب حضرت علی ﷺ) تابعین کے بھی شاگرد اور تربیت یافتہ تھے۔ امام ابن معین، امام ابوزرعہ، امام ابوحاتم اور ابن حبان وغیرہ نے ان کو ثقہ اور صدوق قرار دیا ہے۔ امام حبیب بن ابی ثابت فرماتے ہیں کہ ابوالبختری ہم سب سے بڑے عالم اور فقیہ تھے۔ حلال بن خبابؒ فرماتے ہیں کہ یہ کوفہ کے فضلاء میں سے تھے۔ آپ کی وفات ۸۳ھ میں ہوئی[6]۔

---

[1] محمد بن جعفر العزلی المعروف بغندر: یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ امام ابوحاتم، امام ابن حبان، امام مستملی اور امام عجلی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ غندر امام شعبہ کی احادیث میں ان کے تمام شاگردوں میں سب سے زیادہ ثقہ اور محبوب ہیں۔ دیکھئے تھذیب التھذیب (۹/۹۶)۔ اور یہ روایت بھی ان کی امام شعبہؒ سے ہے۔ [2] امام شعبہ بن حجاج بالاتفاق ثقہ امام ہیں۔ امام سفیان ثوری ان کے بارے میں فرماتے تھے کہ وہ حدیث کے فن میں امیر المؤمنین ہیں اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے احادیث کے راویوں کی تحقیق کی اور سنت کی حفاظت کی۔ تقریب (۱/۴۱۸)۔ [3] خلف بن حوشب الکوفی العابد: امام شعبہ کے استاذ اور نہایت ثقہ راوی ہیں، امام سفیان بن عیینہ، امام نسائی، امام ابن حبان اور امام عجلیؒ وغیرہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے تھذیب (۳/۱۴۹)۔ اور یہ روایت ان سے امام شعبہ نے روایت کی ہے اور حدیث نمبر ا کے ذیل میں متعدد علمائے غیر مقلدین کے حوالہ سے گذر چکا ہے کہ امام شعبہ صرف ثقہ راوی سے ہی روایت لیتے ہیں اور وہی حدیث بیان کرتے ہیں جو صحیح ہوتی ہے۔ [4] ربیع بن لوط انصاری کوفی حضرت براء بن عازب ﷺ کی اولاد میں سے ہیں اور ثقہ راوی ہیں، تقریب (۱/۲۹۵)۔ [5] مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۲۸۵) [6] دیکھئے تھذیب التھذیب (۴/۷۲)

اثر نمبر ۱۰:۔امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

واكثر اهل العلم علىٰ ماروِى عن علي ﷺ وعمر ﷺ وغيرهما من اصحاب النبي ﷺ عشرين ركعة وهو قول سفيان الثوري وابن المبارك والشافعي وقال الشافعي وهكذا ادركت ببلدنا بمكة يصلون عشرين ركعة[1]۔

ترجمہ: اکثر اہل علم بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں جیسا کہ حضرت علی ﷺ، حضرت عمر ﷺ اور دیگر صحابہ کرام ﷺ سے مروی ہے اور یہی امام سفیان ثوری، امام عبداللہ بن مبارک اور امام شافعیؒ کا قول ہے۔اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھتے ہی پایا ہے۔

﴿ف﴾ امام ترمذیؒ کے اس فرمان سے معلوم ہوگیا کہ صحابہ کرام ﷺ کی طرح حضرت سفیان ثوریؒ، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اور امام شافعیؒ تینوں جلیل القدر ائمہ کرام بھی بیس تراویح کے ہی قائل تھے اور یہ تینوں حضرات اتباع تابعین کے سرداروں میں سے ہیں۔اول الذکر امام سفیان ثوری اپنے زمانہ کے بہت بڑے محدث، فقیہ اور زاہد تھے یہ وہ ابو اسحاق شیبانی، اعمش، منصور، مغیرہ اور حماد بن ابی سلیمان کوفی وغیرہ جلیل القدر تابعین کے شاگرد اور امام شعبہ، امام مالک، امام اوزاعی، عبداللہ بن مبارک اور عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہ کبار محدثین کے استاذ ہیں۔ان کی ثقاہت وعدالت اور جلالت شان پر تمام ائمہ محدثین کا اتفاق ہے [2]۔ثانی الذکر امام عبداللہ بن مبارک حدیث، فقہ، شجاعت، زہد وعبادت، ورع اور فصاحت وغیرہ ہر خصلت میں کامل اور اکمل تھے۔امام اسماعیل بن عیاشؒ فرماتے ہیں کہ اس روئے زمین پر ابن المبارک کے مثل کوئی شخص نہیں ہے اور میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بھی ایسی اچھی خصلت پیدا کی ہو جو اللہ نے ان میں نہ رکھی ہو یہ جلیل القدر امام متعدد تابعین مثلاً امام ابوحنیفہ، حضرت اعمش اور یحییٰ بن سعید انصاری وغیرہ کے شاگرد اور امام شعبہ، ابن مہدی اور فضیل بن عیاضؒ وغیرہ محدثین کے استاذ ہیں [3]۔ثالث الذکر امام محمد ادریس شافعیؒ ائمہ اربعہ میں سے ایک جلیل القدر امام اور دوسری صدی ہجری

---

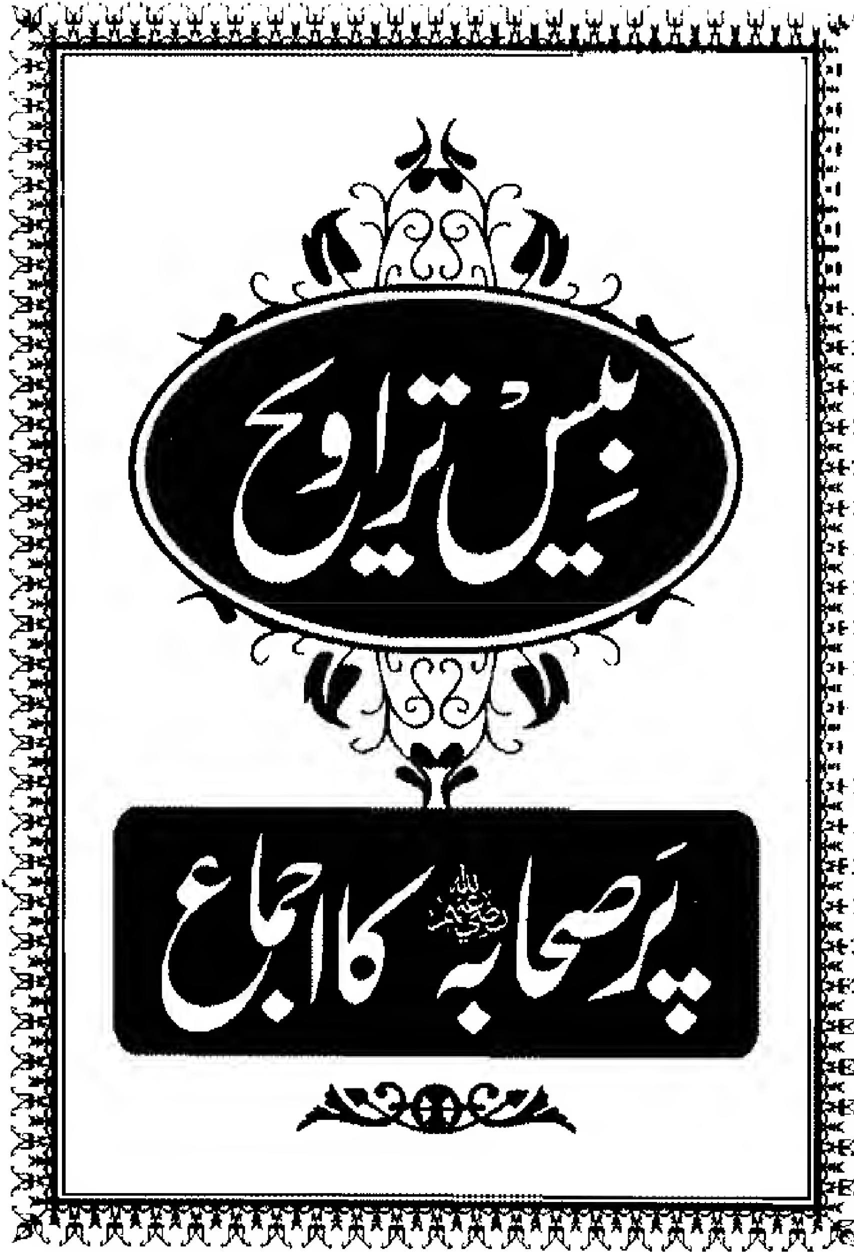
[1] جامع الترمذی (۱/۱۹۱) [2] دیکھئے تھذیب التھذیب (۴/۱۱۴)

[3] ان کے حالات کیلئے دیکھئے تھذیب التھذیب (۵/۳۸۲) وغیرہ

کے مجدد تھے۔ وہ امام مالک، امام محمد (صاحب امام ابی حنیفہ)، سفیان بن عیینہ وغیرہ کے شاگرد اور امام احمد بن حنبلؒ امام عبداللہ بن الزبیر الحمیدی اور ابراہیم بن منذر الحزامی کے استاذ تھے۔ یہ جلیل القدر امام خود بھی بیس تراویح ہی کو پسند کرتے اور اس وقت کے مکہ مکرمہ کے تمام تابعین اور اتباع تابعین سے بھی بیس رکعت تراویح ہی نقل کرتے ہیں۔

قارئین یہ آثار ان طبقوں سے ذکر کئے گئے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے خیر القرون اور خیر الناس کے القاب سے نوازا ہے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی تاکید فرمائی ہے اور ان میں سے کوئی بھی ہستی بیس تراویح سے کم کی قائل نہیں تھی اور خیر القرون کا زمانہ ۲۲۰ھ تک رہا ہے۔ گویا ۲۲۰ھ تک تمام لوگ کم از کم بیس تراویح کے قائل و فاعل تھے۔




بیس تراویح
پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع

اجماع صحابہ ؓ حجت ہے:

قرآن وسنت کے بعد اجماع بالخصوص اجماع صحابہ ؓ ایک مستقل اور ٹھوس دلیل ہے۔ اس کی حجیت پر تمام اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے اور ان میں کوئی فرد ایسا نہیں جو اجماع صحابہ ؓ کا منکر ہو۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں: ان اهل السنة والجماعة متفقون على ان اجماع الصحابة حجة [1]۔

بے شک تمام اہل سنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ اجماع صحابہ ؓ حجت ہے۔

امام ابوجعفر طحاویؒ فرماتے ہیں: لما كان فعل اصحابُ رسول الله ﷺ جميعاً فعلا يجبُ به الحجة كان كذلك اجماعهم على القول اجماعاً يجبُ به الحجة [2]۔ جب رسول ﷺ کے تمام صحابہ کرام ؓ کسی ایک امر پر متفق ہو جائیں تو وہ لازماً حجت ہے اسی طرح ان کا کسی قول پر اجماع بھی لازماً حجت ہے۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ خلفائے راشدین ؓ اور دیگر صحابہ کرام ؓ کے ذکر شدہ آثار سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سب صحابہ کرام ؓ بیس تراویح پر عمل پیرا رہے اور کسی صحابی ؓ سے بیس رکعات کے علاوہ اور کوئی عدد تراویح منقول نہیں جو کہ بیس تراویح پر صحابہ ؓ کے اجماع ہونے کی دلیل ہے۔ اب علمائے امت میں سے چند کبار اور مسلمہ شخصیات کے حوالے ذکر کیے جاتے ہیں جنھوں نے اس بات کی صاف تصریح کی ہے کہ بیس تراویح پر جمیع اصحاب ؓ رسول ﷺ کا اجماع واتفاق رہا ہے اور کوئی صحابی بھی اس کے خلاف نہیں گیا۔ چنانچہ

(۱) علامہ ابن حجر مکیؒ شافعیؒ شارح مشکوٰۃ فرماتے ہیں: ولكن اجمعت الصحابة ؓ على ان التراويح عشرون ركعة [3]۔ صحابہ کرام ؓ نے اس پر اجماع کیا ہے کہ تراویح بیس رکعات ہیں۔

(۲) محدث ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں: لكان مافعلهٔ عمر ؓ واجمع الصحابة في عصره اولى بالاتباع [4]۔ جو طریقہ بیس تراویح کا حضرت عمر ؓ نے رائج کیا اور صحابہ کرام ؓ نے ان کے

---

[1] فتح الباری (۲۶۶/۱۳) [2] شرح معانی الآثار (۲۹/۲) [3] (مرقاۃ المفاتیح (۱۹۴/۳)، تحفۃ المصابیح (ص ۱۸) [4] المغنی (۸۰۳/۱)

زمانہ میں اس پر اجماع کیا ہے وہ اتباع کے زیادہ لائق ہے۔

(۳) شارح بخاری علامہ قسطلانیؒ لکھتے ہیں: وقد عدّوا ماوقع فی زمن عمر رضی اللہ عنہ کالاجماع [۱]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو معمول (بیس تراویح کا) جاری ہوا اسے علماء نے بمنزلہ اجماع کے شمار کیا ہے۔

(۴) مشہور محقق علامہ شیخ منصور بن یونس بہوتی حنبلیؒ لکھتے ہیں: وھذافی مظنة الشھرة بحضرة الصحابة رضی اللہ عنہم فکان اجماعاً [۲]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں بیس تراویح کا حکم دینا عام شہرت کے موقع پر تھا اسلیئے یہ بیس تراویح پر اجماع ہوا۔

(۵) علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ فرماتے ہیں: وھو الصحیح عن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ من غیر خلاف من الصحابة [۳]۔ بیس تراویح ہی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر ثابت ہے اور کوئی صحابی اس کے خلاف نہیں ہے۔

(۶) امام تقی الدین ابوبکر الحصنیؒ فرماتے ہیں: فجمعھم علی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ و واظب لھم عشرین رکعة واجمع الصحابة معه علی ذالك [۴]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع فرمایا اور بیس تراویح ان کیلئے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مقرر فرمائیں اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیس تراویح پر اجماع اور اتفاق کرلیا۔

(۷) فقیہ کبیر علامہ علاء الدین کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں: ان عمر رضی اللہ عنہ جمع اصحاب رسول اللہ ﷺ فی شھر رمضان علی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فصلی بھم کل لیلة عشرین رکعة ولم ینکر علیه احد فیکون اجماعًا منھم علی ذلك [۵]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رمضان المبارک میں حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کیا تو انھوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہر رات بیس تراویح پڑھائیں اور اس پر کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے انکار نہیں کیا تو یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیس تراویح پر اجماع ہوگیا۔

---

[۱] ارشاد الساری (۳/۴۲۶) [۲] کشف القناع عن متن الاقناع (۱/۳۹۲) [۳] عمدة القاری (۸/۲۴۶) [۴] کتاب الاخیار (۱/۱۷۲) [۵] بدائع الصنائع (۱/۲۸۸)

(۸) [illegible] قطب الدین محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں: اجماع ہوا صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس

[illegible] ۱

(۹) [illegible] اپنے فتاویٰ میں رقمطراز ہیں وانہ قد ثبت

[illegible] رکعة ویوتر بثلاث فرأی کثیر من

[illegible] لانہ قام بین المهاجرین والانصار ولم ینکرہ منکر ۲؎

یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ لوگوں کو رمضان المبارک میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ اس لئے اکثر علماء کے نزدیک یہی سنت ہے کیونکہ انھوں نے یہ کام مہاجرین اور انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے کیا اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔

(۱۰) مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان صاحب بھی اس بات کو بلا ٹوک ونکیر تسلیم کرتے ہیں

"وقد عد ما وقع فی عهد عمر رضی اللہ عنہ کالاجماع ۳؎۔"

یہ طریقہ بیس تراویح کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں رائج ہوا، اس کو علماء نے اجماع کی طرح شمار کیا ہے۔ یاد رہے کہ نواب صاحب کو غیر مقلدین چودھویں صدی کا مجدد کہتے ہیں۔ اب غیر مقلدین کو اپنے مجدد کا فیصلہ کھلے دل سے تسلیم کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی ان کو توفیق عطا فرمائیں آمین۔

تلك عشرة كاملة۔

☆

۱؎ مظاہر حق قدیم (۱/۶۳۳) ۲؎ الفتاوی الکبری (۱/۲۲۷) طبع بیروت ۳؎ عون الباری شرح بخاری (۴/۳۰۷)


بیس تراویح
پر
امت کا تواتر و توارث

تواتر وتوارث کی اہمیت:

جس کام کو پوری امت یا امت کی اکثریت مسلسل اور لگا تار سرانجام دیتی رہے، اس کو تواتر اور توارث کہتے ہیں۔امت مرحومہ کا کسی عمل پر تواتر اور توارث بھی اجماع کی طرح ایک ٹھوس دلیل اور حجت قاطعہ ہے۔اس کی وجہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ: قرآن کریم میں یہ ارشاد باری ہے: واتَّبِعْ سبیلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۱؎ ۔یعنی جو میری طرف رجوع کرتا ہے میں اس کے راستے کی تابعداری کرو۔

چونکہ امت مسلمہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف انابت اور رجوع کرتی ہے اس لیئے اس کی اتباع بھی واجب ہے ۲؎ ۔اس طرح غیر مقلدین کے عظیم محقق اور نواب صدیق حسن خان صاحب کے صاجزادے نواب میر علی اصغر صاحبؒ لکھتے ہیں کہ: امت مرحومہ خطاء سے معصوم ہے۔جس چیز کو امت صحیح کہے گی اور اس پر عمل پیرا ہوگی تو ضروری ہے کہ نفس الامر میں بھی وہ چیز صحیح اور حق ہی ہو ۳؎ ۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ گذشتہ تین ابواب سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ خیر القرون یعنی عہد فاروقی (۱۴ھ) سے لیکر تبع تابعین کے دور یعنی تیسری صدی ہجری کے وسط تک تمام امت مسلمہ لم از لم بیس تراویح پر ہی عمل پیرا رہی۔اب ہم نے اس باب میں یہ جائزہ لینا ہے کہ خیر القرون کے بعد کے زمانہ (چوتھی صدی ہجری) سے لے کر تیرھوی صدی کے آخیر (۱۲۸۴ھ) تک یعنی رکعات تراویح میں اختلاف پیدا ہونے سے پہلے پہلے امت مسلمہ کا عمل کیا رہا ہے اور تمام عالم کے مسلمان کتنی رکعات تراویح پڑھتے رہے ہیں؟ ہم اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی بجائے چوتھی صدی ہجری سے تیرھویں صدی تک کے چیدہ چیدہ اور جید علمائے محدثین وفقہاء کے آراء اس بارہ میں ذکر کرتے ہیں جن سے ثابت ہو جائے گا کہ اس اختلاف سے پہلے تمام عالم اسلام کا مجموعی عمل بیس تراویح پر ہی رہا ہے چنانچہ۔

(۱) چوتھی اور پانچویں صدی کے عظیم محقق، محدث اور فقیہ علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ (و ۳۶۸ھ/ف ۴۶۳ھ)

۱؎ (سورۃ لقمان آیت نمبر ۱۵) ۲؎ معارج الوصول (ص ۱۳) ۳؎ حاشیہ دلیل الطالب (۸۸۲) بحوالہ عمدۃ الاثاث (۴۳) از مولانا سرفراز صفدر صاحب دامت برکاتہم

فرماتے ہیں:وقداستقرالعمل علیٰ هذا[1]۔
بے شک امت مسلمہ کا عمل بیس تراویح پر ہی مستقر اور ہمیشہ ہمیشہ ہوگیا۔
(۲) ساتویں صدی کے مشہور محدث اورفقیہ، شارح مسلم امام یحییٰ بن شرف نووی (و ۶۳۱ھ ف ۶۷۶ھ) اپنی کتاب خلاصہ میں فرماتے ہیں:ثم استقرالامر علی العشرين فانهٗ هوالمتوارث۔[2]
پھر بیس زاویح پر ہی معاملہ مستقر اور پختہ ہوگیا پس یہی امت کا متوارث اور مسلسل عمل ہے۔
(۳) آٹھویں اورنویں صدی کے شیخ الاسلام، حافظ الدنیا شیخ ابن حجر عسقلانیؒ (۷۷۳ھ۔ف ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:ولعلهم فی وقت اجازواتطويل القيام علی عدد الر كعات فجعلوها عشرين ركعة وقداستقرالعمل علیٰ هذا[3]۔شاید صحابہ کرامؓ نے قیام کی طوالت کو مختصر کر کے اور رکعتیں بڑھا کر بیس کردیں اور پھر بیس پر ہی معاملہ ہمیشہ کیلئے محکم واستوار ہوگیا۔
(۴) دسویں صدی کے مشہور صوفی بزرگ، قطب العارفین، کثیر التصانیف علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ (و ۸۸۹ھ۔ف ۹۷۳ھ) فرماتے ہیں:وقد استقر العمل علیٰ ذالك فی الامصار[4]۔
اور اہل اسلام کا تمام شہروں میں بیس رکعات پر ہی ہمیشہ کیلئے عمل قرار پایا۔
(۵) دسویں صدی کے ہی عظیم فقیہ علامہ زین العابدین بن نجیم مصری (ف ۹۷۰ھ) رقمطراز ہیں:وعليه عمل الناس شرقاًو غرباً[5]۔اور بیس رکعات تراویح پر ہی مشرق ومغرب کے تمام مسلمانوں کا عمل ہے۔
(۶) برصغیر کے بہت بڑے عالم اور گیارھویں صدی کے مشہور محدث شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (ف ۱۰۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں:والذی استقرعليه الامر واشتهرمن الصحابة والتابعين ومن بعدهم هوالعشرون[6]۔جس قول پر عمل ہمیشہ کیلئے رہا اور صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام اوران کے بعد آنے والے لوگوں میں جو بات مشہور ہوچکی ہے وہ بیس رکعات تراویح ہی ہے۔
(۷) بارھویں صدی کے مالکی فقیہ اور عظیم محقق علامہ الشیخ الدردیر المالکی (ف ۱۲۰۱ھ) لکھتے ہیں:لکن

---

[1] ھدایۃ السائل للنواب صدیق حسن (ص ۱۳۸) [2] فتح القدیر (۱/۳۳۴) [3] المصابیح (ص ۱۶) [4] کشفۃ الغمۃ (۱/۱۴۷) [5] البحر الرائق (۲/۶۶) [6] ما ثبت بالسنۃ مترجم (ص ۳۶۴)

الذی جرٰی علیہ العمل سلفاً وخلفاً ھوالاوّل[1]۔

لیکن جس عددِ تراویح پر سلف اور خلف کا عمل ہمیشہ جاری رہا وہ پہلا (یعنی بیس رکعات کا) قول ہے۔

(۸) خاتم المحققین، تیرھوی صدی کے عظیم فقیہ اور مصنف علامہ ابن عابدین شامیؒ (ف ۱۲۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں: وعلیہ عمل الناس شرقاً وغرباً[2]۔ بیس رکعات تراویح پر تمام مشرق اور مغرب کے مسلمانوں کا عمل ہے۔

(۹) غیر مقلدین کے عظیم عالم اور ان کے شیخ الکل کے شاگرد مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ بھی اس حقیقت کو کھلے دل سے تسلیم کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: حضرات صحابہ کرام ؓ، ائمہ اربعہ اور مسلمانوں کی عظیم جماعت کا عمل یہ ہے کہ وہ حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک مشرق و مغرب میں تیئس (۲۰ تراویح اور تین وتر) ہی پڑھتے ہیں[3]۔

(۱۰) ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں جب انگریزی دورِ حکومت میں سب سے پہلے کسی غیر مقلد مولوی صاحب نے ہندوستان کے شہر اکبرآباد میں یہ فتوٰی دیا کہ تراویح آٹھ رکعات ہیں تو اسی سال مطبع لطافت آگرہ سے ایک رسالہ بنام استفتاء التراویح طبع ہوا جس میں اس علاقے کے تقریباً اٹھارہ علمائے کرام کے پرزور فتوے طبع ہوئے اور عوام الناس کو اس فتوے سے آگاہ کیا گیا۔ چنانچہ حضرت مولانا فیض احمد صاحبؒ اسی رسالہ میں تحریر کرتے ہیں: اور اسی طرح بہت سی کتابوں فقہ میں بیس رکعات تراویح سنت ہونے کا حکم صراحۃً مذکور ہے اور اجماع اہل الاسلام شرقاً وغرباً اور حرمین شریفین زادھما اللہ شرفاً جاری و رائج ہیں۔ کسی شخص نے اہل اسلام سے اس امر میں آج تک خلاف نہیں کیا اور مخالف اس کا مبتدع ہے[4]۔

تلك عشرة كاملة



---

[1] شرح کبیر مع حاشیۃ الدسوقی (۱/۳۱۵) [2] رد المحتار (۲/۴۵) [3] رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع (ص ۲۸) [4] رسالہ استفتاء تراویح (ص ۲۲، ۲۳)، بحوالہ ترجمہ ینابیع (ص ۹)

قارئین کرام: درج بالا بیانات سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ خیر القرون سے لے کر غیر مقلدین کے آٹھ تراویح کے فتوے ۱۲۸۴ھ تک تمام امت مسلمہ کا بیس تراویح پر ہی تعامل اور توارث رہا اور تیرہ سو سال میں کوئی بھی مسلمان بیس تراویح سے کم کا قائل نہیں تھا۔ البتہ شروع میں کچھ حضرات بیس تراویح سے زائد رکعات بھی بطور نوافل کے پڑھتے رہے لیکن ان میں سے کوئی بھی بیس رکعت سے کم کا قائل نہیں تھا اور بیس سے زائد جو رکعات پڑھی جاتی رہی اس پر بھی عمل کچھ عرصہ ہی رہا اور پھر پوری امت مسلمہ کا بیس رکعات پر ہی نسلا بعد النسل عمل رہا، جیسا کہ درج بالا علمائے محدثین وفقہاء کے بیانات سے واضح ہے اور آج بھی بحمد اللہ پورے عالم اسلام (سوائے شرذمہ قلیلہ کے) اور اسلام کے دونوں مرکزوں حرمین شریفین زادھما اللہ شرفا میں بیس تراویح ہی پڑھی جاتی ہیں۔

اعتراض: غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ یہ دعوی کرنا کہ صحابہ کرام ﷺ کا حضرت عمر ﷺ کے عہد خلافت میں بیس تراویح پر اجماع ہوگیا اور اس کے بعد سے پوری امت کا بیس تراویح پر ہی عمل قرار پایا، یہ دعوی غلط ہے۔ کیونکہ تراویح کے مسئلہ میں بڑا اختلاف ہے۔ علامہ عینی حنفی نے بیس کے علاوہ تقریباً دس اختلافی اقوال رکعات تراویح کی بابت ذکر کئے ہیں۔ چنانچہ علامہ عینیؒ لکھتے ہیں: علماء کا قیام رمضان کے مستحب عدد میں بہت سے اقوال پر اختلاف ہے بعض اکتالیس رکعات کے قائل ہیں، بعض انچاس، بعض اڑتیس، بعض چھتیس، بعض چونتیس، بعض اٹھائیس، بعض چوبیس، بعض تیئیس، بعض سولہ، بعض تیرہ اور بعض گیارہ رکعات کے قائل ہیں۔ اور اسی کو امام مالک نے اپنے لئے اختیار کیا اور ابو بکر بن العربی کا بھی یہی مؤقف ہے [1]۔ اسی طرح امام سیوطی نے بھی اپنے اصحاب میں سے جوری کے حوالہ سے امام مالک کا مذہب گیارہ رکعات نقل کیا ہے۔ بعض علماء مثلاً امام احمدؒ اور امام تیمیہؒ تو سرے سے کسی حد کے قائل ہی نہیں۔ لھذا بیس رکعات پر اجماع کا دعوی باطل ہے۔ [2]

---

[1] تحفۃ الاحوذی (۲/۴۶)، صلوٰۃ التراویح (ص۱۳) شائع کردہ اصحاب اہل حدیث اٹک شہر، تعداد تراویح (ص ۳۵، ۳۶) بحوالہ عمدۃ القاری [2] تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۴۶) شائع کردہ جماعت اہل حدیث حضرو ضلع اٹک، انارۃ المصابیح (ص ۱۸) وغیرہ۔

جواب:۔ غیر مقلدین کا یہ اعتراض بالکل مردود اور باطل ہے۔

اولاً ۔ ہم نے ماقبل سطور میں تیرہ سو سال کے بڑے بڑے علمائے محدثین اور فقہاء (جن کی عدالت، ثقاہت اور جلالت شان خود غیر مقلدین کے ہاں بھی مسلم ہے) کے حوالے پیش کیے ہیں جنہوں نے تصریح کی ہے کہ بیس تراویح پر تمام صحابہ کرام ﷺ کا اجماع رہا ہے اور پوری امت مسلمہ بھی بیس تراویح پر ہی عمل پیرا رہی اور غیر مقلدین کے خود اپنے اکابر میں سے نواب صدیق حسن خان اور مولانا میاں غلام رسول صاحب کو بھی اس کا اقرار ہے (جیسا کہ ان کے حوالے گزر چکے ہیں) اور علامہ عینیؒ جن کے ذکر کردہ اختلافی اقوال کی بناء پر غیر مقلدین نے یہ اعتراض کیا ہے، وہ خود بھی اس اجماع کو تسلیم کرتے ہیں ۱ ۔ کیا ان سب ثقہ شخصیات کا یہ دعوی کرنا باطل ہے: اس کے بالمقابل ہمارا غیر مقلدین کو چیلنج ہے کہ وہ ہندوستان میں انگریز منحوس کے آنے سے پہلے تیرہ سو سال کے محدثین اور فقہاء میں سے کسی ایک ثقہ شخصیت کا حوالہ پیش کردیں جس نے یہ کہا ہو کہ: صحابہ کرام ﷺ کا بیس تراویح پر اجماع منعقد نہیں ہوا اور نہ ہی صحابہ ﷺ کے بعد امت کا عمل بیس رکعات پر قرار پایا۔ اگر یہ حوالہ غیر مقلدین پیش کردیں تو ہم بھی اپنا دعوی اجماع واپس لے لیں گے دیدہ باید۔ لیکن

نہ تلوار اٹھے گی نہ خنجر ان کے — یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

ثانیاً:۔ غیر مقلدین کا یہ اعتراض دو شقوں پر مشتمل ہے۔ (۱) صحابہ کرام ﷺ کا عہد عمر ﷺ میں بیس تراویح پر اجماع منعقد نہیں ہوا۔ (۲) صحابہ ﷺ کے بعد امت کا مجموعی عمل بیس تراویح پر قرار نہیں پایا۔ لیکن اس اعتراض کے لئے دلیل یہ پیش کی کہ علامہ عینیؒ نے بیس تراویح کے علاوہ بہت سے اختلافی اقوال ذکر کئے ہیں حالانکہ علامہ عینیؒ نے جتنے بھی اقوال ذکر کئے ہیں، وہ ان لوگوں کے ہیں جو صحابہ کرام ﷺ کے بعد کے ہیں اور خود غیر مقلدین کو بھی اس کا اقرار ہے چنانچہ مولانا نذیر احمد رحمانیؒ صاحب لکھتے ہیں: عینیؒ نے جو اقوال نقل کئے ہیں ان میں اکثر تو بے شک وہی ہیں جو عہد فاروقی کے بعد کے ہیں ۲ ۔ (۲)

---

۱ دیکھئے البنایہ شرح ہدایہ (۱/۱۶۷) ۲ انوار المصابیح (ص ۳۵۶) (۲)۔ البتہ رحمانی صاحب نے اس پر یہ اعتراض کردیا کہ بعض آثار ایسے بھی ہیں جن کو علامہ عینیؒ نے ذکر نہیں کیا بلکہ وہ آثار مولانا مبارک پوریؒ صاحب نے ذکر کئے ہیں=

= ان آثار سے حضرت عمر ﷺ کے دور میں بیس تراویح پر اجماع ہونے کا دعوٰی باطل ہو جاتا ہے۔ وہ آثار یہ ہیں۔

(۱) حضرت معاذ بن الحارث ابوحلیمہ ﷺ جو صحابی ہیں، یہ اکتالیس رکعتیں لوگوں کو پڑھاتے تھے، قیام الیل (ص ۹۱)۔ حضرت ابوحلیمہ ﷺ تراویح کے امام حضرت عمر ﷺ ہی کے زمانہ میں تھے اور حضرت عمر ﷺ نے ان کو تراویح کا امام مقرر کیا تھا، اصابۃ (۴۲۸/۲)۔

(۲) حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ﷺ نے حضرت ابی بن کعب ﷺ کو تراویح کا امام مقرر کیا۔ وہ لوگوں کو چھتیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔ قیام الیل (ص ۹۲) یہ روایات منقطع ہیں لیکن منقطع روایت عندالاحناف حجت ہے۔

(۳) اسود بن یزید نخعیؒ تابعی چالیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ اور اسود نے حضرت عمر ﷺ کا زمانہ بے شک پایا ہے اور ان کے عمل کے بارے میں روایت میں کسی زمانہ کی کوئی خصوصیت اور قید مذکور نہیں ہے تو حنفیہ کے اصول (مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے) کے مطابق جب کسی معتبر دلیل سے کسی زمانہ کی تخصیص ثابت نہ ہو جائے، یہ اطلاق اپنے عموم پر باقی رہتے ہوئے حضرت عمر ﷺ کے زمانہ کو بھی شامل ہوگا۔

(۴) حضرت نافع جو حضرت ابن عمر ﷺ کے مولی اور حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہ ﷺ کے شاگرد ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے لوگوں کو چھتیس تراویح اور تین وتر پڑھتے ہوئے دیکھا اور پایا ہے۔ نافع نے حضرت عمر ﷺ کا زمانہ نہیں پایا لیکن جن صحابہ ﷺ کے شاگرد ہیں انہوں نے حضرت عمر ﷺ کا زمانہ پایا ہے اور ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو حضرت نافع نے چھتیس رکعتیں پڑھتے پایا ہے ان میں یہ صحابہ ﷺ بھی شامل ہیں تو ان میں کسی نے ان کو نہیں بتایا کہ ہم عہد فاروقی میں بیس پڑھتے تھے اور اس کے گزر جانے کے بعد چھتیس پڑھنے لگے۔

(۵) وہب بن کیسان جو بڑے بڑے صحابہ ﷺ کے شاگرد ہیں، ان کا بیان ہے کہ رمضان میں لوگ برابر تراویح کی چھتیس اور وتر کی تین رکعتیں پڑھتے چلے آرہے ہیں۔ آج تک اسی پر عمل جاری ہے، قیام الیل (ص ۹۱)۔ وہبؒ کے کلام سے ظاہر ہے کہ انھوں نے یہ صرف اپنے زمانے کا حال نہیں بتلایا بلکہ بہت پہلے کا سلسلہ بتا رہا ہے ہیں حتیٰ کہ عہد فاروقی کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا ہے۔ یہ عہد اگرچہ انھوں نے نہیں پایا لیکن حنفیہ کے نزدیک تابعی کی منقطع روایت حجت ہے۔ لھذا بیس پر اجماع اور اسی پر عمل کے ٹھہراؤ کے دعوے باطل ہیں۔ محصلہ انوارالمصالح (ص ۳۵۷ تا ۳۶۸)۔

جواب: رحمانی صاحب اور دیگر غیر مقلدین جنہوں نے اپنی کتابوں کے بیسیوں صفحات صرف اس بات کو ثابت کرنے کے لئے سیاہ کر دیئے ہیں کہ حضرت عمر ﷺ کے دور میں گیارہ رکعات سے زیادہ (بیس، چھتیس وغیرہ) پڑھنا ثابت نہیں ہے اور اب صرف احناف دشمنی اور پوری امت کے بالمقابل اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد چمکانے کے شوق میں اپنے سابقہ مؤقف کو یکمشت یہ کہہ کر رد کر دیا کہ حضرت عمر ﷺ کے دور میں بیس رکعات سے زیادہ چھتیس رکعات وغیرہ پڑھنا بھی =

= ثابت ہے۔ اب اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس سے زائد کا پڑھا جانا غیر مقلدین نے تسلیم کر لیا تو عہد فاروقی میں بیس رکعات کا پڑھے جانا بطریق اولیٰ ثابت ہو گیا حالانکہ اسی بات کو وہ پہلے بڑے شد و مد کے ساتھ رد کر چکے ہیں۔

چنانچہ مولانا نذیر رحمانی ایک مقام پر لکھتے ہیں: پس اس فرمان فاروقی (گیارہ رکعات) کے ہوتے ہوئے اولاً تو ہمیں یہ تسلیم ہی نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس پر عمل ہوا کیونکہ اس (گیارہ رکعات) کے مقابلہ میں جو روایتیں پیش کی جاتی ہیں ان کی صحت ثابت نہیں۔ انوار المصابیح (ص ۲۲۸) تقریباً یہی بات مولانا مبارکپوری صاحب نے تحفۃ الاحوذی (۲/۷۳) میں، اور دیگر غیر مقلدین نے اپنی اپنی کتب میں درج کی ہے۔ اب ہم غیر مقلدین کو انصاف اور دیانت کا واسطہ دے کر (بشرطیکہ ان میں انصاف اور دیانت کی کوئی شئی ہے) پوچھتے ہیں کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں گیارہ رکعات سے زیادہ تراویح کا پڑھنا ثابت نہیں تو اب آپ نے یہ کیسے تسلیم کر لیا ہے کہ عہد عمر رضی اللہ عنہ میں بیس سے زائد رکعات بھی پڑھی جاتی رہیں!

ع مانتے ہیں کو نہ انہیں لحنس پہنچے وہاں

جواب ثانی: مولانا نذیر رحمانی صاحب نے جتنے بھی آثار ذکر کئے ہیں ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں چھتیس رکعات کا پڑھا جانا ثابت نہیں ہوتا۔ چنانچہ انھوں نے پہلا اثر حضرت معاذ بن الحارث ابوحلیمہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے کہ یہ صحابی اکتالیس رکعات لوگوں کو پڑھاتے تھے۔ لیکن:

(۱) اولاً تو حضرت ابوحلیمہ کا صحابی ہونا مختلف فیہ ہے، اگر ابن عبد البر وغیرہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے تو امام ابن حبان وغیرہ نے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے۔ دیکھئے تھذیب التھذیب (۱۰/ ۱۸۸)

اور خود غیر مقلدین کے مشہور محقق علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ بھی ان کی صحابیت کو مختلف فیہ قرار دیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں معاذ بن الحارث القاری، وھو مختلف فی صحبتہ، التعلیق المغنی (ج ۲ ص ۴۰)

(۲) ثانیاً۔ اس اثر سے (بشرط صحت) ان کا عہد عمر رضی اللہ عنہ میں اکتالیس رکعات کا پڑھانا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ روایت میں عہد عمر رضی اللہ عنہ کی کوئی تصریح نہیں اور حضرت ابوحلیمہ کا عہد فاروقی کے بعد بھی تراویح پڑھانا ثابت ہے۔ دیکھئے قیام لیل (ص ۹۰) بحوالہ معارف السنن (۵/ ۵۵۵)۔

جب تک یہ تصریح نہ دکھائی جائے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہی اکتالیس رکعات پڑھاتے تھے اس وقت تک اس اثر کو عہد عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق قرار دینا نری زبردستی ہے۔ نیز اس اثر کو روایت کرنے والے ابن سیرینؒ ہیں اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہی نہیں۔ اب اگر انھوں نے یہ واقعہ عہد عمر رضی اللہ عنہ کا بیان کیا ہے تو یہ روایت مرسل ہے اور اگر انہوں نے =

=حضرت عمر ﷺ کے عہد کے بعد اپنی زندگی کا واقع بیان کیا ہے تو یہ روایت مسند اور متصل ہے اور ظاہر ہے کہ یہ روایت مسند ہے اور ابن سیرین نے یہ واقعہ اپنی زندگی کا بیان کیا ہے۔ کیونکہ غیر مقلدین کے دو بڑے اکابر مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب اور مولانا محمد گوندلوی (خیر سے یہ دونوں مولانا نذیر رحمانی صاحب کے استاذ ہیں) نے تصریح کی ہے: جب حدیث کے مسند (متصل) اور مرسل ہونے کا اختلاف ہو تو روایت مسند ہی ہوگی۔ ابکار المنن (ص ۱۲۹)، خیر الکلام (ص ۲۲۹) بحوالہ احسن الکلام (   )۔ پس جب یہ روایت بقاعدہ غیر مقلدین مسند اور متصل ہے تو پھر غیر مقلدین کا اس روایت کو مرسل اور منقطع قرار دے کر (حالانکہ مرسل اور منقطع روایت غیر مقلدین کے نزدیک ضعیف ہے) اس کو عہد فاروقی سے متعلق قرار دینا محض جی بہلانے والی بات ہے۔

(۲) دوسرا اثر رحمانی صاحب نے حضرت حسن بصریؒ کا ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر ﷺ نے حضرت ابی بن کعب ﷺ کو تراویح کا امام مقرر کیا تو وہ لوگوں کو چھتیس رکعاتیں پڑھاتے تھے۔ یہ اثر اوّل تو منقطع ہے جو غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں۔

ثانیاً جواب اوّل میں گزر چکا ہے کہ غیر مقلدین کے نزدیک عہد عمر ﷺ سے متعلق گیارہ رکعات کے علاوہ جتنی روایات ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔ لھذا غیر مقلدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ پہلے ان روایات کا صحیح ہونا ثابت کریں۔ پھر انہیں معرض استدلال میں پیش کریں۔ دیدہ باید۔

(۳) تیسرا اثر اسود بن یزید نخعی کا ہے کہ وہ چالیس رکعتیں پڑھتے تھے۔ انہوں حضرت اسود نے حضرت عمر ﷺ کا زمانہ بے شک پایا ہے لیکن روایت میں یہ تصریح نہیں کہ وہ حضرت عمر ﷺ کے زمانہ میں بھی چالیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور جب تک یہ بات ثابت نہ ہو جائے کہ وہ یہ چالیس رکعتیں حضرت عمر ﷺ کے زمانہ میں پڑھتے تھے اس وقت یہ دعوی کرنا کہ وہ حضرت عمر ﷺ کے عہد میں چالیس رکعتیں پڑھتے تھے، بلا دلیل ہے جو قابل مسموع نہیں۔ بلکہ سب صحابہ ﷺ کا حضرت عمر ﷺ کے عہد میں بیس رکعات پر مجتمع ہونا اور کسی صحابی ﷺ کا اس کے مخالف نہ ہونا اور پھر تمام بڑے بڑے محدثین کا یہ بات تسلیم کرنا کہ حضرت عمر ﷺ کے عہد میں سب صحابہ ﷺ کا بیس تراویح پر اجماع رہا ہے یہ زبردست اور معتبر دلیل ہے کہ اسود بن یزید نخعی عہد عمر ﷺ میں چالیس رکعتیں نہیں پڑھتے تھے اور اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ وہ عہد عمر ﷺ میں بھی چالیس رکعتیں پڑھتے تھے تو پھر بھی ان کے اس عمل سے صحابہ کرام ﷺ کے اس اجماعی عمل پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ ایک تابعی کا عمل کسی بھی صحابی ﷺ کے مقابلے میں حجت نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ یہ عمل تمام صحابہ ﷺ کے عمل کے خلاف ہو۔

(۴) چوتھا اثر حضرت نافع کا ہے کہ میں نے اہل مدینہ کو چھتیس رکعات پڑھتے پایا ہے۔ حضرت نافع کی پیدائش حضرت عمر ﷺ کی شہادت کے کئی برس بعد ہوئی۔ اب حضرت نافع نے نہ اپنا عمل ذکر کیا اور نہ صحابہ کرام ﷺ کا عمل نقل کیا ہے بلکہ=

لیکن جولوگ عہد فاروقی کے بعد کے ہیں ان کا عمل اور اختلاف عہد فاروقی میں صحابہ کرامؓ کے اجماع پر کیسے اثر انداز ہوسکتا ہے؟

ثالثاً۔ علامہ عینیؒ نے صحابہ کرامؓ کے بعد کے لوگوں کے جو آثار ذکر کیے ہیں ان میں بھی سوائے تین

انہوں نے صرف یہ کہا ہے کہ میں نے مدینہ والوں کو چھتیس رکعات پڑھتے پایا ہے۔ اتنی سی بات پر صحابہ کرامؓ کے بیس تراویح کے اجماع کو صرف اس لئے رد کردینا کہ حضرت نافع جو فلاں فلاں صحابی کے شاگرد ہیں، نے اہل مدینہ کو چھتیس رکعتیں پڑھتے پایا ہے، یہ محض غیر مقلدانہ ضد اور عناد ہے۔ مشہور محدث امام ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں: لو ثبت ان اهل المدينة كلهم فعلوه لكن مافعله عمرؓ واجمع عليه الصحابةؓ اولى بالاتباع۔ المغنی (۸۰۳/۱) اگر یہ بات ثابت بھی ہوجائے کہ تمام اہل مدینہ چھتیس رکعتیں پڑھتے تھے تو پھر بھی جو طریقہ حضرت عمرؓ نے بیس تراویح کا رائج کیا اور تمام صحابہؓ نے ان کے عہد میں اس پر اجماع کرلیا وہ اتباع کے زیادہ لائق ہے۔

(۵) پانچواں اثر مولانا رحمانی نے وہب بن کیسان کا نقل کیا ہے کہ رمضان میں لوگ برابر تراویح کی چھتیس رکعات اور وتر کی تین رکعتیں پڑھتے چلے آرہے ہیں لیکن مولانا رحمانی صاحب نے خود تسلیم کیا ہے کہ وہب نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا۔ اب اگر انہوں نے حضرت عمرؓ کے زمانے کا حال بیان کیا ہے تو ان کا یہ اثر مرسل اور منقطع ہے اور اگر انہوں نے اپنے زمانے کا حال بیان کیا ہے تو اس صورت میں یہ اثر مسند اور متصل ہے اور اثر کا مسند اور متصل ہونا ہی راجح ہے کیونکہ حضرت ابوحلیمہؓ کے اثر میں غیر مقلدین کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ جب روایت کے مرسل اور مسند ہونے کا اختلاف ہو تو وہ روایت مسند ہی ہوگی۔ لھذا یہ روایت مسند ہی ہے اور حضرت وہبؒ نے اپنے زمانے کے لوگوں کا حال بیان کیا ہے اور ان کے زمانے کے لوگوں کا عمل صحابہ کرامؓ کے اجماعی عمل پر ذرہ بھر بھی اثر انداز نہیں ہوسکتا۔ نیز واہب بن کیسان کو حافظ ابن حجرؒ نے طبقہ رابعہ کا راوی بتلایا ہے۔ تقریب (۲۹۳/۲)۔ اور طبقہ رابعہ کے متعلق خود رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ: چوتھا طبقہ وہ ہے جو تابعین کے طبقہ وسطیٰ کے قریب ہے جن کی اکثر روایتیں کبار تابعین سے لی گئی ہیں صحابہؓ سے نہیں۔ انوار المصابیح (ص ۲۸۰)۔ پس رحمانی صاحب کی تصریح کے مطابق وہب کی اکثر روایات کبار تابعین سے مروی ہیں صحابہ کرامؓ سے نہیں۔ پھر رحمانی صاحب کا خود اپنے ہی طے شدہ اصول کی روشنی میں یہ کہنا باطل ہوگیا کہ وہب نے بڑے بڑے صحابہؓ سے روایات بیان کی ہیں۔ اور وہ ان کے صحبت یافتہ اور شاگرد ہیں۔ لھذا جن صحابہؓ کے وہ شاگرد یافتہ ہیں ان کو انہوں نے چھتیس رکعات پڑھتے پایا ہے۔ انوار المصابیح (ص ۳۶۸)۔ کیونکہ جب بقول رحمانی صاحب وہبؒ کی صحابہؓ سے روایات مروی ہی نہیں تو پھر وہ بڑے بڑے صحابہؓ کے شاگرد کیسے ہوئے اور انھوں نے صحابہؓ کو چھتیس رکعات کیسے پڑھتے پایا ہے؟ الغرض مولانا نذیر رحمانی صاحب نے جتنے بھی آثار اس دعوی کو ثابت =

اقوال کے سب بیس رکعت سے زائد کے اقوال ہیں: ان اقوال سے صحابہ کرام ﷺ کے بیس تراویح پر اجماع ہو جانے کے دعوی پر تو قدح ممکن ہی نہیں، اسی طرح ان سے ہمارے دوسرے دعوی کہ صحابہ کرام ﷺ کے بعد تمام بلاد اسلامیہ میں بھی بیس رکعات پر عمل قرار پایا'' پر بھی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ بیس رکعات سے زائد جو رکعات پڑھی جاتی رہیں وہ ہمارے دعوی اور موقف کے خلاف نہیں، اس لئے کہ صحابہ کرام ﷺ کے بعد جو اسلاف بیس تراویح سے زائد رکعتیں پڑھتے تھے۔ ان کے نزدیک بھی اصل اور مسنون تراویح بیس رکعات ہی تھیں اور باقی رکعتیں بطور نوافل کے تھیں۔ چنانچہ مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب غیر مقلد علامہ عینیؒ کے ذکر کردہ ان اختلافی اقوال کو نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں: میں کہتا ہوں عمدۃ القاری کے مصنف (علامہ عینیؒ) کے اس مسئلہ میں کلام سے واضح ہے کہ علماء کا تقریباً دس اقوال پر اختلاف قیام رمضان کے مستحب عدد کے بارے میں ہے اس کے مسنون عدد کے بارے میں نہیں [1]۔

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ بیس تراویح سے زائد تراویح کے قائل ہیں وہ بھی بیس تراویح کے مسنون ہونے کو رد نہیں کرتے بلکہ وہ اس اجماعی عمل (بیس تراویح) کو تسلیم کرتے ہوئے مع الزائد رکعات کے قائل ہیں کیونکہ ان حضرات کا نظریہ یہ تھا کہ تراویح کی کم از کم مقدار تو بیس رکعات مقرر ہے لیکن زائد کی کوئی حد مقرر نہیں، اس میں جتنی بھی رکعات کا اضافہ کیا جائے، کار ثواب ہے۔ مثلاً امام مالکؒ اور ان کے متبعین چھتیس رکعات کے قائل ہیں لیکن ان کے نزدیک بھی اصل تراویح بیس رکعات ہی ہیں اور سولہ رکعات زائد بطور نوافل بڑھادی گئی ہیں۔ چنانچہ امام علامہ قسطلانیؒ شرح بخاری میں لکھتے ہیں: وقد قال

= کرنے کیلئے ذکر کیے ہیں کہ عہد عمر ﷺ میں سب صحابہ کرام ﷺ کا بیس تراویح پر اجماع نہیں ہوا، ان میں سے ایک اثر سے بھی یہ دعوی ثابت نہیں ہوتا اور رحمانی صاحب کی اس سلسلہ میں سب کوششیں اور منطقی موشگافیاں بے کار اور لاحاصل ہیں۔ انہوں نے فتاوی قاضی خان وغیرہ سے جو چند آثار نقل کئے ہیں کہ عہد فاروقی اور عہد مرتضوی میں چھتیس رکعتیں پڑھی جاتی تھیں تو یہ سب آثار بھی بلاسند ہیں اور مشہور غیر مقلد اور رحمانی صاحب کے ہم استاد مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں کہ: بلاسند بات مقبول نہیں۔ توضیح الکلام (۱/۱۱۷)

[1] تعداد تراویح (ص ۱۳۷)

المالكية كانت ثلثاوعشرين ركعة ثم جعلت تسعاًوثلاثين ؎۱ ۔
مالکیہ کہتے ہیں کہ تراویح وتر سمیت تیئیس رکعات ہی تھیں پھر سولہ رکعات (بطور نوافل بڑھاکر) انتالیس رکعات (۳۶ تراویح اور ۳ وتر) قرار دی گئیں ۔اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل مکہ ہر ترویحہ (چار رکعت) کے بعد بجائے آرام کرنے کے کعبۃ اللہ کا طواف کرتے تھے تاکہ زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کیا جاسکے اور چونکہ مکہ کے علاوہ دیگر جگہوں میں طواف کی سہولت میسّر نہیں ،اس لیے بیت اللہ سے دور رہنے والے لوگ اہل مکہ کے ساتھ ثواب میں برابری حاصل کرنے کیلئے ہر ترویحہ کے بعد طواف کی جگہ نوافل پڑھنے لگے ان حضرات کے نوافل کی تعداد مختلف تھی چنانچہ جو لوگ ہر ترویحہ کے بعد چار رکعت نفل پڑھتے تھے ،ان کی تراویح کی مجموعی تعداد ان زوائد نوافل سمیت بغیر وتر کے چھتیس اور وتر سمیت انتالیس ہو جاتی تھی ۔
جیسا کہ امام مالک اور اہل مدینہ کا معمول تھا اور کچھ لوگ انتالیس رکعتوں کے علاوہ دو رکعتیں وتر کے بعد پڑھتے تھے تو ان کی رکعات کی مجموعی تعداد اکتالیس ہو جاتی تھی جیسا کے حضرت معاذ بن حارث ابو حلیمہ وغیرہ کا معمول تھا ۔اور جو حضرات صرف ایک ترویحہ (چار رکعت) کا اضافہ کرتے تھے ان کی تعداد چوبیس رکعات اور جو دو ترویحوں کا اضافہ کرتے تھے ان کی رکعات کی تعداد اٹھائیس ہوتی جیسا کہ حضرت سعید بن جبیرؒ وغیرہ کے بارے میں منقول ہے وغیرہ وغیرہ ۔

اس کے بالمقابل جو حضرات (ائمہ ثلاثہ وغیرھم) صرف بیس رکعات کے قائل تھے وہ بھی بیس سے زائد رکعات پڑھنے والوں کو منع نہیں کرتے ۔چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بیس رکعات سے زیادہ پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے کہ پہلے سنت کے مطابق بیس رکعات جماعت سے پڑھے اور باقی سولہ (یا کم وبیش) رکعات تنہا تنہا پڑھی جائیں ؎۲ ۔
اسی طرح امام شافعیؒ فرماتے ہیں :۔رأیت الناس یقومون بالمدینة تسعاًوثلاثین رکعة واحب الی عشرون قال و کذالك یقومون بمکة۔قال ولیس فی شئ من هذه

؎۱ ارشاد الساری شرح البخاری بحوالہ رکعات التراویح (ص ۹۰) از مولانا اعظمیؒ

؎۲ مبسوط للسرخسیؒ (۲/۱۴۴) بحوالہ التوضیح عن رکعات التراویح (ص ۳۶)

ضیق ولاحد ینتھیٰ الیه لانهٗ نافلة،فان اطالواالقیام واقلواالسجود فحسن وھو احب الی،وان اکثرواالرکوع والسجودفحسن[1] ۔

میں نے لوگوں کومدینہ منورہ میں انتالیس رکعات (۳۶تراویح اورتین وتر) پڑھتے ہوئے دیکھا ہےاور میرے نزدیک پسندیدہ بیس رکعات پڑھنا ہےاورمکہ مکرمہ میں بھی لوگ بیس رکعات ہی پڑھتے ہیں لیکن ان (بیس اورچھتیس رکعات میں سے کسی میں کوئی تنگی نہیں اورنہ اس میں کوئی آخری حد ہے کہ وہاں پہنچ کر رک جانا ضروری ہے۔اس لئے کہ یہ نفلی نماز ہے۔لھذا لوگ اگر قیام لمبا کریں اورسجدوں کی تعداد کم کریں یعنی بیس رکعات ہی پڑھیں تووہ اچھاہےاوریہی مجھے زیادہ پسندیدہ ہےاوراگررکوع وسجودزیادہ کریں (اور چھتیس رکعات پڑھیں) تووہ بھی اچھا ہے۔

اسی طرح تیسرے امام،امام احمد بن حنبل کی بھی یہی رائے ہے کہ تراویح کم ازکم بیس رکعات ہی ہیں اور زیادہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ قسطلانیؒ حنبلی علماء سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:التراویح عشرون رکعةولاباْس بالزیادةنصاعن الامام احمد[2] ۔

تراویح کی رکعتیں بیس ہیں اوربیس سےزیادہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

امام احمد سےاس کی تصریح منقول ہے۔



---

[1] قیام اللیل (ص۹۲)، فتح الباری (۳/۳۵۳) [2] ارشادالساری بحوالہ رکعات التراویح (ص۹۱)

اور حنبلی کی معتبر کتاب الاقناع میں امام احمد کا مسلک یوں لکھا ہے

التراويح عشرون ركعة في رمضان يجهر فيها بالقرأة وفعلها جماعة افضل ولا ينقص منها ولا بأس بالزيادة ا۔ تراویح کی رمضان المبارک میں بیس رکعتیں ہیں جن میں جہر سے قرأۃ کی جائے اور ان کو جماعت سے پڑھنا افضل ہے اور بیس سے کم تراویح نہ کی جائیں، البتہ زیادہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس ساری تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ ان ائمہ کرام میں رکعات التراویح کی بابت کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے۔ جو لوگ مثلاً امام مالک وغیرہ بیس رکعات سے زائد پڑھتے تھے ان کے نزدیک بھی اصل تراویح بیس رکعات ہی ہیں اور جو حضرات صرف بیس رکعات کے قائل ہیں وہ بھی بیس رکعات سے زیادہ پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے۔ گویا تمام فریق کم از کم بیس رکعات تراویح کے مسنون ہونے پر متفق ہیں، پھر اس کے بعد کچھ حضرات زائد رکعات کے پڑھنے کو بہتر جانتے تھے اور اکثر حضرات صرف بیس رکعات پڑھنے کو ہی افضل سمجھتے تھے۔ البتہ وہ بیس سے زائد رکعات پڑھنے کو ناجائز نہیں لیتے تھے۔ لھذا علامہ عینیؒ نے بیس تراویح سے زائد کے اقوال ذکر کیے ہیں ان سے نہ تو بیس تراویح پر اجماع صحابہ ﷺ کی نفی ہوتی ہے اور نہ ان سے بیس تراویح پر امت کے تعامل اور توارث کی نفی ہوتی ہے۔ اور جو تین اقوال علامہ عینیؒ نے بیس رکعات سے کم کے نقل کئے ہیں ان میں سے ایک قول سولہ رکعت کا ہے جو کہ ابو مجلزؒ کے بارے میں مروی ہے چنانچہ علامہ عینیؒ نقل کرتے ہیں: انه كان يصلي بهم اربع ترويحات ويقرأ لهم سبع القرآن في كل ليلة رواه محمد بن نصر من رواية عمران بن حدير عن ابي مجلز۔ ۲

یعنی حضرت ابو مجلزؒ لوگوں کو چار ترویحے (سولہ رکعات) پڑھاتے تھے اور ہر رات قرآن مجید کا ساتواں حصہ سناتے تھے۔ لیکن اس اثر سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ابو مجلزؒ صرف سولہ رکعات پر ہی اکتفا کرتے تھے بلکہ اس اثر سے صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقتدیوں کو سولہ رکعات میں قرآن مجید کا ساتواں حصہ سناتے تھے اب ممکن ہے کہ وہ پہلے سولہ رکعات میں اپنی مقررہ مقدار تلاوت لوگوں کو سنا کر باقی چار یا اس

ا کتاب الاقناع (۱/۱۱۹) ۲ عمدۃ القاری (۸/۲۴۵)

سے زائد رکعتیں کسی دوسرے حافظ کے پیچھے پڑھ لیتے ہوں یا اپنے گھر میں اکیلے ہی پڑھ لیتے ہوں کیوں کہ آج بھی بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ ایک حافظ بعض رکعتوں میں اپنی مقررہ مقدار تلاوت سنا کر باقی کسی دوسرے حافظ کے پیچھے مکمل کر لیتا ہے۔ لھذا اس اثر سے یہ ثابت کرنا کہ حضرت ابومجلزؒ صرف سولہ رکعتیں ہی پڑھتے تھے بالکل غلط ہے [1]۔

دوسرے دو قول (گیارہ اور تیرہ رکعات کے) علامہ عینیؒ اور امام سیوطیؒ نے نقل کیے ہیں۔ ان دونوں قولوں کی نسبت امام مالک کی طرف کی جاتی ہے لیکن یہ نسبت ان کی طرف غلط ہے کیونکہ ان کا مسلک اور مستند قول بیس یا چھتیس رکعات کا ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ اگلے باب میں آئے گی۔ دوسری وہ شخصیت جن کی طرف گیارہ رکعات کا قول منسوب کیا جاتا ہے، وہ علامہ ابوبکر بن العربیؒ ہیں لیکن ان کی طرف بھی اس قول کی نسبت غلط ہے۔

علامہ ابن العربیؒ کا مسلک: غیر مقلدین کی طرف سے علامہ ابن العربیؒ کا مسلک گیارہ رکعات ثابت کرنے کیلئے ان کی کتاب عارضۃ الاحوذی سے ایک ادھوری اور نامکمل عبارت پیش کی جاتی۔ اس لیے ہم ان کی پوری عبارت قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں تا کہ ان کا صحیح مسلک سب پر واضح ہو جائے۔

---

[1] بعض غیر مقلدین نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر اس روایت کے الفاظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ابومجلزؒ سولہ ہی رکعتوں کے قائل تھے تو پھر ان روایتوں سے بھی جن میں بیس رکعتوں کا ذکر ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فلاں صحابی یا فلاں تابعی بیس ہی کے قائل تھے۔

جواب: یہ اشکال بالکل غلط ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں تو محدثین کا اتفاق ہے کہ وہ سب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس ہی رکعتیں پڑھتے تھے (محدثین کے یہ حوالے پہلے گزر چکے ہیں) اور کسی محدث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے کہا ہو کہ کسی صحابی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس رکعتوں کے علاوہ کسی عدد تراویح پر عمل کیا ہو۔ لہذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات پر ابومجلزؒ کے اس اثر کو قیاس کرنا غلط ہے۔ اگر عہد فاروقی کے بعد کسی تابعی وغیرہ سے بیس رکعات سے زائد تراویح بطور نوافل پڑھنا ثابت ہو جائے تو یہ ہمارے دعوی اور موقف کے خلاف نہیں ہے۔ لہذا محدثین کی تصریحات (عہد فاروقی میں سب صحابہ رضی اللہ عنہم کا بیس تراویح پر اجماع ہو گیا اور اس کے بعد تمام امت کا یہی اجماعی عمل قرار پایا) کی روشنی میں یہ کہنا حق بجانب ہے کہ حضرت ابومجلزؒ بیس تراویح سے کم کے قائل نہیں تھے۔

علامہ ابن العربیؒ تراویح سے متعلق بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: واما صلوۃ النبی ﷺ فلم يكن لها حد واما التي بعد ذلك فروى مالك عن ابي بن كعب ﷺ كان يقوم بالناس باحدى عشرة ركعة وخالفه الناس فقالوا احدى وعشرين ركعة وروى مالك انهم كانوا يقومون في زمان عمر ﷺ بن الخطاب بثلث وعشرين ركعة وروى ابن القاسم عن مالك تسع وثلاثين والصحيح ان يصلي احدى عشرة ركعة صلوة النبي ﷺ وقيامه فاما غير ذلك من الاعداد فلا اصل له ولا حد فيه فاذا لم يكن بد من الحد فما كان النبي ﷺ زاد في رمضان ولا في غيره على احدى عشرة ركعة وهذه الصلاة هي قيام الليل فوجب ان يقتدي فيها بالنبي ﷺ [1] ۔

یعنی نبی ﷺ کی نماز تراویح میں کوئی حد مقرر نہیں ہے اور ان کے بعد (خلفائے راشدین کے دور میں) تو امام مالکؒ نے حضرت ابن ابی کعب ﷺ سے روایت کی ہے کہ وہ گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور دوسرے محدثین نے (اس میں) ان کی مخالفت کی ہے اور انھوں نے ابی بن کعب ﷺ کی نماز اکیس رکعات ہونا نقل کیا ہے اور خود امام مالکؒ نے بھی روایت کی ہے کہ لوگ حضرت عمر بن خطاب ﷺ کے زمانہ میں تئیس رکعات پڑھتے تھے اور علامہ ابن القاسم نے امام مالکؒ کا مسلک انتالیس رکعات (۳۶ تراویح اور تین وتر) نقل کیا ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ گیارہ رکعات پڑھی جائیں، یہی نبی ﷺ کی نماز اور قیام تھا۔ اس کے علاوہ اعداد کی کوئی اصل نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی حد ہے۔ پس جب کوئی حد مقرر کرنا ضروری ہی ہو تو نبی رسول اللہ ﷺ رمضان ہو یا غیر رمضان گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، یہ نماز آپ ﷺ کی قیام اللیل (تہجد) تھی لہذا ضروری ہے کہ قیام اللیل (تہجد) میں رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کی جائے۔

اب اس عبارت سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ علامہ ابن العربیؒ ہرگز صرف گیارہ رکعات کے قائل نہیں تھے بلکہ وہ تو صاف اقرار کر رہے ہیں کہ نبی ﷺ کی نماز تراویح گیارہ وغیرہ رکعات کی کوئی حد مقرر نہیں اور جس حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

---

[1] عارضۃ الاحوذی (۴/۱۹)

اس کا تعلق ان کے نزدیک نماز تراویح سے نہیں بلکہ نماز تہجد سے ہے۔ کیونکہ انھوں نے اس نماز کو قیام اللیل فرمایا ہے اور قیام اللیل (نماز تہجد) اور قیام رمضان (نماز تراویح) میں بڑا فرق ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں: واما اللیل فھو غیر قیام رمضان [1] ۔ اس کی مزید تفصیل مقدمہ میں گزر چکی ہے۔

اسی طرح علامہ ابن العربیؒ کی عبارت ''والصحیح ان یصلی احدٰی عشرۃ رکعۃ'' کا تعلق بھی تراویح کی بجائے نماز تہجد سے ہے کیوں کہ اگر اس کو تراویح سے متعلق قرار دیا جائے تو پھر ابن العربیؒ کے کلام میں دو طرح کا صریح تناقض لازم آئے گا۔ اوّل یہ کہ اس عبارت میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ گیارہ رکعت پڑھی جائیں یہی نبی ﷺ کی نماز تراویح۔ (علیٰ زعم غیر المقلدین) اور قیام ہے حالانکہ پہلے انھوں نے اس بات سے انکار کیا کہ: واماصلوۃ النبی ﷺ فلم یکن لھاحد کہ نبی ﷺ کی نماز تراویح میں کوئی حد مقرر نہیں۔ ثانیاً یہاں علامہ ابن العربیؒ نے فرمایا ہے کہ گیارہ کے علاوہ جتنے اعداد ہیں ان کی کوئی اصل نہیں حالانکہ پہلے انھوں نے اقرار کیا ہے کہ امام مالک وغیرہ نے ابی بن کعبؓ سے گیارہ، اکیس اور تیئیس رکعات نقل کی ہیں اور ان میں سے بعض کی صحت کا خود غیر مقلدین کو بھی اقرار ہے۔ لھذا علامہ موصوف کی عبارت کو اس صریح تناقض سے بچانے کیلئے لازماً ماننا پڑے گا کہ عبارت کے پہلے حصے کا تعلق تو نماز تراویح سے ہے جبکہ دوسرے حصے (والصحیح ان یصلی احدٰی عشرۃ رکعۃ سے آخر عبارت تک) کا تعلق نماز تہجد سے ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کی نماز تراویح میں تو (گیارہ وغیرہ رکعات کی) کوئی حد مقرر نہیں ہے لیکن ان کی نماز تہجد کی تعداد گیارہ رکعات ہیں اور یہی بہتر ہے۔ گویا علامہ موصوف کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی نماز تراویح کی تعداد مقرر نہیں لیکن نماز تہجد میں آپ سے گیارہ رکعات مروی ہیں۔ فلا تناقض فیھما۔

بالفرض اگر غیر مقلدین کی یہ بات مان ہی لی جائے کہ والصحیح ان یصلی احدٰی عشرۃ رکعۃ کا تعلق بھی نماز تراویح سے ہے تو پھر بھی اس سے غیر مقلدین کا مدّعیٰ ثابت نہیں ہو سکتا کیوں کہ

---

[1] نزل الابرار (ص ۳۰۴)

اس عبارت میں آگے یہ الفاظ بھی ہیں ولا حد فیہ کہ اس میں رکعات کی کوئی حد مقرر نہیں حالانکہ غیر مقلدین اس میں حد کے قائل ہیں اور وہ گیارہ رکعات سے زیادہ پڑھنے کو وہ ناجائز اور بدعت کہتے ہیں۔

لہٰذا ان غیر مقلدین حضرات کا علامہ ابن العربی کو صرف گیارہ رکعات کے قائلین میں کھڑا کرنا باطل ہے اور یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ وہ ہرگز صرف گیارہ رکعات کے قائل نہیں تھے بلکہ وہ امام مالکؒ کے مقلد ہونے کی وجہ سے چھتیس یا انتالیس رکعات کے قائل تھے۔

الحاصل اس ساری تفصیل سے غیر مقلدین کے اس اعتراض کی حقیقت واضح ہوگئی کہ تراویح کے مسئلہ میں ائمہ کرام کا بڑا اختلاف ہے۔ لھذا بیس تراویح پر اجماع یا تعامل کا دعوٰی باطل ہے۔ نیز یہ بات اچھی طرح سے ثابت ہوگئی کہ امت مسلمہ میں کوئی مقتدر ہستی ایسی نہیں گزری جو بیس تراویح سے کم کی قائل ہو۔ علامہ عینیؒ نے جو تین اقوال بیس رکعات سے کم کے نقل کئے ہیں ان کی کوئی اصل نہیں ہے اور دیگر جو اختلافی اقوال انھوں نے بیس رکعات سے زائد کے ذکر کئے ہیں ان سے بیس تراویح پر اجماع صحابہ ؓ اور تعامل امت پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ کیونکہ صحابہ ؓ کے بعد جو لوگ کچھ عرصہ کیلئے بیس رکعات سے زائد رکعتیں پڑھتے رہے ان کے نزدیک بھی اصل تراویح بیس رکعات تھیں اور زائد رکعتیں بطور نوافل کے تھیں اور وہ بھی کچھ عرصہ کیلئے آخر کار پھر پوری امت کا عمل نسلاً بعد النسل بیس رکعات تراویح ہی قرار پایا جیسا کہ کبار علمائے محدثین اور فقہاء کے اقوال کثیر تعداد میں ذکر ہو چکے ہیں لھذا یہ دعوٰی کرنا حق بجانب ہے کہ بیس تراویح پر اجماع صحابہؓ اور اسی پر تعاملِ امت رہا ہے۔

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غیر مقلدین کے اس دعوٰی کا جائزہ لیں کہ امام احمد بن حنبل اور حافظ ابن تیمیہؒ تو رکعات تراویح میں سرے سے کسی حد کے ہی قائل نہیں ہیں تو پھر یہ کیسا اجماع اور تعامل ٹھہرا؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک تو دیگر ائمہ کرام کی طرح بیس رکعات مسنون ہونے کا ہے جیسا کہ مختصراً گزر چکا ہے اور مزید تفصیل انشاءاللہ آئندہ آئے گی۔ ہم یہاں قارئین کے سامنے صرف شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کی اس مسئلہ میں تحقیق پیش کرتے ہیں تا کہ ان کا صحیح موقف اور نظریہ قارئین کو معلوم ہو جائے اور اس کے لئے ان کے فتاوٰی وغیرہ سے بطور اختصار صرف چند اقتباسات قارئین کی نذر کرتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ کی تحقیق:

(۱) حافظ ابن تیمیہؒ کی تحقیق میں رسول اللہ ﷺ سے رکعات تراویح کے متعلق کوئی عدد منقول نہیں ہے۔
چنانچہ وہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں: ان نفس قیام رمضان لم یوقت رسول اللہ ﷺ فیه عددا معیّنا [1]۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے تراویح میں کوئی عدد مقرر نہیں فرمایا۔
(۲) جو حضرات یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ تراویح سے متعلق نبی ﷺ سے کوئی خاص عدد (گیارہ وغیرہ) منقول ہے جیسا کہ آج کل کے غیر مقلدین کا نظریہ ہے، ان کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ومن ظن ان قیام رمضان فیه عدد معین موقت عن النبی ﷺ لا یزید ولا ینقص فقد اخطأ [2]۔ جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ تراویح میں کوئی تعداد معین ہے جو نبی ﷺ نے مقرر فرمائی ہے جسے نہ زیادہ کیا جا سکتا ہے اور نہ کم کیا تو وہ شخص غلطی پر ہے۔
(۳) بعض حضرات گیارہ یا تیرہ رکعات کو سنت ثابت کرنے کیلئے حدیث حضرت عائشہؓ کا سہارا لیتے ہیں لیکن حافظ ابن تیمیہؒ کو ان کا یہ استدلال پسند نہیں۔ اس لئے ان پر رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: وقال طائفة قد ثبت فی الصحیح عن عائشة أن النبی ﷺ لم یکن یزید فی رمضان ولا فی غیرہٗ من ثلاثة عشرہ رکعات واضطرب فی هذا الاصل لما ظنوہ من معارضة الحدیث الصحیح لما ثبت من سنة الخلفاء الراشدین وعمل المسلمین [3]۔
ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ صحیح روایات میں حضرت عائشہؓ سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، حالانکہ اس اصل میں اضطراب ہے کیونکہ علمائے محدثین نے یہ خیال فرمایا ہے کہ یہ روایت اس صحیح حدیث کے معارض ہے جس میں خلفائے راشدین کی سنت اور دیگر مسلمانوں کا عمل (بیس رکعات) ثابت ہے۔

---

[1] مجموعۃ الفتاویٰ (۸۲۰/۱۱) طبع ریاض ثانی ایڈیشن [2] (ایضا) [3] الفتاوی الکبریٰ (۲۷۰/۱) طبع بیروت

(۴) امام ابن تیمیہؒ کا نظریہ بھی دیگر ائمہ کی طرح یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بیس تراویح پر جمع فرمایا تھا اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلا اختلاف حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں بیس تراویح پڑھتے رہے اور یوں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیس تراویح پر اجماع ہوگیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: فلما جمعهم عمر رضی اللہ عنہ علیٰ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کان یصلی بهم عشرین رکعة ثم یوتر بثلاث ۱؎۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع فرمایا تو وہ انھیں بیس تراویح اور پھر تین وتر پڑھاتے تھے۔

نیز حافظ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

قد ثبت ان ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کان یقوم بالناس عشرین رکعة فی قیام رمضان ویوتر بثلاث فرأی کثیر من العلماء ان ذالك هو السنة لانه قام بین المهاجرین والانصار ولم ینکره منکر ۲؎۔ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ لوگوں (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین) کو رمضان المبارک میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ اس لئے اکثر علماء کے نزدیک یہی سنت ہے کیونکہ یہ فعل (بیس تراویح کا) انھوں نے مہاجرین اور انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے کیا اور کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار نہیں کیا۔

(۵) حافظ ابن تیمیہؒ کے نزدیک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی طرح بیس تراویح پڑھی جاتی رہیں۔ چنانچہ جب رافضیوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگایا کہ انھوں نے بیس تراویح کی جماعت قائم کر کے بدعت کا ارتکاب کیا ہے تو حافظ صاحبؒ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے ہوئے رافضیوں کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

لو کان ای عمل عمر رضی اللہ عنہ فی التراویح قبیحا منهیا عنه لکان علی رضی اللہ عنہ ابطله لما صار امیر المومنین وهو بالکوفة فلما کان جاریا ذالك مجری عمر رضی اللہ عنہ دل علی استحباب ذلك بل روی عن علی رضی اللہ عنہ انه قال نوّر الله علی عمر رضی اللہ عنہ قبره کما نوّر علینا مساجدنا ۳؎۔

۱؎ مجموعۃ الفتاوی (۱۱/۵۲۰) ۲؎ الفتاوی الکبری (۱/۲۲۷) ۳؎ منہاج السنۃ (۲/۲۲۴)

اگر حضرت عمر ﷺ فاروق کا بیس تراویح کی جماعت قائم کرنا قبیح اور منھی عنہ ہوتا تو حضرت علی ﷺ اس کو ختم کر دیتے جب وہ کوفہ میں امیر المومنین تھے۔ پس جب ان کے دور میں بھی حضرت عمر ﷺ کا یہ طریقہ جاری رہا تو یہ اس عمل کے اچھا ہونے پر دلالت کرتا ہے بلکہ حضرت علی ﷺ سے نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عمر ﷺ کی قبر کو روشن کرے جس طرح حضرت عمر ﷺ نے ہمارے لئے ہماری مساجد کو روشن کر دیا۔ پھر حافظ صاحبؒ نے ابو عبد الرحمٰن السلمیؒ کے طریق سے حضرت علی ﷺ کی پوری روایت نقل فرمائی ہے جس میں حضرت علی ﷺ کا ایک شخص کو بیس تراویح پڑھانے کا حکم مذکور ہے۔ یہ پوری روایت مع السند پہلے گزر چکی ہے۔

(۲) شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ تراویح کی مختلف صورتیں ذکر کرنے کے بعد اپنی رائے کا یوں اظہار کرتے ہیں: والافضل یختلف باختلاف احوال المصلین فان کان فیهم احتمال لطول القیام فالقیام بعشرة رکعات وثلاث بعدها کما کان النبی ﷺ یصلی لنفسه فی رمضان وغیره هوالافضل، وان کانوا لایحتملونه فالقیام بعشرین هوالافضل وهوالذی یعمل به اکثر المسلمین فانه وسط بین العشرین وبین الاربعین، وان اقام باربعین وغیرها جاز ذالك ولایکره شیء من ذالك[1]۔

افضل صورت تراویح پڑھنے کی ان سب طریقوں میں نمازیوں کے احوال کے اعتبار سے مختلف ہے۔ پس اگر نمازیوں میں لمبا قیام کرنے کی طاقت ہو جس طرح کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں رات کی نماز پڑھتے تھے تب تو افضل یہ ہے کہ دس رکعتیں تراویح کی اور تین رکعتیں وتر کی پڑھی جائیں۔ اور اگر نمازیوں میں لمبا قیام کرنے کی طاقت نہ ہو تو پھر بیس پڑھنا ہی افضل ہے اور اسی پر اکثر مسلمانوں کا عمل ہے اور یہ دس اور چالیس کا درمیانی عدد ہے اور اگر چالیس وغیرہ رکعتیں پڑھی جائیں تب بھی جائز ہے اور ان میں سے کوئی صورت بھی مکروہ نہیں ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ کی مذکورہ عبارت کو اگر سامنے رکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کی

---

[1] مجموعۃ الفتاوی (۱۱/۵۲۰)

تحقیق میں آج کے دور میں بیس تراویح پڑھنا ہی أفضل ہے اوردس یا آٹھ تراویح پڑھنا تب افضل ہے جب نمازیوں میں اتنے لمبے قیام کی طاقت ہو جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ لمبا قیام کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کا رات کی نماز میں کتنا لمبا قیام ہوتا تھا؟ اس کے بارے میں حافظ ابن تیمیہؒ خود ہی لکھتے ہیں کہ: فان النبی ﷺ کان یطیل القیام باللیل حتی قدثبت عنه فی الصحیح من حدیث حذیفه رضی اللہ عنہ انه کان یقرأفی الرکعة بالبقرة والنساء وآل عمران فکان طول القیام یغنی عن تکثیر الرکعات ۱؎۔

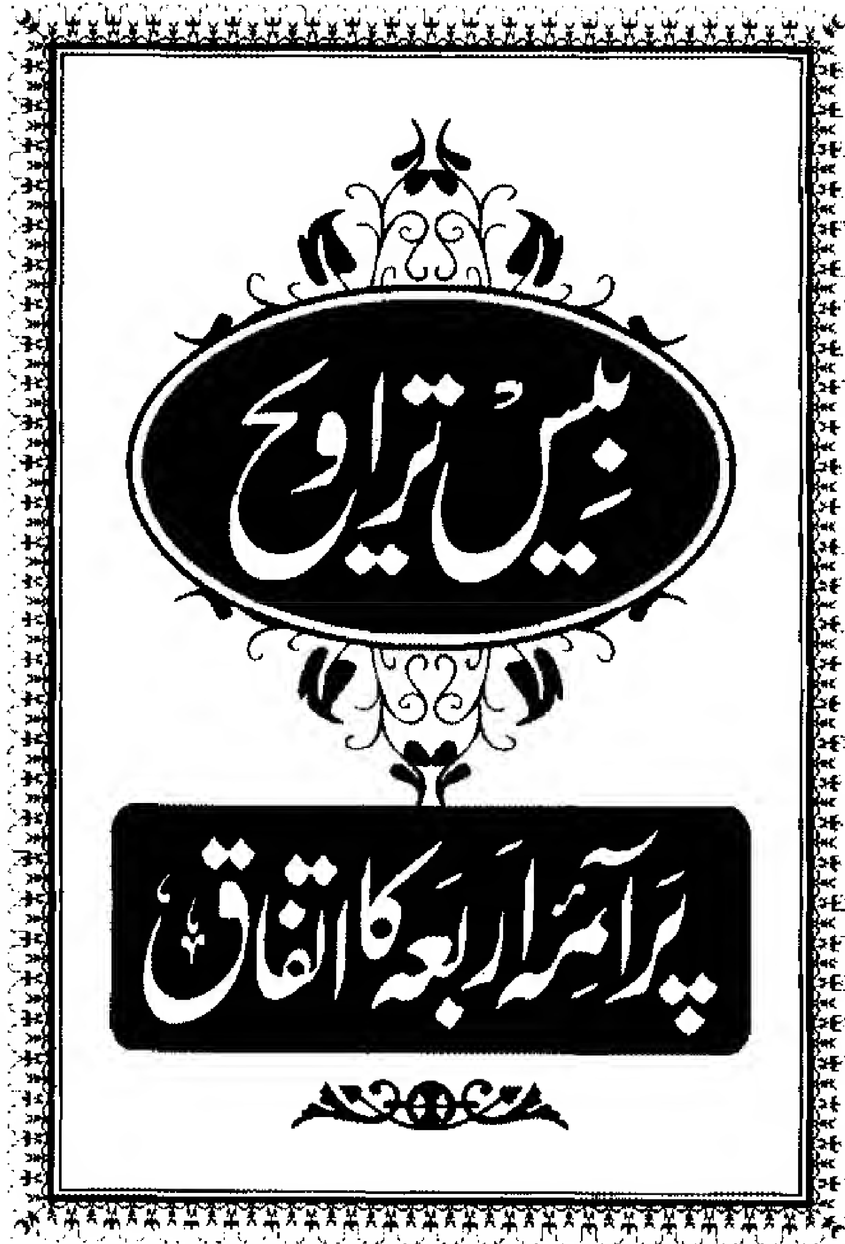
نبی کریم ﷺ رات کی (نفلی) نماز میں طویل قیام کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ صرف ایک رکعت میں سورۃ بقرۃ، سورۃ النساء اور سورۃ آل عمران (تقریباً سوا پانچ پارے) تلاوت فرمادیتے تھے۔ پس آپ ﷺ کا طول قیام ہی رکعات کے زیادہ کرنے کا بدل ہو جاتا تھا۔

ظاہر ہے کہ اب اتنے طویل قیام کی کس میں ہمت اور طاقت ہے کہ صرف ایک رکعت میں سوا پانچ پاروں کی مقدار تلاوت کر سکے؟ کیا غیر مقلدین جو صرف آٹھ تراویح پر ہی اکتفا کر بیٹھتے ہیں وہ اتنا لمبا قیام کرتے ہیں کہ جتنا حافظ ابن تیمیہؒ نبی ﷺ کا قیام بتلا رہے ہیں؟ حالانکہ ان کے قیام کی حالت تو یہ ہے کہ غیر مقلدین کے ہی ایک بزرگ عالم حافظ عبدالمنان نور پوری صاحب اپنے لوگوں کی نماز تراویح کے قیام کی کیفیت بتلاتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ: ہمارے علاقے میں آج کل عملی صورت یہی ہے کہ جو لوگ گیارہ یا تیرہ رکعت پڑھتے ہیں ان کی قرأۃ تیس رکعت پڑھنے والوں کی قرأت کے برابر ہوتی ہے ۲؎۔

پس حافظ ابن تیمیہؒ کی تحقیق کی رو سے آج کے دور میں بیس تراویح پڑھنا ہی افضل ہے اور آٹھ یا دس رکعات پڑھنا تب افضل ہوگا جب نمازیوں میں طویل قیام کرنے کی ہمت ہو اور وہ غیر مقلدین کے ہاں ندارد۔

۱؎ الفتاوی الکبریٰ (۲۲۸/۱) ۲؎ تعداد تراویح (ص۱۷۲)




بیس تراویح
پر آئمہ اربعہ کا اتفاق

پچھلے صفحات میں دیگر مباحث کے ضمن میں ائمہ اربعہ کی رکعات تراویح سے متعلق آراء پر کچھ نہ کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اس باب میں چاروں ائمہ میں سے ہر ایک امام کے مسلک پر سیر حاصل بحث کی جائے گی۔ واللہ الموفق للصواب۔

﴿۱﴾ امام اعظم امام ابوحنیفہ کا مسلک:۔

امام حسن بن زیاد اپنے استاد امام ابوحنیفہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: القیام فی شھر رمضان سنة لاینبغی ترکھایصلی لاہل کل مسجدفی مسجدھم کل لیلة سوی الوتر عشرین رکعة خمس ترویحات بعشرتسلیمات یسلم فی کل رکعتین ۱۔ رمضان المبارک میں تراویح پڑھنا سنت (مؤکدہ) ہے اس کا ترک کرنا جائز نہیں۔ ہر مسجد والوں کیلئے ان کی مسجد میں ہر رات وتر کے علاوہ بیس رکعتیں پڑھی جائیں۔ یہ بیس رکعتیں پانچ ترویحوں اور دس سلاموں کے ساتھ ہوں کہ ہر دو رکعت کے ساتھ سلام پھیرا جائے۔

امام سرخسیؒ فرماتے ہیں: قال ابوحنیفه یصلی عشرین رکعة کماھوالسنة ۲

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تراویح کی بیس رکعتیں پڑھی جائیں جیسا کہ سنت ہے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے تراویح اور حضرت عمرؓ کے (بیس تراویح کے مقرر کرنے کے) عمل کے متعلق پوچھا تو انھوں نے جواب میں فرمایا: التراویح سنة مؤکدة ولم یتخرصه عمرؓ من تلقاء نفسه ولم یکن فیه مبتدعاولم یأمربهاالاعن اصل لدیه وعھدمن رسول اللہ ﷺ ۳۔

تراویح سنت مؤکدہ ہے اور حضرت عمرؓ نے (بیس تراویح مقرر کرکے) اپنی طرف سے کچھ اختراع نہیں کیا اور نہ وہ اس معاملہ میں کوئی بدعت ایجاد کرنے والے تھے۔ انھوں نے جو بھی حکم دیا وہ کسی دلیل کی بناء پر تھا جو ان کے پاس موجود تھی اور ان کا یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے کسی عہد پر مبنی تھا۔

---

۱ فتاوی قاضی خان (۱/۱۲۱) ۲ المبسوط (۲/۱۴۴) للسرخسی

۳ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح (ص ۲۲۴) مع حاشیة الطحطاوی

امام ابوحنیفہؒ کا یہ مسلک فقہ حنفی کی تمام کتب فقہ (قدوری، ہدایہ، کنز الدقائق وغیرہ) اور کتب فتاوی (شامی، عالمگیری، قاضی خان وغیرہ) میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ فلیراجع الیھامن شاء

﴿۲﴾ امام شافعیؒ کا مسلک:۔

حضرت امام شافعیؒ خود فرماتے ہیں: فاماقیام شھررمضان احب الیّ عشرون لانه روی عن عمرؓ و کذلك یقومون بمکة ویوترون بثلث [۱]۔ رمضان المبارک کے قیام (تراویح) میں مجھے بیس رکعت پسند ہیں کیوں کہ یہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے اور مکہ مکرمہ میں بھی لوگ بیس رکعات (تراویح) اور تین وتر پڑھتے ہیں۔

امام ترمذیؒ لکھتے ہیں: واکثراھل العلم علیٰ ماروی عن علی وعمروغیرہ من اصحاب النبی ﷺ عشرون رکعة وھوقول الثوری وابن المبارک والشافعی، وقال الشافعی وھکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة [۲]۔

اکثر اہل علم بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں جیسا کہ حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ سے منقول ہے اور یہی امام سفیان ثوریؒ، امام عبداللہ بن مبارک اور امام شافعیؒ کا قول ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھتے ہی پایا ہے۔

امام شافعیؒ کا یہ بیس رکعات والا مسلک ان کی فقہ کی تمام کتب (شرح مھذب، توشیح وغیرہ) میں مذکور ہے اور بیس تراویح کے علاوہ ان سے کچھ بھی ثابت نہیں۔

﴿۳﴾ امام احمدؒ کا مسلک:۔

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بھی بیس تراویح پڑھنا ہی مسنون ہے اور یہی مسلک ان کا فقہ حنبلی کی معتبر کتب میں مذکور ہے۔ چنانچہ ہم حنبلی کی کتب سے ان کا صحیح مسلک نقل کرتے ہیں ۱۰، ۲۱، کے بعد دیگر فقہ کے علمائے کرام کے حوالوں سے اس پر بحث کریں گے۔ فقہ حنبلی کی سب سے معتبر کتاب المغنی (جس

---

[۱] کتاب الام (۱/۱۲۵)، مختصر المزنی (ص۲۱) [۲] جامع الترمذی (۱/۱۹۱)

کے بارے میں امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: وھو اجل کتب الحنابلۃ ۱؎ ۔

میں امام احمدؒ کا مسلک یوں نقل کیا گیا ہے: والمختار عندابی عبداللہ رحمہ اللہ فیھا عشرون رکعۃ ۲؎ ۔ امام ابوعبداللہ احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تراویح میں مختار بیس رکعات پڑھنا ہے۔

(۲) فقہ حنبلی کی دوسری مستند کتاب الاقناع میں انکا مسلک یوں مذکور ہے: التراویح عشرون رکعۃ فی رمضان یجھر فیھا بالقراءۃ وفعلھا جماعۃ افضل ولاینقص منھا ولاباْس بالزیادۃ ۳؎ ۔ رمضان المبارک میں تراویح کی بیس رکعتیں ہیں جن میں جہر سے قراءت کی جائے اور ان کو جماعت سے پڑھنا افضل ہے۔ بیس سے کم رکعات نہ کی جائیں اور بیس سے زیادہ رکعات پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۳) فقہ حنبلی کی کتاب مقنع میں ہے: ثم تراویح وہی عشرون رکعۃ یقوم بھا فی رمضان فی جماعۃ ۴؎ ۔ تراویح کی بیس رکعات ہیں۔ ان کو رمضان المبارک میں باجماعت ادا کیا جائے۔ اس کتاب کے مصنف خود اپنی کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں: ھذا کتاب فی الفقہ علیٰ مذھب ابی عبداللہ احمدبن حنبل۔ کہ یہ کتاب امام احمد بن حنبلؒ کی فقہ پر مشتمل ہے۔

(۴) کشف القناع میں حنبلی مذہب یوں لکھا گیا ہے: وھی عشرون رکعۃ فی رمضان ۵؎ ۔

(۵) فقہ حنبلی کی کتاب شرح منتہی الارادات میں ہے: وھی عشرون رکعۃ فی رمضان ۶؎ ۔

(۶) حافظ ابن تیمیہ حنبلیؒ بھی امام احمدؒ کا مسلک بیس رکعات تراویح ہی بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ اپنے فتاوی میں رقم طراز ہیں: والتراویح ان صلاھا کمذھب ابی حنیفہ والشافعی واحمد عشرین رکعۃ ۷؎ ۔

۱؎ الحاوی للفتاوی (۱/ ۱۶۸) مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان) ۲؎ کتاب المغنی لابن قدامہ (۱/ ۲۹۸)

۳؎ کتاب الاقناع (۱/ ۱۱۷) بحوالہ رکعات التراویح (ص ۹۱) ۴؎ کتاب المقنع (۱/ ۱۸۳)

۵؎ کشف القناع عن متن الاقناع (ص ۲۲۷) ۶؎ شرح منتہی الارادات (۱/ ۲۵۶) ۔ بحوالہ خیر المصابیح (ص ۴۵)

۷؎ الفتاوی الکبریٰ (۴/ ۲۲۷) مطبوعہ مصر۔

(۷) شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی حنبلی امام احمدؒ کے مسلک کے بارے میں لکھتے ہیں:
والمختار عند احمدؒ عشرون رکعة [1]۔ امام احمد کے نزدیک مختار بیس رکعات تراویح ہیں۔
(۸) شارح بخاری علامہ قسطلانیؒ، حنبلی علماء سے امام احمدؒ کا مسلک یوں نقل کرتے ہیں: التراویح عشرون رکعة ولا بأس بالزیادة نصاعن الامام احمد [2]۔ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں اور بیس سے زائد رکعات پڑھنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ یہی امام احمد بن حنبلؒ کی تصریح ہے۔

حنبلی علماء کے علاوہ دیگر علمائے محققین کے ہاں بھی امام احمدؒ کا مسلک بیس تراویح ہی ہے۔

چنانچہ ابن رشد مالکیؒ لکھتے ہیں: فاختار مالك فی احد قولیه وابوحنیفة والشافعی واحمد وداؤد القیام بعشرین رکعة سوی الوتر۔ [3] امام مالک نے اپنے ایک قول میں اور امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور علامہ داؤد ظاہریؒ نے وتر کے علاوہ بیس رکعات تراویح کو اختیار کیا ہے۔ امام نووی شافعیؒ فرماتے ہیں: هذا مذهبنا وبه قال ابوحنیفه واصحابهٗ واحمد و داؤد وغیرهم [4]۔

بیس تراویح ہی ہمارا مذہب ہے اور امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب، امام احمد اور علامہ داؤد ظاہری اور دیگر علماء بھی اسی کے قائل ہیں۔

امام عبدالوہاب شعرانی رقم طراز ہیں: ومن ذالك قول ابی حنیفة والشافعی واحمد رحمهم اللّٰه تعالیٰ انّ صلوة التراویح فی شهر رمضان عشرون رکعة وان فی الجماعة افضل [5]۔ اور اسی قبیل سے امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا قول ہے کہ نماز تراویح ماہ رمضان المبارک میں بیس رکعات ہیں اور تراویح کو جماعت سے ادا کرنا افضل ہے۔ علامہ محمد بن عبدالرحمن شافعیؒ فرماتے ہیں: فالمسنون عند ابی حنیفة والشافعی واحمد عشرون رکعة [6]۔ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعی اور امام احمدؒ کے نزدیک مسنون تراویح کی بیس رکعتیں ہیں۔

---

[1] مجموعۃ مؤلفات شیخ ابن عبدالوہابؒ (۴/۱۱۷) [2] ارشاد الساری بحوالہ رکعات التراویح (ص ۹۱)
[3] بدایۃ المجتہد (۱/۱۵۶) [4] مجموع شرح مہذب (۴/۳۲) [5] المیزان الکبریٰ (ص ۱۵۳) [6] رحمۃ الامۃ (ص ۲۳)

قارئین! حنبلی وغیر حنبلی علمائے محققین کے مذکورہ بیانات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امام احمدؒ کا مسلک بھی دیگر ائمہ کرام کی طرح بیس تراویح کے مسنون ہونے کا ہے اور ان کے نزدیک بیس سے کم تراویح پڑھنا جائز نہیں ان کا یہی قول ان کی تمام کتب فقہ میں مذکور ہے اور تمام حنبلی المسلک علماء بھی اپنے امام کی اتباع میں بیس تراویح کے ہی قائل ہیں اور آج بھی حرمین شریفین کے ائمہ جو حنبلی المسلک ہیں، رمضان المبارک میں بیس تراویح ہی پڑھاتے ہیں۔ والحمدللّٰہ علیٰ ذلك۔

اب غیر مقلدین کی ہٹ دھرمی ملاحظہ کیجئے کہ وہ ان ٹھوس اور کثیر حوالہ جات کے باوجود امام احمدؒ کا مسلک بیس تراویح ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں اور یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ امام احمدؒ تو سرے سے کسی حد کے قائل ہی نہیں تھے اور استدلال میں امام احمد کا ایک مجمل قول پیش کرتے ہیں جس کو امام ترمذیؒ نے پیش کیا ہے۔ چنانچہ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: قال احمد روی فی هذا الوان لم یقض فیه شیئ [1]۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ رکعات تراویح میں مختلف روایات ہیں۔ انھوں نے کسی خاص چیز کا فیصلہ نہیں کیا۔ لیکن غیر مقلدین کا اپنے موقف پر اس قول سے استدلال کرنا باطل ہے کیونکہ :

(۱) امام ترمذیؒ کا یہ نقل کردہ قول تحدید رکعات کے بیان سے ساکت ہے جبکہ اس کے بالمقابل دیگر بہت سے ائمہ ناقلین کے نقل کردہ اقوال تحدید رکعات (بیس رکعات) میں ناطق ہیں اور یہ مشہور اور مسلمہ قاعدہ ہے کہ ناطق کو ساکت قول پر ترجیح ہوتی ہے۔

(۲) ہم نے پیچھے تفصیل سے فقہ حنبلی کی معتبر کتابوں سے ثابت کر دیا ہے کہ امام احمدؒ کا مختار قول بیس رکعات کا ہی ہے۔ اب اس کے مقابلے میں امام ترمذیؒ جو غیر حنبلی المسلک ہیں، کے ایک مجمل قول کی کوئی حیثیت نہیں رہتی کیوں کہ کسی صاحب مذہب کے متعلق وہی قول معتبر سمجھا جا سکتا ہے جو اس کے اہل مذہب کی اپنی کتابوں میں منقول ہو۔ اس کے مقابلے میں کسی غیر اہل مذہب کا نقل کردہ قول خواہ وہ ناقل کتنا ہی ثقہ ہو، غیر معتبر اور شاذ سمجھا جاتا ہے کیوں کہ صاحب البیت ادریٰ بمافیه۔

---

[1] ترمذی (۹۹/۱)

(۳) بالفرض اگر امام ترمذیؒ کے اس نقل شدہ قول کو معتبر بھی مان لیا جائے تو پھر اس قول کا تعلق بیس تراویح سے زائد رکعات سے ہوگا کیوں کہ پہلے حنبلی علماء کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ امام احمد بیس تراویح سے کم پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے البتہ بیس سے زائد جتنی بھی رکعات پڑھی جائیں وہ ان میں اختیار دیتے ہیں۔

اب امام ترمذیؒ کے قول کا مطلب یہ ہوگا کہ: امام احمدؒ نے فرمایا (بیس رکعات سے زائد) تراویح میں مختلف روایات (۲۰ سے لے کر ۴۱ رکعات تک) مروی ہیں اور انھوں نے (بیس سے زائد) رکعات مقرر کرنے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے بیس سے لے کر اکتالیس تک مختلف اقوال ذکر کئے ہیں لیکن بیس سے کم کا ایک قول بھی ذکر نہیں کیا معلوم ہوا کہ امام ترمذیؒ کے نزدیک بھی امام احمدؒ کے قول کا تعلق بیس سے زائد رکعات کے متعلق ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۴) امام مالکؒ کا مسلک: امام مالکؒ سے رکعات تراویح کی بابت دو روایتیں منقول ہیں:

نمبر ۱: بیس رکعات جیسا کہ دیگر ائمہ ثلاثہ وغیرہم کا مذہب ہے اور مالکیہ میں سے علامہ ابن عبد البرؒ وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے اور فقہ مالکی کی کتب انوار ساطعہ اور دسوقی وغیرہ میں امام مالکؒ کا یہی مسلک مذکور ہے۔

نمبر ۲: چھتیس رکعات، اور اسی قول کو اکثر مالکیوں نے اختیار کیا ہے اور یہی امام مالکؒ کا مشہور اور معتبر قول ہے۔ اس قول کو امام مالکؒ سے ان کے دو شاگردوں (علامہ ابن القاسم اور علامہ ابن ایمن) نے براہ راست نقل کیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن رشد مالکیؒ اور علامہ ابوبکر بن العربی مالکیؒ لکھتے ہیں: وذکر ابن القاسم عن مالك انه كان يستحسن ستا وثلثين ركعة والوتر ثلث [۱] - علامہ ابن القاسمؒ نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ چھتیس رکعات (تراویح) اور تین رکعات وتر پڑھنے کو پسند کرتے تھے۔

﴿ف﴾ امام عبد الرحمٰن بن قاسمؒ امام مالکؒ کے براہ راست اور جلیل القدر شاگرد ہیں جو فقہ مالکی کے مدون بھی ہیں۔ تمام ائمہ رجال (امام نسائی، امام حاکم، امام خطیب، امام ابن حبان، امام یحیٰی بن معین، امام ابوزرعہ) وغیرہ نے ان کی توثیق و تعریف کی ہے [۲]۔

---

[۱] بدایۃ المجتهد (۱/۱۵۲)، عارضۃ الاحوذی (۴/۱۹) [۲] دیکھئے "تهذیب التهذیب" (۶/۲۵۲)

مالکیوں کے نزدیک امام مالکؒ کی سب سے معتبر روایت وہی سمجھی جاتی ہیں جو ان سے ابن القاسم نے نقل کی ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: اعتمادهم في الاحكام والفتوىٰ على ما رواه ابن القاسم عن مالك سواء وافق مافي الموطا ام لا ۱

مالکیوں کے نزدیک اعتماد اور دارومدار احکام اور فتاوٰی میں اس روایت پر ہوتا ہے جو ابن القاسم امام مالک سے روایت کریں چاہے وہ روایت مؤطا امام مالک کے موافق ہو یا نہ ہو۔

امام مالک کے دوسرے ثقہ شاگرد علامہ ابن الایمنؒ نے بھی ان سے انتالیس رکعات وتر سمیت نقل کی ہیں۔ چنانچہ علامہ عینیؒ لکھتے ہیں: روى ابن الايمن عن مالك قال يستحب ان يقوم الناس في رمضان بثمان وثلثين ركعة يسلم الامام والناس ثم يوتربهم واحدة ۲۔

علامہ ابن ایمنؒ نے امام مالکؒ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ مستحب ہے کہ لوگ رمضان المبارک میں اڑتیس رکعات پڑھیں پھر امام اور مقتدی سلام پھیر دیں اور پھر امام انھیں ایک رکعت وتر پڑھائے۔ علامہ عینیؒ اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ابن ایمن نے وتر کی دو رکعت تراویح کے ساتھ شامل کر دی ہیں اور ان سب اڑتیس رکعات کو قیام رمضان (تراویح) کا نام دے دیا ہے ورنہ امام مالکؒ سے مشہور روایت چھتیس رکعات اور تین وتر ہیں (جیسا کہ ابن القاسمؒ نے ان سے نقل کیا ہے)۔ بہر حال دونوں صورتوں میں تعداد ایک ہی ہے یعنی انتالیس رکعات مع الوتر۔ ۳

پس جب امام مالکؒ سے ان کے دونوں شاگرد وتر سمیت انتالیس رکعات نقل کر رہے ہیں اور فقہ مالکی کی اکثر کتابوں میں امام مالک کا یہی قول درج ہے تو اسی قول کو ترجیح دی جائے گی اور مالکیوں کے علاوہ دیگر مذاہب کے علمائے محققین نے بھی امام مالک سے یہی چھتیس رکعات کا قول نقل کیا ہے۔

(۱) چنانچہ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں: وقال مالك ستة وثلاثون ۴۔ امام مالک چھتیس رکعات تراویح کے قائل ہیں۔

(۲) امام نوویؒ فرماتے ہیں: وقال مالك التراويح تسع ترويحات وهي ستة وثلاثون

---

۱ تعجیل المنفعة (ص۴) ۲ عمدة القاری (۸/۲۴۵) طبع دار الفکر بیروت ۳ ایضاً ۴ المغنی (۱/۸۰۲)

رکعة غیر الوتر[1] ۔امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تراویح نو ترویحے ہیں اور یہ وتر کے علاوہ چھتیس رکعتیں بنتی ہیں۔

(۳)حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: عن مالك ست وثلاثون وثلاث الوتر وھذا ھو المشھور[2]۔

امام مالکؒ سے چھتیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر منقول ہیں اور یہی ان کا مشہور قول ہے۔

(۴)علامہ ابن عبدالرحمن شافعیؒ لکھتے ہیں: وحکی عن مالك ان التراویح ست وثلثون [3]

امام مالک سے چھتیس رکعات تراویح منقول ہیں۔

(۵)امام سیوطیؒ لکھتے ہیں: وعن مالك التراویح ست وثلثون رکعة غیر الوتر [4]۔

امام مالک سے روایت ہے کہ تراویح کی وتر کے علاوہ چھتیس رکعتیں ہیں۔

(۶)علامہ بدرالدین عینیؒ تحریر کرتے ہیں: وعندمالك تسع ترویحات بستة وثلاثین رکعة غیرالوتر[5] ۔امام مالکؒ کے نزدیک نو ترویحے یعنی وتر کے علاوہ چھتیس رکعات ہیں۔ نیز علامہ عینیؒ لکھتے ہیں: فالمشھورعن مالك ست وثلاثون والوتربثلاث [6]۔

امام مالک کا مشہور قول چھتیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر کا ہے۔

(۷)برصغیر کے مشہور محدث شیخ عبدالحق محدث دھلویؒ لکھتے ہیں: وقال مالك ست وثلثون اوتسع وثلثون مع الوتر [7] ۔امام مالکؒ (بغیر وتر کے) چھتیس اور وتر سمیت انتالیس رکعات کے قائل ہیں۔

(۸)علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں: وعن مالك ست وثلاثون[8] ۔امام مالک سے چھتیس رکعات نقل کی گئی ہیں۔

(۹)علامہ شوکانیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں: وقال مالك الامرعندناتسع وثلاثون۔ [9]

---

[1] (مجموع شرح مھذب (۳۲/۴) [2] فتح الباری (۲۵۲/۴) [3] رحمۃ الامۃ (ص۲۳) [4] مصابیح (ص۹)
[5] العنایۃ شرح ہدایہ (۸۶۷/۱) [6] عمدۃ القاری شرح بخاری (۲۴۵/۸) [7] ماثبت بالسنۃ مع ترجمہ مومن کے ماہ وسال (ص۲۱۷) [8] ردالمحتار (۵۱۱/۱) [9] نیل الاوطار (۶۱/۳)

امام مالک فرماتے ہیں کہ تراویح کا حکم ہمارے نزدیک تین وتر سمیت انتالیس رکعات ہیں۔

(۱۰) مولانا میاں غلام رسول صاحب غیر مقلد فرماتے ہیں: سند امام مالك درست وثلاثين

عمل اہل المدینة [illegible]

امام مالک کی دلیل چھتیس رکعات کے بارے میں اہل مدینہ کا عمل لکھا گیا ہے۔

تلك عشرة كاملة۔

---

1 رسالہ تراویح مع ینابیع (ص ۳۷)

علمائے کرام کے ان کثیر بیانات کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ مالکی علماء کی طرح غیر مالکی علماء کے نزدیک بھی امام مالک کا صحیح اور مشہور قول چھتیس رکعات تراویح کا ہے اور یہ بات خود غیر مقلدین کے دو چوٹی کے بزرگوں کو بھی تسلیم ہے لیکن اس کے باوجود بعض غیر مقلدین ان سب حوالہ جات سے بالکل آنکھیں بند کر کے امام مالک کا مذہب آٹھ تراویح کا بتلاتے ہیں۔

؎ بسوخت عقل زحیرت ایں چہ بوالعجبیست

یہ لوگ استدلال میں علامہ عینیؒ کا ایک بلاسند قول اور علامہ سیوطیؒ کا ایک ضعیف قول جس کی سند نہایت منقطع ہے پیش کرتے ہیں۔لیکن ان کا یہ استدلال باطل ہے۔ پہلے علامہ عینیؒ کے ذکر کردہ قول کا جواب ملاحظہ کریں۔اس کے بعد علامہ سیوطیؒ کے منقولہ قول پر بحث کی جائے گی۔

علامہ عینیؒ کے امام مالک سے ذکر کردہ گیارہ رکعات والے قول کی حقیقت: اولاً علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں امام مالک سے جو گیارہ رکعات کا قول نقل کیا ہے اس کی کوئی سند یا حوالہ پیش نہیں کیا۔ اس کے بالمقابل انھوں نے امام مالک سے جو انتالیس رکعات مع الوتر کا قول پیش کیا ہے اس کو انھوں نے مع السند ذکر کیا ہے،لھذا گیارہ رکعات والا قول انتالیس رکعات والے قول کے مقابلے میں مرجوح ہے۔ثانیا: علامہ عینیؒ نے خود عمدۃ القاری، العنایہ شرح ہدایہ وغیرہ اپنی کتابوں میں تصریح کی ہے کہ امام مالک کا مذہب چھتیس رکعات کا ہے بلکہ انھوں نے عمدۃ القاری میں تو اسی قول کو ان کا مشہور قول بتلایا ہے۔ جیسا کے یہ حوالے پہلے گزر چکے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ خود علامہ عینیؒ کے ہاں بھی امام مالک کی طرف منسوب گیارہ رکعات کا قول غیر مشہور اور شاذ ہے۔اب جو قول خود ناقل کے نزدیک غیر مشہور اور شاذ ہے اس شاذ قول سے امام مالک کا مذہب گیارہ رکعات نقل کرنا۔ ع مدعی سست گواہ چست کا مصداق ہے۔

ثالثاً: علامہ عینیؒ نے امام مالک کا جو قول چھتیس رکعات کا نقل کیا ہے، وہ امام مالک کے براہ راست شاگردوں (علامہ ابن القاسم، علامہ ابن الایمن) وغیرہ کی روایات کے موافق ہے اور ان کا یہی قول فقہ مالکی کی کتب میں مذکور ہے، جبکہ گیارہ رکعات کا قول نہ تو امام مالک کے کسی شاگرد نے ان سے نقل کیا ہے اور نہ ہی یہ قول فقہ مالکی کی کسی کتاب میں درج ہے۔لھذا صحیح قول ان کا چھتیس رکعات ہے اور ان کی

طرف منسوب گیارہ رکعات کا قول ضعیف اور غیر معتبر ہے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ کے ذکر کردہ قول کی حقیقت:

علامہ سیوطیؒ نے مصابیح اور الحاوی میں امام مالک سے گیارہ رکعات کا قول یوں نقل کیا ہے:

قال الجوری من اصحابنا عن مالك انه قال الذی علیه الناس عمر بن الخطاب ﷺ احب الی وهواحدی عشرر کعة[1] ۔لیکن غیر مقلدین کا اس قول سے بھی استدلال باطل ہے۔اولاً: اس قول کے ناقل علامہ سیوطیؒ نے خود تصریح کی ہے کہ امام مالک کا مذہب چھتیس رکعات تراویح کا ہے۔ سیوطیؒ کا یہ حوالہ پہلے گزر چکا ہے۔لھذا یہ قول خود ناقل کے نزدیک بھی غیر معتبر ہے۔جو قول خود ناقل کے ہاں بھی غیر معتبر ہو اس سے استدلال کرنا چہ معنٰی دارد؟

ثانیاً: امام مالک سے اس قول کو روایت کرنے والے جوری ہیں اور ان کی ملاقات امام مالک سے تو کجا ان کے شاگردوں سے بھی ثابت نہیں، کیونکہ امام مالکؒ کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی [2] ۔جبکہ جوری [3] ۔ کی پیدائش ۲۳۸ھ کی ہے یعنی وہ امام مالک کی وفات کے ۵۹ سال بعد پیدا ہوئے۔ان کا نام علی بن الحسین القاضی ہے اور وہ علامہ ابو بکر نیشاپوری کے شاگردوں میں سے ہیں اور شافعی المسلک ہیں [4] ۔ جوری سے اس قول کو نقل کرنے والے علامہ سیوطیؒ کی ولادت ۸۴۹ھ میں ہوئی۔اب جوری اور ان سے ناقل علامہ سیوطی کے درمیان سینکڑوں سال کا طویل عرصہ ہے اور درمیان میں سند کی کئی کڑیاں غائب ہیں۔گویا نہ اس قول کے راوی کی ملاقات اپنے مروی عنہ سے ہے اور نہ ہی ناقل کی ملاقات منقول عنہ سے ہے۔لھذا ایسے منقطع السند قول پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے، جب کہ یہ قول امام مالکؒ کے براہ راست شاگردوں کی روایات کے بھی مخالف ہے۔اب غیر مقلدین کے بوالعجبی ملاحظہ کریں کہ جو بات امام مالکؒ

---

[1] المصابیح (ص ۸)، الحاوی (ص) [2] تقریب (۲/۱۵۲) [3] بعض غیر مقلدین اس سند کے انقطاع پر پردہ ڈالنے کیلئے جوری کی جگہ جوزی یا ابن الجوزی کہہ دیتے ہیں حالانکہ ان کا نام نہ جوزی ہے اور نہ ابن الجوزی ہے بلکہ جوری ہے چنانچہ علامہ تاج الدین سبکیؒ لکھتے ہیں: علی بن الحسین القاضی ابوالحسین الجوری بضم الجیم ثم الواؤ الساکنه ثم الراء نسبة الیٰ جور بلدة من بلاد فارس۔طبقات الشافعیة (۲/۳۰۷)

[4] دیکھئے طبقات الشافعیہ (۲/۳۰۷)

سے ان کے شاگرد نقل کرر ہے ہیں تمام محققین اسے (چھتیس رکعات کو) ہی امام مالکؒ کا مذہب بتلاتے ہیں اور یہی قول فقہ مالکی کی کتب میں مذکور ہے بلکہ خود غیر مقلدین کے اپنے اکابر (قاضی شوکانی اور غلام رسول صاحب وغیرہ کو بھی امام مالک کا مسلک یہی ہونا تسلیم ہے لیکن اس کے باوجود غیر مقلدین کے ہاں امام مالک کا یہ قول تو قابل اعتماد نہیں لیکن اس کے برخلاف جس قول کو علامہ عینیؒ نے بلاسند اور علامہ سیوطیؒ نے نہایت منقطع سند کے ساتھ ذکر کیا ہے (حالانکہ علامہ عینیؒ اور علامہ سیوطیؒ کے نزدیک بھی امام مالک کا مذہب چھتیس رکعات کا ہے) وہ قول ان کے نزدیک قابل اعتماد ہے۔

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھئے !

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے !

الغرض امام مالکؒ کا مذہب چھتیس رکعات تراویح کا ہے اور گیارہ رکعات والے قول کی نسبت ان کی طرف غلط ہے اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ امام مالکؒ اور دیگر اہل مدینہ کے نزدیک تراویح کی اصل رکعات بیس ہی تھیں لیکن پھر انھوں نے اہل مکہ کے ساتھ ثواب میں برابری حاصل کرنے کیلئے سولہ نوافل کا اضافہ کرلیا جس کی وجہ سے تراویح کی تعداد چھتیس رکعات ہوگئی، چنانچہ امام نوویؒ، علامہ ابن قدامہ اور دیگر محققین اہل مدینہ کے ان سولہ رکعات کے اضافہ کی وجہ میں لکھتے ہیں: وسببه ان اهل مكة كانوا يطوفون بين كل ترويحتين طوافاًويصلون ركعتين ولايطوفون بين الترويحة الخامسة فارادواهل المدينةمساواتهم فجعلوامكان كل طواف اربع ركعات نزادواست عشرةركعةواوتروبثلاث فصارالمجوع تسعاوثلاثين [1]۔

امام مالک اور دیگر اہل مدینہ کا چھتیس رکعات پڑھنے کا سبب یہ ہے کہ اہل مکہ ہر دو ترویحوں کے درمیان یعنی چار رکعات کے بعد کعبۃ اللہ کا طواف کرتے تھے اور دو رکعت طواف کی پڑھتے تھے جبکہ پانچویں ترویحہ کے بعد طواف نہیں کرتے تھے۔ لھذا اہل مدینہ نے ان کے ساتھ برابری کیلئے ہر طواف کی جگہ چار رکعات

[1] مجموعہ شرح مھذب اللنووی (۴/۱۳۳)۔ المغنی لابن قدامہ (۱/۸۰۲)، مصابیح للسیوطی (ص ۹)، ارشاد الساری (؟) عینی شرح ھدایۃ (۱/۸۶۷)، ماثبت بالسنۃ مترجم للشیخ عبدالحق دھلویؒ (۳۶۴) وغیرہ

زائد پڑھنا مقرر کر لیں اور سولہ رکعات کا اضافہ کر دیا اور تین رکعتیں وتر کی پڑھتے تھے۔ اس طرح ان کی تراویح کی مجموعی تعداد وتر سمیت انتالیس رکعات ہوگئی۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ امام مالک کے نزدیک بھی دیگر ائمہ ثلاثہ کی طرح اصل تراویح بیس رکعات ہی تھیں اس طرح بیس تراویح پر چاروں ائمہ کرام کا اتفاق ہے اور ان میں سے کوئی بھی امام بیس رکعات سے کم تراویح کا قائل نہیں ہے۔

ائمہ اربعہؒ کی اتباع سواد اعظم کی اتباع ہے:

چونکہ ائمہ اربعہؒ کے مقلدین ہر دور میں اکثریت میں رہے ہیں اور اب تو تمام عالم کے مسلمان سوائے شرذمہ قلیلہ (غیر مقلدین) کے سب ائمہ اربعہ کے ہی مقلد ہیں اور دیگر تمام مذاہب ختم ہو چکے ہیں۔ اس لئے اب ائمہ اربعہ کی اتباع ہی سواد اعظم کی اتباع ہے اور ان کے مذاہب سے خروج سواد اعظم سے خروج ہے۔ چنانچہ امام الھند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔: قال رسول اللہ ﷺ اتبعوا سوادالاعظم ولما اندر ست المذاہب الحقۃالاھذہ الاربعۃ کان اتباعھا اتباعا لسود الاعظم والخروج عنھاخروجاعن السوادالاعظم [1]۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سواد اعظم کی پیروی کرو، اور جب کہ ان مذاہب اربعہ کے سوا باقی مذاہب حقہ مٹ چکے ہیں تو اب ان مذاہب کا اتباع سواد اعظم کا اتباع ہوگا اور ان سے خروج سواد اعظم سے خروج ہوگا۔ پہلے گزر چکا ہے کہ بیس تراویح پر چاروں ائمہ کرام متفق ہیں اور ان میں سے کوئی بیس تراویح سے کم کا قائل نہیں۔ لھذا جو شخص بھی بیس تراویح سے کم کا قائل ہوگا وہ بقول حضرت شاہ ولی اللہؒ سواد اعظم سے نکلنے والا شمار ہوگا اور جو آدمی اپنے آپ کو سواد اعظم میں سے نکالتا ہے اس کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے: فانہ من شَذَّ شُذَّ فی النار الحدیث [2]۔ کہ جو سواد اعظم سے جدا ہوا وہ آگ میں ڈال دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمین کو ہمیشہ سواد اعظم کی اتباع میں ہی قائم رکھے اور سواد اعظم سے نکلنے کے وبال سے ہر ایک کو بچائے آمین۔

---

[1] عقد الجید (ص ۳۷) بحوالہ اختلاف امت اور صراط مستقیم (ص ۲۹۴) [2] مشکوۃ (ص ۳۰)

بیس تراویح ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے علاوہ دیگر علمائے امت کی نظر میں

جس مسئلہ پر ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا اتفاق ہو جائے اس پر مزید کسی شخصیت کا حوالہ دینے کی ضرورت تو نہیں کیونکہ فیہ کفایۃ لمن لہ ھدایۃ لیکن چونکہ ہمارا مقصد اپنے قارئین کی ہر ممکن تسلی کرانا ہے اس لئے ائمہ اربعہ کے ارشادات عالیہ کے بعد بیس تراویح پر دیگر علمائے امت میں سے بھی چیدہ چیدہ اور متفق علیہ شخصیات کی آراء حوالہ قرطاس کی جاتی ہیں تاکہ یہ اجماعی مسئلہ قارئین کے سامنے بالکل واضح ہو جائے۔

(۱) قطب ربانی، محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں: صلوۃ التراویح سنۃ النبی ﷺ......وھی عشرون رکعۃ [۱]۔

نماز تراویح نبی ﷺ کی سنت ہے......اور تراویح بیس رکعات ہیں [۲]۔

(۲) قطب العارفین امام عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں: ان صلوۃ فی شھر رمضان عشرون رکعۃ وانھا فی الجماعۃ افضل [۳]۔ بے شک نماز تراویح رمضان المبارک میں بیس رکعات ہیں اور ان کو جماعت سے ادا کرنا افضل ہے۔

(۳) حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد غزالیؒ تحریر کرتے ہیں: التراویح وھی عشرون رکعۃ وکیفتھا مشھورۃ وھی سنۃ مؤکدۃ [۴]۔ تراویح بیس رکعات ہیں جن کی کیفیت مشہور ہے اور یہ سنت مؤکدہ ہیں۔

---

[۱] غنیۃ الطالبین (ص ۴۶۵) [۲] تنبیہ:۔ غیر مقلدین کے مطبع مکتبہ سعودیہ کراچی نے جو غنیۃ الطالبین طبع کی ہے اس میں انہوں نے تحریف کر کے شیخ جیلانیؒ کے رکعات تراویح کے متعلق الفاظ: وھی عشرون رکعۃ (تراویح کی بیس رکعتیں ہیں) کو وھی احدیٰ عشرۃ مع الوتر (تراویح کی وتر سمیت گیارہ رکعتیں ہیں) سے بدل دیا ہے۔ انا للہ...... غیر مقلدین کی اس بے رحمانہ تحریف پر بہت سے دلائل پیش کئے جا سکتے ہیں لیکن بطور اختصار صرف ایک حوالہ جو ان کے محدث اعظم مولانا عبداللہ روپڑی کا ہے پیش خدمت ہے۔ چنانچہ مولانا لکھتے ہیں:۔ غنیۃ الطالبین کی عبارت وھی عشرون رکعۃ حدیث کے الفاظ نہیں بلکہ یہ غنیۃ الطالبین والے کی اپنی عبارت ہے۔ فتاویٰ اہل حدیث (۱/۲۶۱)۔ اب غیر مقلدین کی اس تحریف پر اس سے بڑی اور دلیل کیا ہو سکتی ہے؟ [۳] میزان (ص ۱۵۳) [۴] احیاء العلوم (۱/۱۳۹)

(۴) شارح مسلم امام محی الدین نوویؒ لکھتے ہیں: اعلم ان صلوۃ التراویح سنۃ باتفاق المسلمین وھی عشرون رکعۃ یسلم من کل رکعتین ۱ ۔ جان لو کہ نماز تراویح باالاتفاق تمام مسلمانوں کے نزدیک سنت ہے اور یہ بیس رکعات ہیں جن میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے۔

(۵) مشہور محدث اور فقیہ، حافظ المغرب علامہ ابن عبدالبرؒ بیس تراویح کے متعلق فرماتے ہیں: وھو قول جمہور العلماء، وھو الاختیار عندنا ۲ ۔ یہ بیس تراویح جمہور علماء کا قول ہے اور ہمارے (مالکیہ) نزدیک بھی یہی پسندیدہ ہے۔

(۶) مشہور محقق، شارح حدیث امام سبکیؒ فرماتے ہیں: ومذھبنا ان التراویح عشرون رکعۃ ۳ ۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ تراویح بیس رکعات ہیں۔

(۷) شیخ الاسلام امام ابوزکریا انصاریؒ رقمطراز ہیں: وھی عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات فی کل لیلۃ فی شھر رمضان ۴ ۔ تراویح رمضان المبارک کی ہر رات میں دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعتیں ہیں۔

(۸) شیخ احمد الدردیر مالکیؒ لکھتے ہیں: وھی ثلاث وعشرون رکعۃ بالشفع والوتر کما کان علیہ العمل۔ ۵ تراویح وتر سمیت تیئس رکعات ہیں، جیسا کہ اسی پر عمل بھی ہے۔

(۹) امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: وعددہ عشرون رکعۃ وذلک انھم رأوا النبی ﷺ شرع للمحسنین احدی عشرۃ رکعۃ فی جمیع السنۃ فحکموا انہ لاینبغی ان یکون حظ المسلم فی رمضان عند قصدہ الافتحام فی لجۃ التشبہ بالملکوت اقل من ضعفھا ۶ ۔ اور قیام رمضان (تراویح) کی بیس رکعتیں ہیں اور یہ اس لئے کہ صحابہ کرام ؓ نے دیکھا کہ نبی ﷺ نیکو کاروں کیلئے (تہجد) کی گیارہ رکعتیں پورا سال

---

۱ کتاب الاذکار (ص ۸۳) ۲ طرح التثریب فی شرح التقریب (۸۸/۳) ۳ المصابیح (ص ۱۴)
۴ شرح روضۃ الطالب (۲۰۰/۱) بحوالہ القول المبین (ص ۲۵۱) ۵ شرح الکبیر (۳۱۵/۱)
۶ حجۃ اللہ البالغۃ (۱۸/۲) مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی

مقرر کی ہیں، انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ رمضان المبارک میں جب مسلمان تشبہ بالملکوت کے دریا میں غوطہ لگانے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کا حصہ سال بھر والی نماز کی رکعتوں کے دوگنا سے کم نہیں ہونا چاہیے۔

(۱۰) علامہ سید منصور بن علی ناصف (من علماء الازھر) لکھتے ہیں: صحابہ کرام ﷺ نے تراویح کی بیس رکعات مقرر کی ہیں اور پھر اس پر مداومت کی۔ پس یہ صحابہ کرام ﷺ کی اجماعی رائے ہوئی جس کو انھوں نے فعل حسن سمجھ کر اختیار کیا۔ فھو عند اللہ حسن (صحابہ ﷺ کا یہ عمل عند اللہ بھی اچھا عمل ہے)، اس حدیث کی رو سے جس کو امام مالکؒ نے نقل کیا ہے کہ جس چیز کو مومنین اچھا سمجھیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے الحدیث [1]۔

تلك عشرة كاملة۔

---

[1] التاج الجامع الاصول فی احادیث الرسول (۲/۶۶) بحوالہ الدر المنضود شرح اردو سنن ابی داؤد (۲/۵۶۳)

بیس تراویح کا ثبوت علمائے غیر مقلدین سے:

احادیث رسول، آثار صحابہ، آثار تابعین وتبع تابعین، اجماع صحابہ ﷺ توارث امت اور ائمہ اربعہؒ ودیگر علمائے امت کے ارشادات کے بعد اب بیس تراویح کے اثبات میں خود غیر مقلدین کے اپنے اکابر کے کچھ اقوال وارشادات بھی نقل کیے جاتے ہیں تاکہ اصاغر غیر مقلدین جو ہر طرف بیس تراویح کے خلاف مور چہ زن ہیں ان پر حجت تام ہو جائے کیونکہ افضل الشھادات ماشھدت بہ الاعداء۔

(۱) علامہ داؤد بن علی الظاہریؒ جو فرقہ ظاہریہ کے امام اور غیر مقلدین کے ہاں نہایت قدر ومنزلت کے مالک ہیں، یہ بھی بیس تراویح کے قائل تھے اور ان کے مذہب میں بیس تراویح پڑھنا ہی مسنون ہے۔ ل

(۲) غیر مقلدین کے مجدد العصر اور رئیس المحققین نواب صدیق حسن خان صاحبؒ بھی بیس تراویح کو مسنون کہتے ہیں چنانچہ موصوف لکھتے ہیں: پس آں بزیادت عامل بسنت ہم باشد۔ ۲

پس حضرت عمر ﷺ کی بڑھائی ہوئی تعداد یعنی بیس تراویح پر عمل کرنے والا بھی سنت پر عمل کرنے والا ہے۔ نیز جو غیر مقلدین بیس تراویح کو بدعت قرار دیتے ہیں ان کا رد کرتے ہوئے نواب صاحب لکھتے ہیں: اما آنکہ جمع از اہل علم ایں نماز بست رکعات قرار دہ اندو در ہر دو رکعتے قرأت متعین رامستحسین داشتہ ایں عدد از حضور ﷺ ثبت نشدہ است ولیکن چیزے است براں ایں معنٰی صادق است انہ صلوۃ وانہ جماعۃ وانہ رمضان پس حکم مبتدع آں چہ معنی؟ ۳۔

اہل علم کی ایک جماعت نے اس نماز کی بیس رکعتیں قرار دی ہیں اور ہر دو رکعت کے اندر قرأت کی متعین مقدار کو اچھا سمجھا ہے تو یہ عدد مخصوص اگرچہ حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہے لیکن یہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس پر صادق آتا ہے کہ یہ جماعت ہے اور یہ رمضان المبارک میں ہے پھر اس کو بدعت کہنے کا کیا مطلب ہے؟

(۳) مشہور غیر مقلد عالم اور نواب صاحب کے صاحبزادے مولانا نور الحسن خان صاحب تحریر کرتے

ل دیکھئے بدایۃ المجتھد (۱/۱۶۶)، شرح مہذب للنوویؒ (۳۲/۴) ۲ ہدایۃ السائل (۱۳۸) ۳ بدور الاھلۃ (ص ۸۳)

ہیں۔پس منع ازبست وزیادہ چیزے نیست ۱ ۔پس بیس رکعت تراویح یااس سے زیادہ رکعات سے منع کرنا کوئی چیز نہیں رکھتا۔

(۴)اہل عرب کی مشہور علمی شخصیت شیخ محمد عبدالوہاب نجدیؒ بھی بیس تراویح کے قائل تھے چنانچہ شیخ موصوف تحریر کرتے ہیں۔ولناان عمرؓ جمع الناس علیٰ ابی بن کعبؓ کان یصلی بھم عشرین رکعۃ ۲ ۔

بیس تراویح کے اثبات میں ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ پر جمع کیا تو وہ لوگوں کو بیس تراویح پڑھاتے تھے۔

﴿ف﴾ شیخ موصوف اگر چہ حنبلی المسلک ہیں جیسا کہ ان کی تصنیفات سے ظاہر ہے لیکن چونکہ پاک وہند کے غیر مقلدین ان کو غیر مقلد ہونے کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں اوراپنے آپ کو ان کا متبع اور تابعدار ٹھہرا کر اہل عرب سے ان کی تعلیمات پھیلانے کے نام سے پیسے بٹورتے ہیں۔لھذا ان کا یہ فتوٰی غیر مقلدین پر حجت ہے اوراس کا ماننا ان پرفرض بھی ہے اور قرض بھی۔

(۵)مولانا نذیراحمد رحمانی صاحب غیر مقلد(جن کی کتاب انوارالمصابیح پر غیر مقلدین کی رکعات تراویح میں ساری تحقیقات کا مدار ہے اوراس کے بعد غیر مقلدین کی جتنی کتابیں،''نورالمصابیح'' وغیرہ،لکھی گئی ہیں وہ سب اسی کا سرقہ اورچربہ ہیں)حضرت عمرؓ کے دور میں بیس تراویح پڑھے جانے کے متعلق لکھتے ہیں:فاروق اعظمؓ اس سے روکتے کیوں؟یہ کوئی معصیت اور منکر کام تو تھا نہیں۔ ۳

نیز لکھتے ہیں حضرت عمرؓ نے بیس پرنکیر نہیں فرمائی یہی اہل حدیث کا مذھب بھی ہے ۴ ۔

(۶)غیر مقلدین کے محدث اعظم مولانا عبداللہ روپڑیؒ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ:ہاں حضرت عمرؓ وغیرہ کے زمانہ میں بیس(تراویح)پڑھی گئی ہیں ۵ ۔

نیز لکھتے ہیں:غرض کسی پر کوئی اعتراض نہیں۔خواہ کوئی بیس پڑھے،خواہ چوبیس پڑھے،خواہ چھتیس پڑھے، خواہ اڑتالیس پڑھے،خواہ چالیس ۶ ۔

---

۱ العرف الجادی(ص۸۴) ۲ مجموعہ مؤلفات شیخ محمد بن عبدالوہاب(۴/۱۱۷) ۳ انوارالمصابیح(ص۲۳۲)
۴ ایضاً(ص۲۳۳) ۵ اہل حدیث کے امتیازی مسائل(ص۹۹) ۶ ایضاً(ص۱۰۲)

(۷) غیر مقلدین کے مشہور مرکز مدرسہ رحمانیہ کے مدرسین اور محدث نے اپنے رسالہ 'محدث' میں یہ بیان دیا تھا کہ آٹھ سے زیادہ (بیس) تراویح پڑھنا درست اور باعث اجر ہے۔ ۱

(۸) غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دھلویؒ کے شاگرد خاص اور غیر مقلدین کے بزرگ عالم دین مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ بھی بیس تراویح کے زبردست حامی اور صرف آٹھ تراویح کو مسنون کہنے والوں کے سخت مخالف تھے اور جب مفتی محمد حسین بٹالوی غیر مقلد نے آٹھ تراویح کے سنت اور بیس تراویح کے بدعت ہونے کا فتوٰی دیا تو اس فتوٰی کا ردسب سے پہلے میاں صاحب نے ہی ایک رسالہ کی صورت میں لکھا، چنانچہ وہ اپنے رسالہ میں مفتی بٹالوی کے فتوی کا رد کرنے کے بعد آخر میں بڑی دلسوزی سے فرماتے ہیں: یہ مفتی سینہ زوری کے ساتھ سنت کی پیروی کرنے والوں کے عمل (بیس تراویح) کو بدعت کہتا ہے اور حضرت عمرؓ کے زمانہ سے لے کر اسوقت تک حضرات صحابہ کرامؓ، تابعین، ائمہ مجتہدین، اور مشرق و مغرب کے علماء کی بہت بڑی جماعت کو مخالف سنت قرار دیتا ہے۔ العیاذ باللہ ۲۔

(۹) مشہور غیر مقلد عالم مولانا وحید الزمان مترجم صحاح ستہ کا ارقام فرماتے ہیں: کوئی یہ وہم نہ کرے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی طرف سے (تراویح کی جماعت مقرر کر کے۔ ناقل) دین میں ایک بات شریک کردی جس کا اختیار ان کو نہ تھا، اسی طرح بیس رکعت کا حکم اپنی رائے سے دے دیا۔ حاشا وکلا۔ کہ حضرت عمرؓ ایسا کرتے بلکہ انہوں نے طریقہ نبوی ﷺ کا اتباع کیا..... حضرت عمرؓ نے ضرور آنحضرت ﷺ کو بیس رکعتیں تراویح کی بھی پڑھتے دیکھا ہوگا، گو ہم تک یہ روایت بہ سند صحیح نہیں پہنچی۔

اس کی سند میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان منکر الحدیث ہے۔ مگر حضرت عمرؓ کا زمانہ اس سے بہت پہلے تھا ان کو بہ سند صحیح یہ (روایت) پہنچ گئی ہوگی یا انہوں نے خود (رسول اللہ ﷺ کو بیس رکعات تراویح پڑھتے۔ ناقل) دیکھا ہوگا ۳۔

---

۱ فتاوٰی ستاریہ (۱۹/۳) ۲ "رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع" (ص۵۶، ۵۷) ۳ لغات الحدیث، مادہ وزع۔

(۱۰) غیر مقلد عالم اور شاعر مولانا حافظ محمد لکھوی صاحب اپنی پنجابی کی ایک نظم میں بیس تراویح کو آٹھ تراویح پر ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

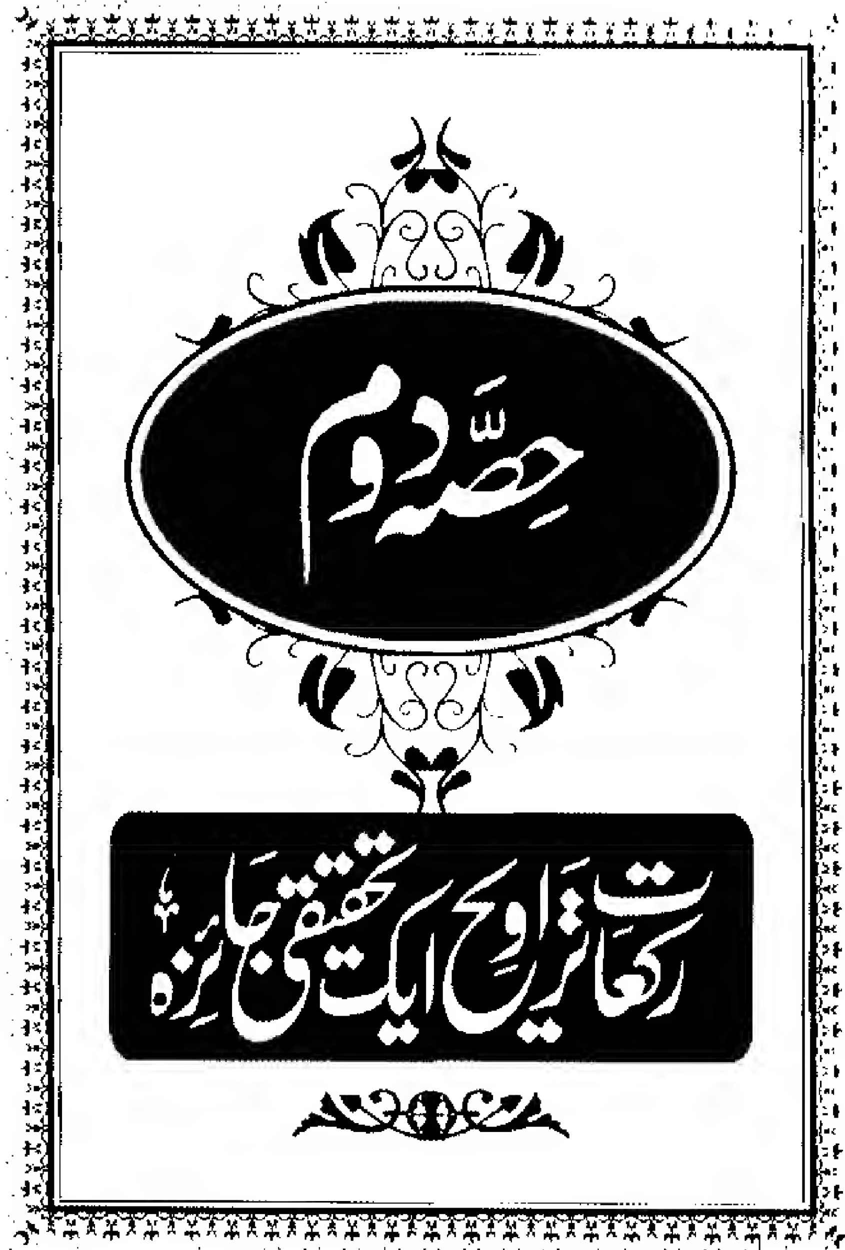
بعضے آٹھ رکعاتاں پڑھدے بعضے ویہ (۲۰) رکعاتاں

جتنی ودھ عبادت رب دی اتنیاں ہی ودھ براتاں [1]

تلك عشرة كاملة

---

[1] محامد الاسلام (ص۱۰) بحوالہ خزائن السنن (۳/۴۱)



حصہ دوم
رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ

باسمہ سبحانہ

حصہ اول میں احادیث رسول ﷺ، آثار صحابہ ؓ، آثار تابعین و تبع تابعین، اجماع صحابہ ؓ تواتر امت، ائمہ اربعہ اور دیگر علماء کرام (بشمول علمائے غیر مقلدین) کے اقوال سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ تراویح کا مسنون عدد بیس تراویح ہے اور بیس تراویح سے کم تراویح پڑھنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ ان دلائل پر غیر مقلدین کی طرف سے وارشدہ تقریباً تمام اعتراضات کے مسکت اور ٹھوس جوابات بھی قارئین ملاحظہ کر چکے ہیں۔ حصہ دوئم میں ہم غیر مقلدین حضرات کے دعویٰ کہ تراویح صرف آٹھ رکعات ہی مسنون ہیں کا جائزہ لیں گے اور اس دعویٰ کے اثبات میں وہ جتنے دلائل پیش کرتے ہیں ان کی حقیقت بھی تفصیل کے ساتھ قارئین کے سامنے واضح کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ لیکن اس سے پہلے رکعات تراویح سے متعلق غیر مقلدین کے چند مختلف نظریات ملاحظہ فرمالیں۔

غیر مقلدین کے تراویح اور رکعات تراویح سے متعلق چند مختلف نظریات

(۱) غیر مقلدین کے سنجیدہ حضرات جیسے نواب صدیق حسن خان صاحب، مولانا میاں غلام رسول صاحب وغیرہ حضرات جمہور امت کی طرح بیس تراویح کے مسنون ہونے کے قائل ہیں جیسا کہ آپ حصہ اول میں ان کے اقوال ملاحظہ کر چکے ہیں۔

(۲) غیر مقلدین میں جو سخت اور متعصب قسم کے لوگ ہیں وہ صرف گیارہ رکعات کو ہی مسنون کہتے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ صرف گیارہ رکعات ہی رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمر ؓ سے ثابت ہیں اور گیارہ کے علاوہ کوئی اور عدد تراویح نہ نبی ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی خلیفہ راشد سے منقول ہے۔ چنانچہ مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں: وھو الثابت عن رسول اللہ ﷺ بالسند الصحیح وبھا امر عمر بن الخطاب ؓ، واما الاقوال الباقیۃ فلم یثبت واحد منھا عن رسول اللہ ﷺ بسند صحیح ولا یثبت الامر بہ من احد من الخلفاء الراشدین بسند صحیح خال من الکلام [1]۔

---

[1] تحفۃ الاحوذی (۲/۷۳)

گیارہ رکعات کا مسنون ہونا ہی نبی ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے اور اسی کا حضرت عمرؓ نے حکم فرمایا تھا اور گیارہ رکعات کے علاوہ باقی جتنے اقوال ہیں ان میں سے ایک بھی صحیح سند کے ساتھ جس میں کلام نہ ہو، نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی خلفائے راشدین میں سے کسی ایک خلیفہ سے ثابت ہے۔

(۳) غیر مقلدین میں بعض ایسے حضرات بھی ہیں جو گیارہ رکعات سے زائد تراویح پڑھنے کو بدعت تک کہہ دیتے ہیں العیاذ باللہ۔ چنانچہ مولوی محمد عثمان دہلوی غیر مقلد لکھتے ہیں: مقلدین کی ایک بڑی جماعت نے بیس رکعت مقرر کر کے بدعت شنیعہ کا ارتکاب کیا ہے [۱]۔

مولوی یونس قریشی غیر مقلد لکھتے ہیں: البتہ بیس یا تئیس کی تعداد معین اور خاص کرنا درست نہیں کیونکہ اس عمل کے بدعت ہو جانے کا خوف ہے [۲]۔

(۴) بعض حضرات غیر مقلدین جو سنت تو صرف آٹھ رکعات تراویح کہتے ہیں البتہ آٹھ سے زائد کو وہ بدعت نہیں کہتے بلکہ مستحب کہتے ہیں۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد مصنف مولانا صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں: رسول اللہ کی سنت پاک تو آٹھ رکعات تراویح ہی ہے اور اس سے زائد پڑھنا سنت نہیں بلکہ نافلہ عبادت ہے [۳]

مولانا نذیر احمد رحمانیؒ لکھتے ہیں: اہل حدیث بھی یہی کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے فعل سے جو تعداد بسند صحیح ثابت ہے وہ سنت اور بہتر ہے۔ باقی نفلی نماز کی حیثیت سے اس کی کوئی تحدید و تعیین نہیں ہے، جس سے جتنی ہو سکے پڑھے [۴]۔ مولانا داؤد غزنویؒ امیر جماعت اہل حدیث اعلان فرمایا کرتے تھے کہ آٹھ تراویح سنت رسول اللہ کی ہے اور باقی بارہ رکعت مستحب ہیں [۵]۔

(۵) غیر مقلدین میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی بھی ہے جو نماز تراویح کو جماعت سے ہی پڑھنے کے مخالف ہیں اور حضرت عمرؓ کے قائم کردہ اس طریقہ جماعت کو نعوذ باللہ بدعت عمری اور بدعت ضلالہ گر دانتے ہیں چنانچہ جماعت غیر مقلدین کے سرخیل اور ان کے مشہور محقق علامہ امیر یمانیؒ صاحب جماعت تراویح کے متعلق لکھتے ہیں: والمحافظة عليها هو الذى تقول انه بدعة [۶]۔

تراویح کی جماعت کے ساتھ باقاعدگی سے ادائیگی کو ہم بدعت کہتے ہیں۔ اس سے چند سطور قبل

---

[۱] رفع الاختلاف (ص۵۴)، بحوالہ تحقیق مسئلہ تراویح (ص۸) [۲] دستور المتقی (ص۱۴۲) [۳] صلوۃ الرسول (ص۳۸۵) [۴] انوار المصابیح (ص۴۴) [۵] فتاوی علمائے حدیث (۲۶۵/۶) [۶] سبل السلام (۱۱/۲)

امیر یمانی صاحب لکھتے ہیں: ان عمر رضی اللہ عنہ هو الذی جعلها جماعة علیٰ معیّن وسماها بدعة واما قوله نعم البدعة فليس فی البدعة ما یمدح بل کل بدعة ضلالة[1]۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہی تراویح کو ایک مقرر کردہ امام کے ساتھ جماعت کی صورت دی اور اس کا نام بدعت رکھا، آپ کا یہ قول کہ یہ اچھی بدعت ہے تو بدعت کوئی بھی قابل تعریف نہیں بلکہ ہر بدعت ضلالۃ (گمراہی) ہے۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔

(۶) جماعت غیر مقلدین کے بعض علماء تراویح کی جماعت کو سنت نہیں سمجھتے لیکن یہ سابقہ جماعت کی نسبت تھوڑے نرم ہیں اور اس کو بدعت ضلالہ کی بجائے بدعت حسنہ کہتے ہیں۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد مولانا عبدالقادر حصاروی صاحب لکھتے ہیں: مسجد میں جماعت سے عشاء کے بعد ہمیشہ تراویح پڑھنا بدعت حسنہ ہے سنت مؤکدہ نہیں، بلکہ سنت نبوی اور سنت خلفاء اربعہ بھی نہیں ہے[2]۔

(۷) بعض دوسرے غیر مقلدین سابقہ غیر مقلدین کے بالمقابل تراویح کے لیئے جماعت کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ غیر مقلدین کے فتاوی علمائے حدیث میں تراویح کے لیے جماعت کو شرط قرار دیا گیا ہے[3]۔

(۸) قاضی شوکانی وغیرہ غیر مقلدین تراویح کو جماعت اور بلا جماعت دونوں صورتوں میں ادا کرنے کو جائز کہتے ہیں[4]۔

حضرات! یہ ہیں غیر مقلدین کے اکابر کے تراویح اور رکعات تراویح سے متعلق تقریباً آٹھ قسم کے مختلف نظریات، ان میں سے ہر ایک نظریہ دوسرے سے بالکل جدا اور مختلف ہے اب ہم موجودہ جماعت اہل حدیث (غیر مقلدین) کی خدمت میں بصد ادب عرض کرتے ہیں کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں فیصلہ کریں کہ ان مذکورہ نظریات میں سے کون کون سا نظریہ درست اور کون کون سا غلط ہے؟ موجودہ جماعت اہل حدیث (غیر مقلدین) کا اب کون سا نظریہ ہے؟ یہ بھی بتلایا جائے کہ آپ کے جن اکابر نے بدعت کو سنت اور مستحب یا سنت اور مستحب کو بدعت کہا ہے، قرآن وحدیث کی رو سے ان کے بارے میں آپ کا

[1] ایضاً [2] صحیفہ اہل حدیث کراچی یکم رمضان ۱۳۹۲ھ بحوالہ رسالہ تحقیق مسئلہ تراویح (ص ۴۲) [3] دیکھئے فتاوی علمائے حدیث (۶/۲۴۳) [4] نیل الاوطار (۳/۵۳)

کیا فیصلہ ہے؟ جب تک جماعت یہ فیصلہ نہیں کر پاتی ہم ان کے جواب کے آنے تک یہی کہیں گے۔

کس کا یقین کیجیے کس کا یقین نہ کیجیے　　لائے ہیں بزم دوست سے یار خبر الگ الگ

آٹھ اور بیس تراویح کے دلائل میں موازنہ

حصہ اول میں بیس تراویح کے اثبات میں ٹھوس اور صریح دلائل آپ نے ملاحظہ کر لیے ہیں اب صرف آٹھ تراویح کے اثبات میں غیر مقلدین کے ذکر کردہ دلائل مع جوابات ملاحظہ کریں تاکہ تصویر کے دونوں رخ آپ پر واضح ہو جائیں اور آپ دونوں قسم کے دلائل میں صحیح طور پر موازنہ کر سکیں: کیونکہ مشہور ہے کہ:

ع　　**وبضدها تتبين الاشياء**

تنبیہ ضروری:۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ ہم حصہ دوئم میں بھی یہی کوشش کریں گے کہ جو بات بھی کہی جائے وہ مدلل اور با حوالہ ہو۔ انشاء اللہ العزیز یہاں بھی حصہ اول کی طرح تمام حوالہ جات غیر مقلدین کے مستند اور مسلمہ علماء کی تصریحات کی روشنی میں ہونگے۔ وَمَاتَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ

آٹھ تراویح کے اثبات میں غیر مقلدین کے دلائل کا جائزہ

پہلی دلیل۔ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا: ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رمضان ہو یا غیر رمضان رسول اللہ ﷺ گیارہ رکعات سے زائد نہیں پڑھتے تھے، آپ ﷺ چار رکعات پڑھتے ان کی خوبی اور درازی کے بارے میں نہ پوچھو، پھر آپ ﷺ چار رکعات پڑھتے پس ان کی خوبی اور درازی کے بارے میں نہ پوچھو، پھر آپ تین رکعات (وتر) پڑھتے، الخ [1]۔ جبکہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز کے فارغ ہونے کے بعد صبح تک گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے اور ایک وتر پڑھتے تھے، الخ [2]۔

جواب: اپنے دعویٰ میں غیر مقلدین کی اس مرکزی دلیل کے متعدد جوابات میں سے صرف دس جوابات

---

[1] صحیح بخاری (۲۶۹/۱)　[2] صحیح مسلم (۲۵۴/۱)

ہدیہ ناظرین ہیں۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ یہ دونوں حدیثیں (کیفیت کے لحاظ سے) ایک دوسرے سے معارض ہیں کیونکہ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے اور ایک وتر پڑھتے تھے جب کہ بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ آٹھ رکعاتیں چار چار کر کے پڑھتے تھے یعنی ہر چار رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے اور تین وتر (ایک سلام کے ساتھ) پڑھتے تھے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے مشہور محدث اور مصنف مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ صاحب اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ظاہر یہی ہے کہ پہلی چار چار رکعتیں ایک ایک سلام سے اور پچھلی تین رکعتیں (وتر کی) ایک سلام سے تھیں ۱۔ علامہ امیر یمانیؒ صاحب غیر مقلد اس حدیث کے الفاظ یصلی اربعًا کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں: یحتمل انھا متصلات وھو الظاھر ویحتمل انھا منفصلات وھو بعید۔ ۲ احتمال ہے کہ یہ چار رکعتیں اکٹھی یعنی ایک سلام کے ساتھ تھیں اور یہی اس کے ظاہر معنی ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ چار رکعتیں علیحدہ علیحدہ یعنی دو سلاموں کے ساتھ ہوں لیکن یہ (حقیقت سے) بعید ہے۔

غیر مقلدین کے مجلہ ہفت روزہ الاعتصام کے مفتی اور شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی اس سوال کے جواب میں کہ کیا چار نوافل اکٹھے ایک سلام کے ساتھ پڑھے جا سکتے ہیں" لکھتے ہیں: صحیح بخاری وغیرہ میں تہجد کے بیان میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے: کان یصلی اربعا کہ نبی ﷺ چار رکعات پڑھتے تھے اور ظہر کے فرض سے پہلے بھی بخاری میں چار رکعات کی تصریح ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ چار نوافل اکٹھے پڑھنے کا جواز ہے ۳۔ مولانا صادق سیالکوٹی صاحبؒ غیر مقلد اپنی مشہور کتاب صلوٰۃ الرسول ﷺ میں اس حدیث کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کا غالب معمول یہ تھا کہ آپ آٹھ رکعت تہجد چار چار رکعات کی نیت سے دو سلام میں پڑھتے تھے اور پھر تین وتر ۴۔ مولانا میاں غلام رسول صاحب غیر مقلد نے بھی ان چار رکعتوں کو ایک سلام کے ساتھ قرار دیا ہے ۵۔ غیر مقلدین کے اکابرین کی ان تصریحات سے ثابت ہو گیا کہ بخاری والی روایت میں

---

۱ تحفۃ الاحوذی (۱/۳۳۱) ۲ سبل السلام (۲/۱۳) ۳ الاعتصام (ص ۵) (۱۲ تا ۱۸ فروری ۱۹۹۹ء)

۴ صلوٰۃ الرسول (ص ۳۷۰) ۵ رسالہ تراویح (ص ۵۸)

یہ چار چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ تھیں۔یعنی رسول اللہ ﷺ ہر چار رکعات کے بعد سلام پھیرتے تھے اور یہ صحیح مسلم کی روایت سے معارض ہے جس میں تصریح ہے کہ آپ ﷺ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے تھے۔اسی طرح بخاری والی روایت میں ہے کہ آپ تین وتر (ایک سلام کے ساتھ) پڑھتے تھے جب کہ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ایک وتر پڑھتے تھے۔نیز یہ دونوں روایتیں عدد کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے کے مخالف ہیں کیونکہ بخاری شریف کی روایت میں آٹھ رکعات (قیام اللیل) اور تین رکعات (وتر) کا ذکر ہے جب کہ مسلم شریف کی روایت میں صرف ایک وتر (بقول غیر مقلدین) اور دس رکعات قیام اللیل کا ذکر ہے۔اب یہ دونوں روایتیں عدد اور کیفیت دونوں اعتبار سے ایک دوسرے سے معارض ہیں اور دو باہم معارض روایتوں سے غیر مقلدین کا حجت پکڑنا باطل ہوگیا کیونکہ اذا تعارضا تساقطا۔

اس تفصیل سے بعض غیر مقلدین کا یہ عذر لنگ بھی باطل ہوگیا کہ صحیح مسلم کی روایت صحیح بخاری کی روایت کیلئے مفسِّر ہے کیونکہ جب خود غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں ثابت ہوگیا کہ یہ دونوں حدیثیں عدد اور کیفیت دونوں اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف اور معارض ہیں تو پھر ایک دوسرے کیلئے مفسر کیسے ہوگئیں؟

(۲)اس حدیث سے رکعات تراویح پر استدلال ہی فضول ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ اس حدیث میں جس نماز کا تذکرہ فرمارہی ہیں وہ تہجد کی نماز ہے،اس کا تراویح کی نماز سے کوئی تعلق ہی نہیں۔چنانچہ روایت مسلم میں تو سرے سے رمضان کا ذکر ہی نہیں لھذا یہ روایت تو موضوع (رکعات تراویح) سے ہی خارج ہے اور بخاری کی روایت میں اگرچہ رمضان کا ذکر ہے لیکن اس میں ساتھ غیر رمضان کا لفظ بھی صریح ہے جو کہ اس کے نماز تہجد ہونے پر دال ہے کیونکہ غیر رمضان میں تراویح نہیں ہوتیں بلکہ جو نماز پورا سال (رمضان وغیر رمضان میں) پڑھی جاتی ہے وہ نماز تہجد کہلاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ کئی بڑے بڑے محدثین نے اس حدیث کو تہجد سے متعلق قرار دیا ہے۔مثلاً علامہ شمس الدین کرمانی شارح بخاری اس حدیث میں فرماتے ہیں:اما ان امرادبھا صلوٰۃ الوتروالسوال والجواب واردان علیہ [1]۔

[1] الکوکب الدراری شرح بخاری (۱/۱۵۵)

اس حدیث سے مراد وتر (تہجد) کی نماز ہے اور (حضرت عائشہؓ سے) سوال اور (ان کا) جواب تہجد کے متعلق تھا۔

علامہ ابوبکر بن العربیؒ شارح ترمذی فرماتے ہیں:

ما كان النبي ﷺ يزيد في رمضان ولا في غيره على احدى عشرة ركعة وهذه هي قيام الليل [illegible] ان يقتدى فيها بالنبي ﷺ [1]۔

نبی ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ یہ آپ ﷺ کی نماز قیام اللیل (تہجد) تھی۔ پس واجب ہے کہ اس میں آپ ﷺ کی اقتداء کی جائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ شارح بخاری اس روایت عائشہؓ کو تہجد سے متعلق قرار دے کر گیارہ رکعات (تہجد مع الوتر) کی حکمت یہ بیان فرماتے ہیں: وظهرلي الحكمة في عدم الزيادة على احدى عشرة ان التهجد والوتر مختص بصلوٰة الليل وفرائض النهار الظهر وهى اربع والعصر وهى اربع والمغرب وهى ثلاث وتر النهار فتناسب ان تكون صلوٰة الليل كصلوٰة النهار في العدد جملة وتفصيلاً [2]۔

میرے لیے ظاہر ہوا کہ گیارہ رکعات سے زائد رکعت نہ ہونے کی حکمت یہ ہے کہ تہجد اور وتر رات کی نماز کے ساتھ خاص ہیں اور دن کے فرائض گیارہ ہیں، ظہر کے چار فرض، عصر کے چار فرض، اور مغرب کے تین فرض جو دن کے وتر ہیں پس مناسب ہوا کہ رات کی نماز بھی اجمال اور تفصیل دونوں میں دن کی نماز کے مشابہ ہو جائے۔

قاضی عیاض مالکیؒ نے بھی حضرت عائشہؓ کی تمام روایات کو جن میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کا ذکر ہے، تراویح کی بجائے صلوٰۃ اللیل (نماز تہجد) کے متعلق قرار دیا ہے [3]۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: وصحيح آنست كه آنچه آنحضرت ﷺ گزارد وہمه تهجد بود كه يازده ركعت باشد [4]۔

---

[1] عارضۃ الاحوذی شرح ترمذی (۱۹/۴) [2] فتح الباری شرح بخاری (۳۲۸/۳، ۳۲۹) [3] دیکھئے شرح مسلم للنووی (۲۵۳/۱) [4] بحوالہ فقہ حنفی قرآن وحدیث کی نظر میں (ص)

صحیح یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جو گیارہ رکعات پڑھتے تھے وہ تہجد کی نماز تھی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: روایت محمول برنماز تہجداست که دررمضان وغیررمضان یکساں بود[1] ۔حضرت عائشہؓ کی روایت تہجد پرمحمول ہے کہ وہ رمضان وغیر رمضان میں برابر تھی۔

قاضی محمد بن علی شوکانیؒ غیر مقلد تحریر کرتے ہیں: وقد ورد عن عائشۃؓ فی الاخبار عن صلوته بالليل روايات مختلفة......ومنها عندالشيخين انه ما كان يزيد ﷺ فی رمضان ولا فی غیره علی احدی عشرة رکعة یصلی اربعاً [2] ۔

حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز (تہجد) کے متعلق مختلف روایات مروی ہے ان میں سے ایک بخاری اور مسلم کی روایت بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ مشہور غیر مقلد مولانا صادق سیالکوٹی صاحبؒ کا یہ حوالہ حدیث حضرت عائشہؓ کی تشریح میں ماقبل میں گزر چکا ہے کہ: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کا غالب معمول یہ تھا کہ آپ ﷺ آٹھ رکعات تہجد چار چار رکعات کی نیت سے دو سلام میں پڑھتے تھے [3] ۔

اسی طرح مولانا ثناء اللہ مدنی غیر مقلد کا یہ حوالہ بھی گزر چکا جس میں وہ اس حدیث کو تہجد سے متعلق قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: صحیح بخاری وغیرہ میں تہجد کے بیان میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے: کان یصلی اربعاً کہ نبی ﷺ چار رکعات پڑھتے تھے [4] ۔

پس جب محدثین کرام اور خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی اس حدیث کا تعلق نماز تہجد سے ہے اور مقدمہ میں تفصیل سے یہ بحث گزر چکی ہے کہ تراویح اور تہجد علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں تو پھر غیر مقلدین کا اس تہجد والی حدیث سے آٹھ تراویح پر استدلال کرنا خود بخود باطل ہو گیا۔

(۳) ہماری اس بات کی تائید کہ مذکورہ حدیث کا تعلق تراویح سے نہیں بلکہ تہجد سے ہے، اس سے بھی ہوتی ہے کہ ائمہ حدیث نے تراویح اور تہجد کے الگ الگ باب باندھے ہیں اور اس حدیث کو تراویح کے باب میں ذکر

---

[1] فتاوی عزیزیہ (ص ۱۲۵) [2] نیل الاوطار (۳/۳۹) [3] صلوۃ الرسول (ص ۳۷۰) [4] ہفت روزہ الاعتصام (ص ۵) ۱۲ تا ۱۸ جنوری ۱۹۹۹ء)

کرنے کی بجائے تہجد کے باب میں ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً امام مالکؒ نے اپنی مؤطا ۱؎ میں، امام مسلمؒ نے اپنی صحیح ۲؎ میں، امام ترمذیؒ نے جامع الترمذی ۳؎ میں، امام ابوداؤد نے سنن ابی داؤد ۴؎ میں، امام نسائی نے سنن نسائی ۵؎ میں، امام خطیب تبریزیؒ نے مشکوٰۃ المصابیح ۶؎ میں، حافظ ابن القیم نے زادالمعاد ۷؎ میں، امام محمد بن نصر المروزی نے قیام اللیل ۸؎ میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بلوغ المرام ۹؎ مع سبل السلام میں اور دیگر محدثین نے بھی اپنی اپنی کتب حدیث میں اس حدیث کو تہجد کے باب میں ذکر کیا ہے اور تراویح کا باب الگ قائم کیا ہے اور اس میں اس حدیث کا ذکر کرنا تو کجا اس کی طرف ادنیٰ اشارہ بھی نہیں کیا۔ اسی طرح محمد صادق سیالکوٹیؒ صاحب غیر مقلد نے بھی اپنی کتاب الصلوٰۃ الرسول ۱۰؎ میں اس حدیث کو تہجد کے باب میں ذکر کیا ہے معلوم ہوا کہ اس حدیث کا تعلق تراویح کی بجائے تہجد سے ہے ۱۱؎ ۔

۱؎ (ص۴۳) ۲؎ (۱/۲۵۴) ۳؎ (۱/۵۸) ۴؎ (۱/۱۹۶) ۵؎ (۱/۲۵۴) ۶؎ (۱/۱۰۶) ۷؎ (۱/۸۶)
۸؎ (ص۹۱) ۹؎ (۲/۱۳) ۱۰؎ (ص۲۰۶) ۱۱؎ اشکال۔ غیر مقلدین حضرات اس حدیث کو تراویح سے متعلق قرار دینے کیلئے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ امام بخاریؒ، امام محمدؒ، امام بیہقیؒ اور علامہ نیمویؒ نے اس حدیث پر تراویح کے ابواب باندھے ہیں۔ لھذا ان ائمہ کے نزدیک اس حدیث کا تعلق تراویح سے ہے۔ نور المصابیح (ص۱۳) وغیرہ لیکن غیر مقلدین کا یہ اشکال محض خیال اور وہم ہے۔

اولاً:۔ امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں اس حدیث کو کئی ابواب میں ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً باب قیام النبی ﷺ فی رمضان وغیرہٖ'' میں بھی اس کو ذکر کیا۔ اب رمضان وغیرہ کے الفاظ صراحتاً اس پر دال ہیں کہ امام بخاریؒ کی مراد یہاں تہجد کی نماز کا بیان کرنا ہے کیونکہ غیر رمضان میں نماز تراویح نہیں پڑھی جاتی۔ اسی طرح امام بخاریؒ نے اس حدیث کو باب فضل من قام رمضان کے تحت بھی ذکر فرمایا ہے۔ اس باب سے امام بخاریؒ کا مقصد صرف قیام رمضان کی فضیلت بیان کرنا ہے، اس کی تعداد رکعات بیان کرنا ان کا مقصود نہیں ہے جیسا کہ غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کیونکہ اگر امام بخاریؒ کا مقصد قیام رمضان کی تعداد بیان کرنا ہوتا تو وہ باب کا عنوان فضل من قام رمضان کی بجائے عدد قیام رمضان قائم کرتے۔ اذ لیس فلیس۔
نیز یہ کہنا بھی غلط ہے کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث پر تراویح کا باب باندھا ہے کیونکہ انہوں نے یہاں باب کا عنوان قیام رمضان (قام رمضان) قائم کیا اور غیر مقلدین کے مستند فتاویٰ ''فتاوٰی علمائے حدیث'' میں ہے کہ: قیام رمضان نماز تراویح سے اعم ہے اور نیز علامہ کرمانیؒ کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: جو کرمانیؒ نے کہا ہے کہ: قیام رمضان سے بالاتفاق نماز تراویح مراد ہے یہ انہوں نے انوکھی بات کہی ہے۔ فتاوٰی علمائے حدیث (۶/۲۴۳) بحوالہ تحقیق التراویح (ص۶)
پس جب غیر مقلدین کے نزدیک قیام رمضان کا لفظ عام ہے جو تراویح اور تہجد دونوں کو شامل ہے۔ تو پھر اگر امام بخاریؒ =

= نے قیام رمضان والے عمومی باب میں اس تہجد والی حدیث کو بھی ذکر کردیا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے نزدیک بھی اس حدیث کا تعلق تراویح سے ہے۔

ثانیاً:۔ امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب السنن الکبریٰ میں اس حدیث پر باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان'' کا عنوان قائم کیا ہے لیکن امام بیہقیؒ کے اس عنوان میں اجمال ہے کہ قیام سے یہاں مراد قیام اللیل ہے یا قیام رمضان؟ عین ممکن ہے کہ ان کی مراد یہاں قیام سے عام ہو جو قیام اللیل اور قیام رمضان دونوں کو شامل ہے۔ پھر اس عام عنوان کے تحت انہوں نے قیام اللیل اور قیام رمضان دونوں قسم کی احادیث کو ذکر فرمادیا۔ بالفرض اگر یہاں قیام سے صرف قیام رمضان ہی مراد ہے تو پھر بھی امام بیہقیؒ کے نزدیک اس حدیث کا تعلق تراویح سے ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ ابھی فتاویٰ علمائے حدیث کے حوالہ سے گزرا ہے کہ قیام رمضان تراویح سے اعم ہے جو تراویح اور تہجد دونوں کو شامل ہے۔ فلا اشکال۔

ثالثاً:۔ امام محمدؒ نے اس حدیث عائشہؓ کو اپنی کتاب مؤطا میں باب قیام شہر رمضان وما فیہ من الفضل'' کے تحت فرمایا ہے۔ اس باب سے امام محمدؒ دو چیزوں پر استدلال کرنا چاہتے ہیں۔ **اول:** قیام شہر رمضان کا اثبات بلا عدد رکعات اس کے لئے انہوں نے قیام شہر رمضان کا عنوان قائم کیا۔ **ثانی:** رمضان المبارک میں عبادت (تہجد وغیرہ) کرنے کی فضیلت کا بیان اس کیلئے انہوں نے وما فیہ من الفضل (یعنی رمضان المبارک میں جو فضیلت ہے اس کا بیان) کا عنوان قائم کیا ہے۔ اب اس باب کے تحت انہوں نے پہلے نمبر پر حضرت عائشہؓ کی وہ حدیث ذکر کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ کا رمضان المبارک میں تین دن نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور تعداد رکعات کا اس میں کوئی تعین نہیں ہے۔ اور دوسرے نمبر پر حضرت عائشہؓ کی مذکورہ روایت نقل کی جس میں رسول اللہ ﷺ کا نماز تہجد کی گیارہ رکعات پڑھنا مذکور ہے۔ اب باب کی پہلی حدیث کا تعلق عنوان کے پہلے حصے قیام شہر رمضان سے ہے اور دوسری حدیث کا تعلق عنوان کے دوسرے حصے وما فیہ من الفضل سے ہے کیونکہ رمضان المبارک میں نماز تہجد پڑھنے کی بہت زیادہ فضیلت ہے، اس لئے امام موصوف نے اس تہجد والی حدیث کو باب کے دوسرے عنوان وما فیہ الفضل کے تحت ذکر فرمادیا۔ لھذا اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے نزدیک حدیث مذکورہ کا تعلق نماز تراویح سے ہے۔

رابعاً: علامہ نیمویؒ نے اگرچہ اس حدیث پر التراویح بثمان رکعات کا باب باندھا ہے لیکن ان کی اس تبویب سے یہ استدلال کرنا کہ ان کے نزدیک اس حدیث کا تعلق تراویح سے ہے غلط ہے کیونکہ ان کی کتاب آثار السنن کا مطالعہ کرنے والے پر مخفی نہیں کہ ان کی پوری کتاب کی ترتیب یہ ہے کہ وہ پہلے اپنے مخالف مسلک کے مطابق باب قائم کرتے ہیں اور اس کے تحت وہ دلائل ذکر کرتے ہیں جن سے مخالف نے استدلال کیا ہے، خواہ ان مستدلات کا تعلق انکے نزدیک مذکورہ باب =

(۴)اگر اس صحیح السند حدیث کا تعلق تراویح سے ہوتا جیسا کہ غیر مقلدین کا دعویٰ ہے تو پھر بڑے بڑے محدثین اور فقہاء کرام کبھی بھی یہ نہ فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ سے رکعات تراویح کی بابت کوئی بھی عدد کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں حالانکہ بخاری شریف کی یہ روایت ان کے زیر نظر اور زیر مطالعہ تھی وہ حضرات آج کل کے غیر مقلدین سے احادیث کے جاننے اور سمجھنے میں زیادہ ماہر تھے اور عصر حاضر کا کوئی غیر مقلد عالم ان کے علم وفضل کے پاسنگ بھی نہیں ہوسکتا۔ اس کے باوجود یہ جبال علم صاف صاف اقرار کرتے ہیں کہ کسی بھی صحیح روایت میں نبی ﷺ کی نماز تراویح کی تعداد منقول نہیں۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں: ان العلماء اختلفوافي عددهاولوثبت من فعل النبي ﷺ لم يختلف فيها[1] ۔ علمائے کرام نے تراویح کے عدد میں اختلاف کیا ہے اور اگر تراویح کا کوئی خاص عدد نبی ﷺ سے ثابت ہوتا تو وہ اس میں اختلاف نہ کرتے۔ نیز سیوطیؒ لکھتے ہیں: وانما صلّى ليالي صلوة لم يذكر عددها[2] ۔
نبی ﷺ نے صرف چند راتیں تراویح کی نماز پڑھی جس کا کوئی عدد (صحیح احادیث میں) مذکور نہیں۔

= ہو یا نہیں اسکے بعد وہ اپنے مسلک کے مطابق باب قائم کر کے اپنے مستدلات ذکر فرماتے ہیں۔ صرف ابواب الوتر میں ان کی بیان کردہ ترتیب دیکھ لیں کہ رکعات وتر کی تعداد بیان کرتے وقت انہوں نے پہلے باب الوتر بخمس اواکثر من ذلك کا عنوان قائم کر کے اس قسم کی احادیث کو جمع کیا۔ پھر باب الوتر برکعۃ قائم کر کے اس کے تحت اس موضوع کی احادیث ذکر فرمائیں اور پھر اس کے بعد اپنے مسلک کے مطابق الوتر بثلاث رکعات کا باب قائم کر کے اس کے تحت اپنی مستدل احادیث کو جمع فرمایا۔ حالانکہ ان کے نزدیک صرف تین رکعات وتر پڑھنا ہی جائز ہے بعینہ اسی طرح انہوں نے رکعات تراویح بیان کرتے وقت پہلے غیر مقلدین کے مسلک کے مطابق باب التراویح بثمان رکعات قائم کر کے ان کے مستدلات کو ذکر کیا اور اس میں حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث کو بھی ذکر کیا اور پھر آخر میں اپنے مسلک کے مطابق باب فی التراویح بعشرین رکعات قائم کر کے اپنے مستدلات ذکر کیے۔ لھذا اگر انہوں نے غیر مقلدین کے مسلک کے مطابق حدیث عائشہؓ کو تراویح کے باب میں ذکر کیا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خود علامہ نیمویؒ کے نزدیک بھی اس حدیث کا تعلق تراویح سے ہے۔ پس غیر مقلدین کا یہ کہنا غلط ثابت ہوگیا کہ امام بخاریؒ، امام بیہقیؒ، امام محمدؒ اور علامہ نیمویؒ کے نزدیک حدیث حضرت عائشہؓ کا تعلق تراویح کے باب سے ہے۔

[1] المصابیح (ص۴۷) الحاوی للفتاوی (۱/۳۱۵) [2] المصابیح (؟)، الحاوی (ص۳۱۳)

نیز تراویح کی تعداد کے بارے میں علمائے کرام کے مختلف اقوال ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:
ولوثبت عددھابالنص لم تجز زیادۃعلیہ ا اگر تراویح کا کوئی عدد کسی (صحیح) نص سے ثابت ہوتا تو اس پر زیادتی جائز نہ ہوتی۔ امام سیوطیؒ کی ان عبارات سے جہاں غیر مقلدین کے اس دعوی کی تردید ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے صرف آٹھ رکعات تراویح کا عدد ثابت ہے وہیں ان کا سیوطیؒ کی ان عبارات کی یہ تاویل کرنا بھی باطل ہو جاتا ہے کہ امام سیوطیؒ کی مراد ان عبارات سے بیس تراویح کی نفی کرنا ہے۔ اس لئے کہ وہ تو مطلق عدد کی نفی فرمارہے ہیں جو آٹھ، بیس وغیرہ سب کو شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسئلہ رکعات تراویح میں غیر مقلدین کے سب سے بڑے وکیل مولانا نذیر احمد رحمانی صاحب غیر مقلد بھی نہ مانتے مانتے یہ حقیقت ماننے پر مجبور ہو گئے کہ: اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ امام سیوطیؒ کے نزدیک بجائے بیس کے اگر آٹھ رکعات بلاوتر ثابت ہیں جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح ابن حبان وغیرہ کے حوالے سے انھوں نے بیان کیا ہے تو اس پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ (انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے) لوثبت ذالک من فعل النبی ﷺ لم یختلف فیہ تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ معارضہ اس وقت صحیح ہوتا جب امام سیوطیؒ اس عدد کو تحدید و تعیین کے ساتھ ثابت مانتے ۲۔

معلوم ہوا کہ امام سیوطیؒ رسول اللہ ﷺ کی کسی حدیث کو رکعات تراویح کی تحدید میں ثابت نہیں مانتے۔ والفضل ماشہدت بہ الاعداء

اسی طرح امام تاج الدین سبکیؒ شرح منہاج میں لکھتے ہیں: اعلم انہ لم ینقل کم صلی رسول اللہ ﷺ فی تلک اللیالی ھل ھوعشرون اواقلّ و مذہبنا انہا عشرون رکعۃ ۳ جان لو کہ یہ منقول نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جن راتوں میں نماز تراویح پڑھی وہ بیس رکعات تھیں یا اس سے کم (آٹھ وغیرہ) اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں ۴۔

ا الحاوی (۱/۴۱۵) ۲ انوارالمصابیح (ص۵۰) ۳ مصابیح (ص۱۴۴) الحاوی (۱/۴۱۷) ۴ بعض غیر مقلدین (مولانا نذیر رحمانی صاحب وغیرہ نے امام سبکیؒ کی مذکورہ بالا عبارت کی یہ توجیہ کی ہے کہ: اعلم انہ لم ینقل الخ...... تو ان کا مقصد یہ ہے کہ صحیحین یا سنن کی جن روایتوں میں تین راتوں کی تفصیلات مذکور ہیں ان روایتوں میں کوئی عدد منقول نہیں ہے کہ رکعات کی تعداد بیس ہے یا اس سے کم۔ یہ منشا نہیں کہ مطلقاً فعل نبوی سے تراویح کا کوئی عدد منقول ہی نہیں۔ =

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ومن ظن ان قیام رمضان فیه عدد معین موقت عن النبی ﷺ لا یزید ولا ینقص فقد أخطأ ۔

انوار المصابیح (ص ۱۰۲) وغیرہ میں غیر مقلدین کی بیان کردہ یہ توجیہ محض دفع الوقتی ہے کیونکہ امام سبکیؒ نے اپنی اس عبارت میں نہ تو صحیحین یا سنن کی روایات کی طرف اشارہ کیا ہے اور نہ ہی انھوں نے رسول اللہ کی تین دن والی تراویح کی جماعت کا تذکرہ کیا تھا۔ انہوں نے تو مطلق عدد تراویح کی نفی فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جتنی بھی راتیں نماز تراویح پڑھی خواہ جماعت کے ساتھ یا بلا جماعت ان کی رکعات کی تعداد کسی بھی صحیح راویت میں منقول نہیں ہے، نہ صحیحین وسنن کی روایات میں اور نہ ہی صحیح ابن حبان یا قیام اللیل وغیرہ کی کسی روایت میں۔ لھذا غیر مقلدین کا مطلق کسی عدد کی نفی سے اپنے مطلب کیلئے صرف خاص عدد کی نفی مراد لینا بلا دلیل اور محض ہوائی دعوی ہے۔

اسی طرح مولانا رحمانی صاحب کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ علامہ سبکیؒ نے جوری کے حوالہ سے امام مالک کا یہ قول بلا رد وانکار نقل کیا ہے کہ حضرت عمر ؓ نے لوگوں کو جس عدد تراویح پر جمع کیا وہ مجھے پسندیدہ ہے اور وہ گیارہ رکعات ہیں اور یہی رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گیارہ رکعات کی بابت ان کو امام مالک کا یہ قول تسلیم ہے کہ: هي صلوة رسول الله ﷺ ۔ محصلہ انوار المصابیح (ص ۴۵) لیکن اول تو رحمانی صاحب کا یہ کہنا ہی غلط ہے کہ اس قول کو علامہ سبکیؒ نے نقل کیا ہے کیونکہ اس ضعیف قول کو نقل کرنے والے امام سیوطیؒ ہیں نہ کہ امام سبکیؒ جیسا کہ سیوطیؒ کے کلام سے واضح ہے۔ اور خود رحمانی صاحب کے ہم مسلک غیر مقلدین کو بھی یہ بات تسلیم ہے۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا ابراہیم سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں: سیوطیؒ اپنے اصحاب میں سے امام جوزی کا قول نقل کرتے ہیں کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ جس پر حضرت عمر ؓ نے لوگوں کو جمع کیا وہ گیارہ رکعات تھیں...... الخ انارۃ المصابیح (ص ۲۴) بحوالہ التوضیح عن رکعت التراویح (ص ۱۲۰)۔ حافظ زبیر علی زئی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: امام سیوطیؒ نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر ؓ نے لوگوں کو گیارہ رکعاتوں پر جمع کیا، یہی رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے۔ صلوۃ التراویح (ص ۱۳) ناشر: اصحاب الحدیث اٹک شہر۔ پس جب علامہ سبکیؒ نے اس قول کو نقل ہی نہیں کیا تو پھر رحمانی صاحب یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے اس قول کو تسلیم بھی کر لیا ہے۔

ع بسوقت عقل ز حیرت ایں چه بوالعجبیست

ثانیا: اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ امام سبکیؒ نے ہی اس قول کو نقل کیا ہے تو پھر بھی یہ کہنا غلط ہے کہ انہوں نے اس قول کی صحت کو بھی تسلیم کر لیا ہے کیونکہ انہوں نے تو اس ضعیف اور منکر قول کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ: ومذهبنا انها عشرون ركعة۔ (ہمارا مذہب یہ ہے کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں) کیا رحمانی صاحب یا کوئی بھی غیر مقلد امام سبکیؒ جیسے متبع سنت اور عاشق صادق عالم کے بارے میں یہ تصور کر سکتا ہے کہ وہ یہ کہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمر ؓ کی نماز تراویح تو گیارہ رکعت تھیں لیکن میرا مذہب بیس رکعات کا ہے۔ اذ لیس فلیس [1] مجموعۃ الفتاوی (۱۱/۵۲۰)

جوشخص یہ گمان کرتا ہے کہ تراویح میں کوئی عدد معیّن ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا ہے کہ جسے نہ زیادہ کیا جا سکتا ہے اور نہ کم تو وہ شخص غلطی پر ہے۔ نیز فرماتے ہیں: وانہٗ لا یتوقت فی قیام رمضان فان النبی ﷺلم یتوقت فیھاعدداً [1]۔

تراویح میں کوئی عدد مقرر نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس میں کوئی عدد مقرر نہیں فرمایا [2]۔

خود غیر مقلدین کے اپنے بڑے بڑے رہنما بھی یہ حقیقت کھلے دل سے تسلیم کرتے ہیں کہ رکعات تراویح کی بابت رسول اللہ ﷺ سے کوئی عدد صحیح روایت سے مروی نہیں ہے۔ علمائے غیر مقلدین کی یہ عبارات مقدمہ میں گزر چکی ہیں۔ یاددہانی کے لیے دوبارہ نذر قارئین ہیں۔

---

[1] الفتاوی الکبریٰ (۱/ ۲۲۷) [2] غیر مقلدین حضرات نے اپنی عادت مستمرہ کے موافق حافظ ابن تیمیہؒ کی ان واضح اور صریح عبارتوں سے جان چھڑانے کیلئے وہی رَوِش اختیار کی جو وہ امام سبکیؒ وغیرہ علماء کی عبارتوں کے ساتھ انجام دے چکے ہیں۔ چنانچہ مولانا نذیر رحمانی صاحب حافظ موصوفؒ کی مذکورہ بالاعبارت کی یوں توجیہ بیان کرتے ہیں:۔ حافظ ابن تیمیہؒ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ کے فعل سے اگر چہ گیارہ یا تیرہ رکعات ثابت ہیں لیکن ان کی تحدید کسی حدیث میں نہیں ہے۔ گویا انہوں نے نبی ﷺ کے فعل سے گیارہ رکعات کی نفی نہیں کی بلکہ اس کی تحدید وتعیین کی نفی کی ہے یعنی نبی ﷺ کی کسی قولی یا فعلی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس بارے میں آپ ﷺ نے رکعات کی کوئی حد مقرر فرمائی ہو کہ اس میں نہ کوئی کمی ہو سکے اور نہ زیادتی اور یہی بات ہم اہل حدیث بھی کہتے ہیں کہ گیارہ رکعات نبی ﷺ کے فعل سے ثابت ہے اور یہی سنت اور بہتر ہے لیکن اس کے ساتھ اگر کوئی شخص اس سے کم وبیش بطور نوافل پڑھنا چاہے تو اس کی کوئی ممانعت نہیں۔ محصلہ انوار المصابیح (ص ۴۴)۔

لیکن رحمانی صاحب کی یہ ساری توجیہ محض حافظ ابن تیمیہؒ کی عبارت سے جان چھڑانے کیلئے ایک ناکام حیلہ اور بے سود تدبیر ہے کیونکہ غیر مقلدین کے مذہب اور حافظ ابن تیمیہؒ کے موقف میں زمین اور آسمان کا فرق ہے، غیر مقلدین حضرت عائشہؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے صرف گیارہ رکعات کو مسنون کہتے ہیں نہ گیارہ سے کم اور نہ ہی گیارہ رکعات سے زائد کو وہ سنت سمجھتے ہیں اور یہی تحدید اور تضییق ہے جس کو حافظ ابن تیمیہؒ غلطی اور خطاء بتلا رہے ہیں تو پھر غیر مقلدین اور حافظ ابن تیمیہؒ کا موقف ایک جیسا کیسے ہو سکتا ہے کیا عصر حاضر کے غیر مقلدین جو صرف گیارہ رکعات کے قائل ہیں وہ گیارہ رکعات سے کم یا اس سے زائد رکعات پڑھنے کو سنت کہنے کیلئے تیار ہیں ہرگز نہیں، بلکہ ان میں سے بعض تو گیارہ رکعات سے زائد تراویح پڑھنے کو بدعت اور حرام تک کہہ دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

اگر یہ تحدید اور تضییق نہیں جس کا ابن تیمیہؒ سختی سے رد کر رہے ہیں تو نہ جانے یہ تحدید کس چیز کا نام ہے؟ رہا یہ کہنا =

قاضی محمد بن علی شوکانی حضرت عائشہؓ کی مذکورہ روایت سمیت اس موضوع سے متعلق متعدد روایات اس کے بعد فرماتے ہیں والحاصل ان الذی دلت علیه احادیث الباب وما یشابهها هو مشروعیة القیام فی رمضان والصلوٰة فیه جماعة وفرادی فقصر الصلوٰة المسماة بالتراویح علی عدد معین وتخصیصها بقراءة مخصوصة لم یرد به سنة[1]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس باب میں ذکر کردہ احادیث اوران جیسی دوسری احادیث سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ صرف رمضان المبارک میں قیام اوراس کو اکیلے اکیلے یا جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی مشروعیت ہے۔ پس اس نماز کو جس کا نام تراویح ہے کسی عدد معین پر بند کر دینا (جیسا کہ آج کل کے غیر مقلدین جو کہ صرف آٹھ رکعات کو سنت نبوی کہتے ہیں۔ ناقل) اورکسی مخصوص قرأت کے ساتھ خاص کر دینا رسول اللہ ﷺ کی سنت میں وارد نہیں ہوا۔

گویا شوکانی صاحب کے نزدیک رکعات تراویح کی بابت جتنی بھی احادیث ذکر کی جاتی ہیں وہ یا تو ضعیف ہیں یا وہ تراویح سے غیر متعلق ہیں۔ نیز شوکانی نے یہاں مطلق سنت کی نفی کی ہے جو سنت قولی، سنت فعلی اور سنت تقریری تینوں کو شامل ہے۔ لھذا اس سے غیر مقلدین کی تینوں دلیلوں (سنت فعلی بروایت عائشہؓ و بروایت جابرؓ اور سنت تقریری بروایت ابی بن کعبؓ) کی نفی اوران کے دعویٰ کا باطل ہونا ثابت ہوگیا۔

[illegible] نے تسلیم کیا کہ رسول اللہ ﷺ گیارہ یا تیرہ رکعات سے زائد نہیں پڑھتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ [illegible] والی روایت کو ذکر کیا ہے تو ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ اس حدیث میں اضطراب ہے اور یہ کہ یہ [illegible] کے خلاف ہے اور انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے اگر کوئی گیارہ یا تیرہ رکعات پڑھنا چاہے بھی [illegible] قیام کرے جتنا کہ رسول اللہ ﷺ قیام کرتے تھے یعنی صرف ایک رکعت میں [illegible] پارے (حافظ صاحب کی یہ تمام عبارتیں حصہ اول میں گزر چکی ہیں فلیراجع الیھا)۔ کیا غیر مقلدین حافظ ابن تیمیہؒ کی ان باتوں کو تسلیم کرتے ہیں؟

الغرض غیر مقلدین حافظ ابن تیمیہؒ کی عبارات کی جو بھی تاویل کرنا چاہیں کر لیں لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ثابت ہے کہ وہ ایسے شخص کو خطا کار کہتے ہیں جو حضرت عائشہؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے صرف گیارہ رکعات کو مسنون سمجھتا ہے۔

[1] نیل الاوطار (۵۳/۳)

اس طرح علامہ نواب صدیق حسن خان صاحبؒ (جن کو غیر مقلدین چودھویں صدی کے مجدد اور محقق اعظم کے لقب سے پکارتے ہیں) فرماتے ہیں کہ: ولم یات تعیین العدد فی الروایات الصحیحۃ المرفوعۃ [1] ۔اور تراویح کے عدد (گیارہ یا تیرہ رکعات وغیرہ) کی تعیین صحیح مرفوع روایتوں میں نہیں آئی ہے۔

نواب صاحب کے صاحبزادے اور مشہور غیر مقلد عالم نواب نور الحسن خان صاحب فرماتے ہیں: وبالجملۃ عددے معین درمرفوع نیامدہ [2] ۔خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی مرفوع روایت میں تراویح کا کوئی معین عدد مذکور نہیں۔

غیر مقلدین کے معتبر اور مستند عالم علامہ وحید الزمان غیر مقلد مترجم صحاح ستہ (جن کے بارے میں مشہور غیر مقلد مولانا بدیع الدین شاہ راشدی یہ القاب بیان کرتے ہیں: نواب عالی جناب، عالم باعمل، فقیہ وقت، صحب السنۃ وحید الزمان بن مسیح الزمان الدکنی [3]) بھی ہے اس حقیقت کو کھلے دل سے تسلیم کرتے ہیں: ولا یتعین لصلوۃ لیالی رمضان یعنی تراویح عدد معین [4] ۔اور رمضان المبارک کی رات کی نماز یعنی تراویح کے لیے (احادیث میں) کوئی عدد معین نہیں ہے۔

مولانا میاں غلام رسول صاحب غیر مقلد (جو غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دھلویؒ کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں [5]) ۔نے حضرت ملا علی قاریؒ کا یہ قول بلا رد و انکار نقل کیا ہے: اعلم انہ لم یوقت رسول اللہ ﷺ فی التراویح عددا معیّنا [6] ۔جان لو کہ رسول اللہ ﷺ نے تراویح میں کوئی تعداد مقرر نہیں فرمائی۔

قارئین: محدثین کرام اور علمائے غیر مقلدین کے ان مذکورہ بالا بیانات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ سے رکعات تراویح کی بابت کوئی معیّن عدد منقول نہیں۔لھذا عصر حاضر کے غیر مقلدین کا حضرت عائشہؓ کی روایت سے جو دراصل نماز تہجد سے متعلق ہے، رکعات تراویح پر استدلال کرنا بالکل غلط اور اپنے ہی اکابر کی تصریحات کی خلاف ورزی ہے۔

---

[1] الانتقاد الرجیح (ص ۶۱) [2] العرف الجادی (ص ۸۴) [3] ہدیۃ المستفید (۱۰۴/۱) [4] نزل الابرار (۱۲۶/۱)

[5] تاریخ اہلحدیث (ص ۴۳۳) [6] رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع (ص ۴۹، ۵۰)

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے　　اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

جواب نمبر ۵: حضرت عائشہ صدیقہؓ اس حدیث میں جس نماز کا تذکرہ فرما رہی ہیں، وہ آپ ﷺ آخر شب میں پڑھتے تھے۔ چنانچہ اس نماز کے وقت کی بابت جب ان سے پوچھا گیا تو جناب صدیقہؓ نے فرمایا: کان ینام اوله ویقوم آخره فیصلی [1]۔ یعنی آپ ﷺ رات کے پہلے حصہ میں آرام فرماتے تھے اور آخری حصہ میں اٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ اسی طرح ایک اور ایک سوال کے جواب میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ کان یقوم اذا سمع الصارخ [2]۔ رسول اللہ نماز کے لئے اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب (آخر شب) مرغ کی آواز سنتے تھے۔ مولانا میاں غلام رسول صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ سونے کے بعد (آخر شب) یہ نماز پڑھتے تھے [3]۔ اور آخر شب میں جو نماز پڑھی جاتی ہے وہ تہجد کی نماز ہے نہ کہ تراویح کی۔ چنانچہ غیر مقلدین کے فتاوی علمائے حدیث میں ہے کہ: تراویح کا وقت اول شب کا ہے اور تہجد کا آخر شب کا ہے [4]۔ غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں تہجد کا وقت صبح سے پہلے کا ہے اول شب میں تہجد نہیں ہوتی [5]۔

مولانا صلاح الدین یوسف غیر مقلد (سابق ایڈیٹر الاعتصام) لکھتے ہیں: بہرحال تہجد کا مفہوم رات کے پچھلے پہر اٹھ کر نوافل پڑھنا ہے ساری رات قیام اللیل کرنا خلاف سنت ہے۔ نبی ﷺ رات کے پہلے حصے میں سوتے اور پچھلے حصے میں اٹھ کر تہجد پڑھتے [6]۔

بنابریں غیر مقلدین کا رسول اللہ ﷺ کی آخری شب کی نماز (تہجد) سے اول شب کی نماز (تراویح) پر استدلال کرنا خود اپنے طے شدہ اصولوں کی روشنی میں باطل ہوگیا۔

جواب نمبر ۶: بالفرض غیر مقلدین کا دعوی مان ہی لیا جائے کہ اس حدیث کا تعلق تراویح سے ہے اور تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے تو پھر بھی ان کا اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے صرف آٹھ رکعت پر اکتفا کرنا اور اسی عدد کو سنت کہنا غلط ہے۔ کیونکہ جس طرح نبی کریم ﷺ کا آٹھ رکعات پڑھنا ثابت ہے۔

---

[1] بخاری (۱/۱۵۴) بحوالہ الحی علی الصلوۃ (ص ۳۶) از خواجہ محمد قاسم غیر مقلد [2] بخاری (۱/۱۵۲) [3] رسالہ تراویح (ص ۵۹) [4] (۶/۲۵۱) [5] فتاوی ثنائیہ (۱/۴۳۱) [6] تفسیری حواشی (ص ۷۸۹) مطبوعہ شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ پریس سعودی عرب

اسی طرح آپ ﷺ سے آٹھ رکعات سے کم اور آٹھ رکعات سے زائد کا پڑھنا بھی ثابت ہے۔صرف حضرت عائشہؓ سے ہی رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کی متعدد صورتیں منقول ہیں جن کی صحت کا خود غیر مقلدین کے علماء کو بھی اقرار ہے۔چنانچہ علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں:وقد ورد عن عائشةؓ في الاخبار عن صلاته ﷺ بالليل روايات مختلفه الخ [1]۔

حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ سے رات کی نماز سے متعلق مختلف روایتیں روایت کی گئی ہیں۔

اس کے بعد شوکانی صاحب نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کی مختلف صورتیں (دس رکعات، آٹھ رکعات، نو رکعات مع الوتر، سات رکعات مع الوتر وغیرہ) بلا ردو انکار نقل فرمائیں۔اسی طرح غیر مقلدین کے ایک دوسرے بڑے عالم علامہ امیر یمانیؒ لکھتے ہیں:اعلم انه قد اختلفت الروايات عن عائشةؓ في كيفية صلاته ﷺ في الليل وعددها،فقد روى عنها سبع وتسع واحدى عشرة سوى ركعتي الفجر ومنها هذه الرواية:كان يصلي من الليل عشر ركعات ويوتر سجدة اي ركعة ويركع ركعتي الفجر فتلك ثلاث عشرة ركعة الخ [2]۔

جان لو کہ حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کی کیفیت اور تعداد میں روایات مختلف ہیں چنانچہ آپ ﷺ سے سات رکعات، نو رکعات، گیارہ رکعات (مع الوتر) علاوہ دو رکعات سنت فجر کے مروی ہیں اور ان روایات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کی نماز دس رکعات پڑھتے تھے اور ایک رکعت وتر اور دو رکعات سنت فجر پڑھتے تھے، یہ کل تیرہ رکعات ہوئیں

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ صبح کی دو سنتوں سمیت پندرہ رکعات پڑھتے تھے الخ۔

مولانا میاں غلام محمد رسول صاحب لکھتے ہیں کہ:۔امام قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے جو حضرت سعد بن ہشامؒ کی سند سے آتی ہے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نو رکعت (مع الوتر) پڑھتے تھے اور بسند عروہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ گیارہ رکعت پڑھتے تھے جن میں وتر بھی ہوتے تھے جن کی ہر دو رکعت کے بعد سلام کہتے تھے اور جب آپ کے پاس مؤذن آ چکتا تو آپ ﷺ صبح

---

[1] نیل الاوطار (۳/۳۹) [2] سبل السلام (۲/۱۳)

کی دو سنتیں پڑھتے تھے اور حضرت ہشام بن عروہؒ کی روایت میں جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، یہ آتا ہے کہ آپ ﷺ تیرہ رکعت ادا کرتے جن میں صبح کی دو سنتیں بھی ہوتی تھیں اور حضرت عائشہؓ سے یہ روایت بھی ہے کہ آپ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اور ان سے یہ روایت بھی ہے کہ آپ ﷺ تیرہ رکعت پڑھتے تھے آٹھ اور پھر تین وتر اور پھر بیٹھ کر دو رکعت پڑھتے تھے۔ اور ان سے بخاری میں یہ بھی ہے کہ آپ کی رات کی نماز سات اور نو رکعت ہوتی تھی (مع الوتر) ۱۔

نیز یہاں صاحب فرماتے ہیں کہ: مصنف سفر سعادت نے (رسول اللہ ﷺ کی) رات کی نماز کے باب میں آٹھ صورتیں لکھی ہیں جو سب کی سب صحیح ہیں۔ پس جو کچھ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے یہ خبر دینا بھی ان کا اپنی باری کے دنوں کا ہے جو سال کے چھتیس دن ان کی باری کے ہوتے تھے۔ خود حضرت عائشہؓ اور اس طرح دوسرے حضرات سے گیارہ سے کم اور زیادہ کی روایت گزر چکی ہیں ۲۔ غیر مقلدین کے محدث اعظم مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ صاحب لکھتے ہیں انه ثبت ان رسول الله ﷺ كان قد يصلي ثلاث عشرة ركعة سوى ركعتي الفجر ۳۔

یہ ثابت ہے رسول اللہ ﷺ نے کبھی فجر کی دو رکعات کے علاوہ بھی تیرہ رکعات پڑھی ہیں۔

مولانا عبداللہ غازیپوریؒ نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ: حق یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی کبھی سنت فجر کے علاوہ بھی تیرہ رکعتیں پڑھی ہیں ۴۔ مولانا صادق سیالکوٹیؒ لکھتے ہیں کہ: حضرت عائشہ سے رسول خدا کی نماز سے متعلق پوچھا تو جناب صدیقہؓ نے فرمایا کہ: کبھی سات رکعتیں، کبھی نو اور کبھی گیارہ رکعتیں مع وتر پڑھتے ۵۔

نیز سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں: ۔ سات رکعت تہجد میں اگر وتر ایک رکعت پڑھیں تو تہجد چھ رکعت ہوئی۔ اور اگر وتر تین رکعت پڑھیں تو نماز تہجد چار رکعت ہوئی ۶۔ محمد قاسم خواجہ لکھتے ہیں: عائشہ صدیقہؓ قیام نبوی کے بارے میں فرماتی ہیں: یہ سات یا نو یا گیارہ رکعتیں ہوتی تھیں علاوہ فجر کی دو سنتوں کے ۷۔

۱ رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع (ص ۴۸، ۴۹) ۲ ایضاً (ص ۵۱) ۳ تحفۃ الاحوذی (۲/۷۳) ۴ رکعات التراویح (ص ۵) ۵ صلوۃ رسول (ص ۳۶۹) ۶ ایضاً ۷ حی علی الصلوۃ (ص ۳۰)

اس طرح مولانا نذیر احمد صاحب تحریر کرتے ہیں: حضرت عائشہ ؓ کا خود بخاری شریف [1]
میں بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ سات بھی پڑھتے تھے نو بھی اور گیارہ بھی۔ [2]

پس جب صرف حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کی تعداد سے متعلق مختلف روایات مروی ہیں اور آپ ﷺ کا آٹھ سے کم اور آٹھ سے زائد رکعات پڑھنا بھی ثابت ہے اور ان سب روایات کی صحت خود غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے تو پھر غیر مقلدین حضرات یہ کیسے دعوی کر سکتے ہیں کہ صرف آٹھ رکعات تراویح پڑھنا ہی رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

ع بسوخت عقل ز حیرت ایں چہ بوالعجبیست

جواب نمبر ۷: حضرت عائشہؓ کی اس حدیث میں اس قدر اختلافات (جن کا ہلکا سا نمونہ آپ نے علمائے غیر مقلدین کے مذکورہ بالا بیانات میں دیکھ لیا ہے) کو دیکھتے ہوئے بعض محدثین نے اس حدیث کو ہی مضطرب قرار دیا ہے۔

علامہ محمد شوکانیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں: ولاجل هذا الاختلاف نسب بعضهم حديثها الى الاضطرب [3]۔

حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ان اختلافات کی وجہ سے بعض علمائے محدثین نے ان کی حدیث کو اضطراب کی طرف منسوب کیا ہے۔

علامہ امیر یمانیؒ غیر مقلد تحریر کرتے ہیں: ولما اختلفت الفاظ حديث زعم البعض انه حديث مضطرب [4]۔

جب حضرت عائشہؓ کے الفاظ میں اختلاف ہوا تو بعض محدثین نے اس کو مضطرب خیال کیا ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: واضطرب فی هذا الاصل [5] اس اصل (حدیث عائشہؓ) میں اضطراب ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: قال القرطبی اشکلت روایات عائشةؓ علی

---

[1] (۱/۱۵۳) [2] انوار المصابیح (ص ۷۳) [3] نیل الاوطار (۳/۳۹) [4] سبل السلام (۲/۱۳) [5] الفتاوی الکبری (۱/۱۲۷)

کثیر من اهل العلم حتی نسب بعضهم حدیثها الی الاضطراب[1]۔

علامہ قرطبیؒ[2] فرماتے ہیں کہ بہت سے اہل علم پر حضرت عائشہؓ کی روایات مشکل ہوئی ہیں یہاں تک کہ بعض اہل علم نے ان کی اس حدیث کو ہی اضطراب کی طرف منسوب کیا ہے۔

اب جن محدثین نے اس حدیث کو مضطرب قرار دیا ہے ان کی تحقیق کی رو سے تو یہ حدیث ہی نا قابل حجت ہے۔ کیونکہ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب غیر مقلد نے تصریح کی ہے کہ: حدیث مضطراب قابل احتجاج نہیں ہو سکتی[3]۔

جواب نمبر ۸: حدیث عائشہؓ کی روایات میں اختلاف کی وجہ سے جن علماء نے اس حدیث کو مضطرب قرار دیا ہے ان کے بالمقابل دیگر علمائے کرام جنہوں نے اس کو مضطرب کہنے کی بجائے ان سب روایات میں تطبیق کا راستہ اختیار کیا ہے ان کی تحقیق کی رو سے بھی اس حدیث سے صرف آٹھ رکعات تراویح پر استدلال کرنا غلط ہے۔ کیونکہ ان علماء کے نزدیک بھی اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کی تمام راتوں کی نماز کا حال مذکور نہیں بلکہ ان کے نزدیک یا تو اس روایت میں اکثر راتوں کا ذکر ہے اور یا یہ تمام روایات آپ ﷺ کے متعدد اوقات اور مختلف حالتوں سے متعلق ہیں۔ چنانچہ امام نوویؒ، قاضی عیاض مالکیؒ سے حضرت عائشہؓ کی روایات میں تطبیق ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: واما الاختلاف فی حدیث عائشہؓ فقیل هو منها و قیل من الرواة عنها فیحتمل ان اخبارها باحدی عشرة هو الاغلب وباقی روایایتها اخبار منها بما کان یقع نادرا فی بعض الاوقات فاکثره خمس عشرة برکعتی الفجر واقله سبع وذلك بحسب ماکان یحصل من اتساع الوقت اوضیقه بطول قراءة کما جاء فی حدیث حذیفة ﷺ وابن مسعود ﷺ اولنوم اوعذر مرض اوغیره اوفی بعض الاوقات عند کبرالسن کما قالت فلما اسن ﷺ صلی سبع رکعات[4]۔

---

[1] فتح الباری (۳/۳۳۹) [2] علامہ عبداللہ قرطبیؒ: مولانا ارشاد الحق اثریؒ غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: علامہ قرطبیؒ فقہ مالکی کے مسلمہ امام ہیں ان کے کلام کو بلا دلیل رد کرنا بھی بہت بڑی جسارت ہے۔ "توضیح الکلام" (۱/۶۵) [3] تحقیق الکلام (۲/۷)

[4] شرح مسلم للنوویؒ (۱/۲۵۴)

حضرت عائشہؓ کی حدیث میں جو اختلاف ہے، تو اس کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اختلاف ان ہی سے منقول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اختلاف ان سے نقل کرنے والے راویوں کی طرف سے ہے چنانچہ احتمال ہے کہ حضرت عائشہؓ نے گیارہ رکعات کے بارے میں جو خبر دی ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی اکثر عادت ہو اور انھوں نے اپنی دیگر روایات میں جو خبر دی ہے وہ ان صورتوں پر محمول ہوں جو آپ ﷺ سے بعض اوقات میں صادر ہوئیں۔ پس یہ دو رکعات سنت فجر ملا کر زیادہ سے زیادہ پندرہ رکعات اور کم سے کم سات رکعات ہیں یا یہ وقت کی فراخی اور تنگی اور طول قراءت کی وجہ سے ہوتا تھا جیسا کہ حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث میں آتا ہے یا نیند یا بیماری وغیرہ کے عذر یا بڑھاپے کی وجہ سے بعض اوقات ایسا ہوتا رہا جیسا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول ﷺ (آخر عمر میں) بوڑھے ہو گئے تو سات رکعتیں پڑھتے تھے[1]...... وغیرہ وغیرہ۔ آخر میں قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ رات کی نماز میں (رسول اللہ ﷺ کی طرف سے) کوئی ایسی حد مقرر نہیں کہ جس میں کمی یا زیادتی نہ ہو سکے اور رات کی نماز ان نیکیوں میں سے ہیں کہ وہ جتنی بھی زیادہ کی جائے ثواب بڑھتا جائے گا۔ اختلاف تو صرف اس بات میں ہے کہ نبی ﷺ کا عمل کیا تھا اور انہوں نے اپنے لیے کیا پسند فرمایا واللہ اعلم۔

---

[1] ﴿ف﴾ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا آخری معمول رات کی نماز میں تین وتر سمیت سات رکعتیں پڑھنے کا تھا۔ اب غیر مقلدین جو اپنے آپ کو قرآن و حدیث کا بلا شرکت غیرے عامل سمجھتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ گیارہ رکعات سنت کہنے کی بجائے سات رکعات کو سنت کہیں کیونکہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں احادیث نبویہ پر عمل پیرا ہونے کے لیے یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ: انما یؤخذ من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الآخر فالآخر۔ صحیح بخاری (۱/۹۶) کہ نبی ﷺ کا جو آخری عمل ہو گا وہ لیا جائے گا۔ اس ضابطہ کی رو سے رسول ﷺ کی سنت تین وتر سمیت سات رکعات بنتی ہے لیکن غیر مقلدین اس کے برخلاف صرف گیارہ رکعات کو سنت کہتے ہیں نہ گیارہ سے کم اور نہ گیارہ سے زائد کو۔ معلوم ہوا کہ غیر مقلدین نہ تو قرآن و حدیث پر عمل پیرا ہونے کے دعوٰی میں سچے ہیں اور نہ وہ (امام بخاری وغیرہ) محدثین کرام کی تصریحات کو مانتے ہیں۔ ہم اس موقع پر غیر مقلدین حضرات کو ان کے ہی ایک بہت بڑے عالم مولانا محمد جونا گڑھی کا ایک شعر یاد دلاتے ہیں۔

بنتے ہو وفادار تو وفا کر کے دکھا ؤ　　کہنے کی وفا اور ہے کرنے کی وفا اور

حافظ ابن حجر عسقلانی نے حضرت عائشہؓ کی ان مختلف روایات میں یوں تطبیق بیان فرمائی ہے: والصواب ان ما ذکرته من ذلك محمول علیٰ اوقات متعددة و احوال مختلفة [1] ۔ درست بات یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ کی نماز سے متعلق جتنی روایات بیان فرمائی ہیں یہ متعدد اوقات اور مختلف حالتوں پر محمول ہیں ۔ اسی طرح قاضی شوکانیؒ غیر مقلد اور علامہ امیر یمانیؒ غیر مقلد نے بھی حضرت عائشہؓ کی ان روایات میں یہی تطبیق دی ہے کہ یہ سب روایتیں رسول اللہ ﷺ کے متعدد اوقات اور مختلف احوال سے متعلق ہیں اور یہ سب صورتیں جائز ہیں [2] مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ غیر مقلد نے اپنے رسالہ تراویح میں ان روایات میں مختلف تطبیقات نقل فرمائی ہیں اور اس دعوے کو غلط ثابت کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی گیارہ رکعات والی روایت میں رسول اللہ ﷺ کا دائمی عمل مذکور ہے [3] ۔

اب جن علمائے کرام نے حضرت عائشہؓ کی روایات میں بجائے اضطراب کہنے کے ان سب روایات میں یہ تطبیقات ذکر کی ہیں ان کے نزدیک بھی آٹھ رکعات (یا گیارہ رکعات مع الوتر) نبی کریم ﷺ کا دائمی عمل نہیں تھا بلکہ ان کے ہاں بھی مختلف موقعوں پر آپ ﷺ سے آٹھ سے زائد اور آٹھ سے کم رکعات پڑھنا بھی ثابت ہے ۔ اور مولانا نذیر احمد رحمانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: جس عدد کا پڑھنا ایک دفعہ بھی ثابت ہو وہ بے شک سنت ہے [4] ۔ چہ جائیکہ اس عدد کا متعدد بار پڑھنا ثابت ہو ۔ لھذا ان علمائے کرام کی تحقیق میں بھی صرف آٹھ رکعات پڑھنا ہی سنت نہیں بلکہ کبھی آٹھ سے کم اور کبھی آٹھ سے زائد رکعات پڑھنا اور آٹھ رکعات پڑھنے کی ہیئت کو بدلنا بھی سنت ہونا چاہیے اور یہ بات صرف ہم نہیں کہتے بلکہ یہ بات خود غیر مقلدین کے بہت بڑے عالم مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ بھی تسلیم کرتے ہیں ۔ چنانچہ میاں صاحب فرماتے ہیں: پس جو کچھ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے، یہ خبر دینا بھی ان کا اپنی باری کے دنوں کا ہے جو سال میں چھتیس دن ان کی باری کے ہوتے تھے اور خود حضرت عائشہؓ اور اس طرح دوسرے حضرات (صحابہ کرام ؓ) سے (گیارہ رکعات سے) کم و بیش کی روایات پہلے گزر چکی ہیں ۔ لھذا گیارہ رکعات کی ہیئت کو بدلنا اور اس

---

[1] فتح الباری (۳/۳۳۱) [2] نیل الاوطار (۳/۳۹) ، سبل السلام (۲/۱۳) [3] دیکھئے رسالہ تراویح مع ینابیع (ص ۴۶ تا ۵۶) [4] انوار المصابیح (ص ۶۴)

کا تغیر کرنا بھی سنت ہوا[1]۔ بنابریں موجود غیر مقلدین کا حدیث عائشہؓ سے استدلال کرتے ہوئے صرف آٹھ رکعات پر اقتصار کرنا اور اسی عدد کو سنت کہنا خود بخود باطل ہو گیا۔

جواب نمبر ۹: اگر بالفرض مان لیا جائے کہ صرف آٹھ رکعات کا پڑھنا ہی رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے لیکن جب حضرت عمر فاروقؓ نے بحیثیت خلیفہ راشد ان میں اضافہ فرمادیا اور تراویح کی بیس رکعات مقرر کر دیں تو اب صرف آٹھ رکعات کا پڑھنا سنت نہیں بلکہ بیس رکعات کا پڑھنا ہی سنت ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنے فرمان علیکم بِسُنَّتِیْ وسُنَّةِ الْخلفاء الراشدین المهد یّین الحدیث [2]۔ میں اپنی سنت کی طرح اپنے خلفائے راشدین کی سنت کو بھی امت کیلئے لازم اور ضروری قرار دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ غیر مقلدین کے معتدل اور انصاف پسند علماء صرف آٹھ رکعات تراویح کو سنت نہیں کہتے بلکہ وہ بیس رکعات کو بھی سنت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ غیر مقلدین کے مجدد العصر نواب صدیق حسن خان صاحبؒ ان نکتہ کو یوں بیان کرتے ہیں: مقصود آنکه یازده رکعت از آنحضرت ﷺ مروی گشته وبسنت رکعت زیادت عمرؓ بن الخطاب است وسنت نبویه درزیادت عمرؓ په معمور پس آتی بزیادت عامل بسنت ہم باشد [3]۔

مقصود یہ ہے کہ گیارہ رکعتیں آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں اور بیس رکعتیں حضرت عمرؓ کے اضافہ سے ہوئی ہیں۔ اضافہ کے بعد حضرت عمرؓ کی مقرر کردہ تعداد میں سنت نبوی داخل و شامل ہے لھذا بڑھائی ہوئی تعداد (بیس رکعات) پر عمل کرنے والا بھی (رسول اللہ ﷺ کی) سنت پر عمل کرنے والا ہے۔

مولانا میاں غلام رسول صاحب اپنے رسالہ تراویح کے خطبہ میں فرماتے ہیں کہ: بیس رکعات تراویح ادا کرنے سے آنحضرت ﷺ کی سنت بھی ادا ہو جاتی ہے اور حضرات خلفائے راشدین کی سنت بھی اور اس میں اجر بھی زیادہ ہے۔ [4]

اب اگر غیر مقلدین حضرات اپنے اکابر کا یہ فیصلہ تسلیم کر لیں تو تراویح کے مسئلہ میں اختلافات کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ دیدہ باید!

---

[1] رسالہ تراویح مع ینابیع (ص۵۴، ۵۵) [2] ترمذی (۹۴/۲) [3] ہدایۃ السائل (ص۱۳۸) بحوالہ رکعات التراویح (ص۹۴)
[4] رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع (ص۲۳)

جواب نمبر ۱۰ حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث پر غیر مقلدین کا خود اپنا عمل نہیں بلکہ ان کا عمل تو اس حدیث کے سراسر خلاف ہے کیونکہ:

(۱) اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ پورا سال یہ نماز پڑھتے تھے جبکہ غیر مقلدین اس نماز کو صرف ماہ رمضان میں التزام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

(۲) حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ یہ آٹھ رکعت چار چار رکعت کی نیت سے دو سلام میں پڑھتے تھے ۱۔ :بلکہ غیر مقلدین ان آٹھ رکعتوں کو دو دو کر کے چار سلاموں میں پڑھتے ہیں۔

(۳) اس حدیث میں ہے کہ رسول ﷺ تین وتر پڑھتے تھے اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: ظاہر یہی ہے کہ وتر کی یہ تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ تھیں ۲۔ جبکہ غیر مقلدین صرف ایک وتر پڑھتے ہیں اور اگر کوئی تین وتر پڑھتا بھی ہے تو دو سلام کے ساتھ۔

(۴) اس حدیث میں ہے کہ پیغمبر عالم ﷺ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے تھے جبکہ غیر مقلدین وتر سونے سے پہلے ہی پڑھ لیتے ہیں۔

(۵) مذکورہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ یہ آٹھ رکعتیں نہایت خوبی اور درازی کے ساتھ پڑھتے تھے لیکن غیر مقلدین یہ آٹھ رکعتیں مختصر اور ہلکی پھلکی پڑھتے ہیں۔

(۶) حضرت عائشہؓ اس حدیث میں جس نماز کا تذکرہ کر رہی ہیں وہ آپ ﷺ آخر شب (سحری کے وقت) میں پڑھتے تھے ۳۔ لیکن غیر مقلدین تراویح نماز عشاء کے متصل بعد پڑھتے ہیں۔

(۷) آنحضرت ﷺ یہ نماز سونے کے بعد پڑھتے تھے۔ ۴ جبکہ غیر مقلدین یہ نماز سونے سے پہلے ہی پڑھ لیتے ہیں۔

(۸) اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کا یہ نماز گھر میں پڑھنا مذکور ہے (کیونکہ حدیث ھذا میں حضرت عائشہؓ اور آپ ﷺ کے درمیان بات چیت کرنے کا جو ذکر ہے یہ دلیل ہے کہ یہ نماز آپ ﷺ گھر میں ہی پڑھتے تھے) بلکہ ایک روایت میں تو رسول ﷺ نے نماز تراویح کو گھر میں پڑھنے کا حکم فرمایا ہے ۵۔

---

۱ صلوٰۃ الرسول (ص ۳۷۰) ۲ تحفۃ الاحوذی (۱/۳۳) ۳ بخاری (۱/۱۵۴)

۴ رسالہ تراویح (ص ۵۹) از مولانا غلام رسول صاحب غیر مقلد ۵ بخاری (۱/۱۵۴)

لیکن غیر مقلدین اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے تراویح مسجدوں میں پڑھتے ہیں۔

(۹) حدیث میں مذکورہ نماز کو آپ ﷺ نے بلا جماعت ادا فرمایا لیکن غیر مقلدین اس کو جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں بلکہ ان کے فتاوی علمائے حدیث میں تو تراویح کے لیے جماعت کو شرط قرار دیا گیا ہے [۱]۔

(۱۰) اس حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ آٹھ رکعات پڑھنے کے بعد وتر بھی بلا جماعت پڑھتے تھے لیکن غیر مقلدین پورا رمضان وتر کو تراویح کے ساتھ باجماعت پڑھتے ہیں۔

تلك عشرة كاملة۔

غیر مقلدین حضرات نے اس حدیث کی صرف ایک شق (آٹھ رکعات) کو تو لے لیا لیکن اس حدیث کی ان دیگر شقوں کو جو ان کے موقف کے خلاف تھیں، ٹھکرا دیا۔ گویا

میٹھامیٹھاھپ ھپ کڑوا کڑوا تھو۔

اسی طرح وہ حدیث عائشہؓ سے استدلال کرنے کی وجہ سے اپنے اوپر وارد شدہ اعتراضات کا جواب دینے کیلئے حضرت عمر فاروقؓ کے قائم کردہ طریقہ جماعت سے تو استدلال کرتے ہیں لیکن ان کی مقرر کردہ بیس رکعات والی سنت کو ترک کر دیتے ہیں۔

یہ لوگ بھی غضب کے ہیں، دل پر یہ اختیار! شب موم کر لیا سحر آہن بنا لیا

حضرات! یہ ہے غیر مقلدین کی آٹھ تراویح کے اثبات میں پہلی اور مرکزی دلیل جس کو وہ اپنے زعم میں ایک غیر متزلزل پہاڑ سمجھتے ہیں لیکن بحمد اللہ ہمارے ذکر کردہ ان دس جوابات (جو غیر مقلدین کے مسلمات اور ان کے اکابر کی تصریحات کی روشنی میں ذکر کئے گئے ہیں) سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث کا غیر مقلدین کے دعوٰی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اس حدیث سے ان کا مدعا ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا۔ ان دس جوابات کے علاوہ اس دلیل کے اور بھی کئی جوابات ہمارے پیش نظر ہیں لیکن طوالت کے خوف سے ان ہی دس جوابات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ انصاف پسند کیلئے یہی دس جوابات کافی ہیں۔

تلك عشرة كاملة۔ وفيه كفاية لمن له هداية۔

---

[۱] (۲۳۳/۶)

دلیل نمبر۲: حدیث جابر الانصاری ﷺ۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری ﷺ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں نماز پڑھائی۔ آپ ﷺ نے آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھے ؎۔

جواب نمبر۱: یہ روایت غیر مقلدین کے بیان کردہ قاعدہ کے موافق منقطع ہے کیونکہ اس روایت کو حضرت جابر ﷺ سے نقل کرنے والے راوی عیسیٰ بن جاریہ ہیں جن کے متعلق حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: من الرابعۃ ؎ کہ وہ چوتھے طبقہ کے راوی ہیں۔ اور چوتھے طبقہ کے متعلق مولانا نذیر احمد رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: چوتھا طبقہ وہ ہے جو تابعین کے طبقہ وسطیٰ کے قریب ہے جن کی اکثر روایتیں کبار تابعین سے لی گئی ہیں، صحابہ ﷺ سے نہیں ؎۔

سو جب عیسیٰ بن جاریہ چوتھے طبقہ کے راوی ہیں اور بقول مولانا رحمانی اس طبقہ والوں کی احادیث صحابہ کرام ﷺ سے مروی نہیں ہیں تو پھر جب عیسیٰ نے بھی اس روایت کو حضرت جابر ﷺ سے نقل کیا ہے جو صحابی رسول ہیں تو غیر مقلدین کے اصول کے مطابق عیسیٰ کی یہ روایت حضرت جابر ﷺ سے منقطع ٹھہری اور منقطع روایت غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں بالخصوص جبکہ عیسیٰ نے یہ روایت حضرت جابر ﷺ سے لفظ عن کے ساتھ بیان کی ہے اور لفظ عن کے متعلق مولانا نذیر رحمانی لکھتے ہیں: عن میں احتمال معاصرت اور امکان لقاء کی گنجائش ہے مگر حافظ ابن حجر کے قول کے بموجب صرف احتمال اور امکان کافی نہیں بلکہ معاصرت کا ثبوت شرط ہے اور حافظ ابن الصلاح کے قول کے بموجب تو ملاقات کا ثبوت بھی شرط ہے ؎۔ بنابریں غیر مقلدین حضرات کا فرض ہے کہ وہ اس روایت کا اتصال ثابت کرنے کیلئے عیسیٰ بن جاریہ اور حضرت جابر ﷺ کے درمیان ملاقات کا ثبوت یا کم از کم معاصرت ہی ثابت کردیں ورنہ اس روایت سے استدلال کرنا چھوڑ دیں۔

۱؎ صحیح ابن خزیمہ (۲/۱۳۸)، صحیح ابن حبان (۴/۶۴)، قیام اللیل (ص ۱۹۷) ۲؎ تقریب (۱/۷۶۹)

۳؎ انوار المصابیح (ص ۲۸۰) ۴؎ ایضاً (ص ۲۹۵، ۲۹۶)

جواب نمبر۲:۔اس حدیث کی سند کے اتصال وانقطاع سے قطع نظر بھی اس حدیث سے استدلال کرنا غلط ہے کیونکہ یہ حدیث نہایت ضعیف سند سے مروی ہے اس روایت کو حضرت جابر ﷜ سے نقل کرنے میں عیسیٰ بن جاریہ منفرد ہیں اور عیسیٰ روایت حدیث میں نہایت ضعیف اور مجروح راوی ہیں۔ پھر عیسیٰ بن جاریہ سے بھی اس روایت کو صرف ایک راوی یعقوب قمی نے نقل کیا ہے اور یعقوب قمی بھی ضعیف راوی ہیں۔ قیام اللیل وغیرہ میں اس روایت کا ایک تیسرا راوی محمد بن حمید الرازی بھی بالاتفاق ضعیف اور کذاب ہے لھذا ایسی روایت جس کی سند ظلمات بعضھافوق بعض کا مصداق ہو اس سے حجت لینا ہرگز جائز نہیں۔ اب اس روایت کے تینوں راویوں کا حال ملاحظہ کریں۔

﴿۱﴾عیسیٰ بن جاریہ کا تعارف: حافظ ابن حجر عسقلانی تھذیب التھذیب [۱] میں، حافظ ابوالحجاج مزی تھذیب الکمال [۲] میں اور حافظ ذہبیؒ میزان الاعتدال [۳] میں عیسیٰ بن جاریہ کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ:

(۱) امام الجرح والتعدیل حضرت یحییٰ بن معین فرماتے ہیں لیس بذاك کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے۔

(۲) امام ابن معین اس کے بارے میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ: عندہ مناکیر کہ اس کے پاس منکر روایتیں ہیں۔

(۳) امام ابوداؤد فرماتے ہیں: روی مناکیر کہ ابن جاریہ نے منکر روایتیں نقل کی ہیں۔

(۴) امام ابوداؤد اس کے بارے میں یہ بھی فرماتے ہیں: منکر الحدیث کہ یہ منکر الحدیث ہے [۴]۔

(۵) امام نسائی بھی اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں۔ اور منکر الحدیث راوی کون سا ہوتا ہے۔ اس کی بابت مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد حافظ ابن حجر سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جس کی غلطیاں زیادہ ہوں یا غفلت باکثرت ہو یا فسق ظاہر ہو، اس کی حدیث منکر ہے۔ [۵]

---

[۱] (۱۸۶/۸) [۲] (۵۳۴،۵۳۳/۱۴) [۳] (۳۱۱/۳) [۴] مولانا نذیر رحمانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: امام ابوداؤد اور حافظ ابن حجر یہی دو حضرات ایسے ہیں جن کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ نہ متشدد ہیں اور نہ متساہل۔ امام ابوداؤد نے بے شک عیسیٰ بن جاریہ کو منکر الحدیث کہا ہے۔ یہی جرح امام نسائی نے بھی کی ہے۔ انوار المصابیح (ص۱۱۲)۔ اس اقتباس سے حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد کا یہ کہنا غلط ثابت ہو گیا کہ: ابوداؤد کی جرح ثابت نہیں ہے۔ رسالہ تعداد رکعات قیام کا تحقیقی جائزہ (ص۶۴) [۵] توضیح الکلام (۶۲۸/۲)

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب غیر مقلد منکر الحدیث راوی کے بارے میں لکھتے ہیں: حتی تکثر المناکیر فی روایته وینتهی الی ان یقال فی منکر الحدیث لان منکر الحدیث وصف فی الرجل یستحق به الترك بحدیثه ۱؎ ۔

منکر الحدیث وہ راوی ہے جو منکر روایتیں اتنی کثرت سے بیان کرے کہ بالآخر اس کو منکر الحدیث کہا جانے لگے یونکہ منکر الحدیث راوی میں ایسا وصف ہے کہ اس کی وجہ سے وہ اس بات کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اس کی حدیث ترک کر دی جائے ۔

مولانا محمد گوندلوی صاحب سابق امیر جماعت اہل حدیث لکھتے ہیں: دوسری عبارت یعنی منکر الحدیث سے قابل اعتبار جرح ثابت ہوتی ہے ۔ ۲؎

حافظ محمد اسحاق صاحب غیر مقلد (مدرس جامعہ رحمانیہ لاہور) ایک حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں: ان دونوں راویوں کے ضعیف بلکہ اول الذکر کے منکر الحدیث ہونے کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ حدیث ضعیف جدا یا منکر کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہے ۳؎ ۔ مولانا ارشاد الحق اثری تحریر فرماتے ہیں: البتہ منکر الحدیث کے الفاظ راوی کے ضعف پر دلالت کرتے ہیں ۴؎ ۔ نیز اثری صاحب الرفع والتکمیل سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: پہلے الفاظ قابل اعتبار جرح نہیں برعکس دوسرے منکر الحدیث کے کہ وہ راوی پر ایسی جرح ہے جس کا اعتبار کیا جاتا ہے ۵؎ ۔

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: سوار منکر الحدیث یعنی سخت ضعیف ہے ۔ ۶؎

ان اقتباسات سے ثابت ہو گیا کہ لفظ منکر الحدیث خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی انتہائی سخت، قابل اعتبار اور مفسر جرح ہے ۔ ۷؎

۱؎ ابکار المنن (ص ۱۹۹) ۲؎ خیر الکلام (ص ۱۷۰) ۳؎ ہفت روزہ الاعتصام (ص ۲۰) ۷ اگست ۱۹۹۲ء) ۴؎ توضیح الکلام (۴۹۹/۱) ۵؎ ایضاً (ص ۴۹۸) ۶؎ ماہنامہ الحدیث (ص ۱۵، ستمبر ۲۰۰۴) ۷؎ اشکال: مولانا نذیر رحمانی صاحب غیر مقلد عیسیٰ بن جاریہ پر لفظ منکر الحدیث سے کی گئی جرح کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: محدثین کے اطلاقات میں منکر الحدیث کا لفظ مختلف معانی میں مستعمل ہے بعض معنیٰ کے اعتبار سے تو یہ سرے سے کوئی جرح کا لفظ ہی نہیں چہ جائیکہ یہ کوئی شدید جرح ہو چنانچہ =

= (۱) حافظ عراقی لکھتے ہیں کہ بسا اوقات محدثین کسی راوی پر منکر الحدیث کا اطلاق اس لیے کر دیتے ہیں کہ اس نے صرف ایک ہی حدیث روایت کی ہے۔ الرفع والتکمیل (ص ۱۴)

(۲) حافظ سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں کہ: کبھی یہ لفظ ثقہ راوی پر بھی بول دیتے ہیں جبکہ اس نے ضعیف راویوں سے منکر حدیثیں روایت کی ہوں۔

(۳) حافظ ذہبیؒ میزان میں لکھتے ہیں کہ: محدثین جب کسی راوی کی بابت منکر الحدیث کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے ان کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ اس کی جتنی روایتیں ہیں وہ سب منکر ہیں بلکہ اس کی جملہ روایتوں میں سے اگر بعض بھی منکر ہوں تو اس کو منکر الحدیث کہہ دیتے ہیں (الرفع والتکمیل)۔

دیکھئے ان اطلاقات کے مفہوموں میں باہم کتنا فرق ہے۔ اس لئے جب تک کسی معتبر دلیل سے ثابت نہ ہو جائے کہ امام ابوداؤد وغیرہ نے عیسیٰ بن جاریہ کو کس معنی کے اعتبار سے منکر الحدیث کہا ہے، اس وقت تک قطعی طور پر یہ حکم لگا دینا کہ اس کی یہ روایت قابل قبول نہیں ہو سکتی نری زبردستی ہے۔ انوار المصابیح (ص ۱۱۸)

لیکن رحمانی صاحب کا یہ جواب (حسب عادت) محض سینہ زوری اور دفع الوقتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے لفظ منکر الحدیث کے اصل معنیٰ (جو علمائے غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہیں) چھوڑ کر جتنے بھی ضمنی معانی یہاں ذکر کیے ہیں ان میں سے ایک معنیٰ بھی یہاں عیسیٰ بن جاریہ کے بارہ میں مراد نہیں ہو سکتا۔ اوّل معنیٰ کا مراد نہ ہونا تو ظاہر ہے کیونکہ عیسیٰ بن جاریہ سے صرف ایک ہی حدیث مروی نہیں بلکہ کئی اور روایات بھی مروی ہیں۔ مثلاً متصل آئندہ روایت جابر ؓ جس میں حضرت ابی بن کعب ؓ کا اپنے گھر میں آٹھ رکعات پڑھانے کا ذکر ہے۔ اس روایت کو بھی حضرت جابر ؓ سے نقل کرنے والے یہی ابن جاریہ ہیں۔ لھذا پہلے معنیٰ کا یہاں مراد نہ ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اسی طرح لفظ منکر الحدیث کا دوسرا معنیٰ جو رحمانی صاحب نے حافظ سخاوی سے نقل کیا ہے، وہ بھی یہاں مراد نہیں کیونکہ عیسیٰ بن جاریہ نے ان راویوں سے (بشرط ثبوت) روایات نقل کیں ہیں: ۔حضرت جابر بن عبداللہ ؓ، حضرت جبیر بن عبداللہ البجلی ؓ، حضرت شریک ؓ، حضرت سالمؒ بن عبداللہ ؓ، سعید بن المسیبؒ، اور ابوسلمہؒ بن عبدالرحمن ؓ، بن عوف۔ تھذیب الکمال (۱۴/۵۳۳) تھذیب التھذیب (۸/۱۸۶) اور یہ سب راوی ثقہ اور عادل ہیں بلکہ اوّل الذکر تینوں صحابہ کرام ؓ میں سے ہیں۔ اور باقی سب ثقہ اور مشہور تابعینؒ ہیں۔ لھذا یہ معنیٰ لینا کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ خود تو ثقہ راوی ہیں لیکن اس نے ضعیف راویوں سے منکر حدیثیں روایت کی ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالك۔

اور لفظ منکر الحدیث کے تیسرے معنیٰ جو رحمانی صاحب نے حافظ ذہبیؒ سے الرفع والتکمیل کے حوالہ سے ذکر کئے ہیں، اس کی اصل نہیں ہے کیونکہ الرفع والتکمیل میں مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے حافظ ذہبی۔ یہ قول یوں نقل کیا ہے کہ: حافظ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں عبداللہ بن معاویہ الزھیری کے ترجمہ میں لکھا ہے: قولهم منكر الحديث=

= لا یعلمون به ان کل مارواه منکر الخ الرفع و التکمیل (ص۲۰۱) لیکن حافظ ذہبیؒ کے یہ الفاظ عبداللہ زھیری کے ترجمہ میں میزان الاعتدال کے کسی مطبوعہ نسخے میں موجود نہیں ہیں جیسا کہ شیخ ابوغدہ عبدالفتاح صاحب نے الرفع والتکمیل کے حاشیہ میں اس کی تصریح کی ہے۔ دیکھئے حاشیہ نمبر۳ الرفع والتکمیل (ص۲۰۱) مطبوعہ مکتبہ الدعوۃ الاسلامیہ پشاور۔ اور میزان الاعتدال کا جو نسخہ خود غیر مقلدین کے مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ نے شائع کیا ہے اس میں بھی عبداللہ زہیری کے ترجمہ میں حافظ ذہبیؒ کے یہ الفاظ موجود نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا لکھنوی کا یہ الفاظ نقل کرنا ان کے سہو قلم کا نتیجہ ہے۔ واللہ اعلم۔ اور بالفرض اگر حافظ ذھبیؒ کے یہ الفاظ میزان کے کسی نسخہ میں ہوں بھی تو پھر بھی یہ الفاظ عیسیٰ بن جاریہ کے حق میں کچھ بھی مفید نہیں کیونکہ اس سے جتنی روایات مروی ہیں ان کے متعلق کسی محدث نے یہ تصریح نہیں کی کہ عیسیٰ کی مروی روایات میں سے صرف بعض روایات منکر ہیں اور باقی صحیح ہیں اور یہ کہ اس کی یہ مذکورہ روایت ان منکر روایتوں میں شامل نہیں ہے۔ اذ لیس فلیس۔

الغرض رحمانی صاحب نے جتنے معانی بھی لفظ منکر الحدیث کے ذکر کیے ہیں، ان میں سے کوئی معنی بھی عیسیٰ بن جاریہ جیسے منکر الحدیث راوی کے بارے میں مراد نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس کے حق میں وہی معنی مراد ہیں جو ہم نے غیر مقلدین کے علماء سے نقل کئے ہیں۔ اور اس پر دلیل اور قرینہ یہ ہے کہ امام الجرح والتعدیل حضرت یحییٰ بن معین نے اس کے بارے میں عندہ مناکیر اور امام ابوداؤدؒ نے روی مناکیر فرمایا ہے اور مولانا ابراہیم سیالکوٹی غیر مقلد اور مولانا عبداللہ روپڑی غیر مقلد نے عندہ مناکیر اور لہ مناکیر کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اس کی کئی حادیث (یعنی بکثرت) منکر ہیں۔ سیرت المصطفیٰ (ص۱۳۸)، فتاویٰ اہلحدیث (۳۱۴/۱) اسی طرح ابن معین کے الفاظ عندہ مناکیر جملہ اسمیہ ہے جس میں دوام اور استمرار ہوتا ہے۔ اب عندہ مناکیر کا مطلب ہوگا کہ اس راوی نے بکثرت منکر روایتیں نقل کی ہیں اور بعینہ یہی معنی لفظ منکر الحدیث کا مولانا مبارکپوری صاحب وغیرہ غیر مقلدین نے نقل کیا ہے کہ جو راوی بکثرت منکر روایتیں نقل کرے الخ۔ لھذا رحمانی صاحب کا شکوہ دور ہو گیا کہ لفظ منکر الحدیث کا یہ معنی لینے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

اشکال ثانی:۔ مولانا نذیر رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ لفظ منکر الحدیث جرح مبہم ہے کیونکہ مستند علماء نے اس کے جرح مبہم ہونے کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ علامہ ابوالحسن سندھیؒ لکھتے ہیں: کسی محدث کا کسی راوی کے حق میں منکر الحدیث کہنا ایسی جرح ہے جو بیان سبب سے خالی ہے۔ کیونکہ اس جرح کا حاصل یہ ہے کہ یہ راوی ضعیف ہے اور اسی کے اس نے ثقات کی مخالفت کی ہے لھذا ضعیف کہنا بلاشبہ جرح مبہم ہے الخ۔ انوار المصابیح (ص۱۱۹، ۱۲۰) بحوالہ الرفع التکمیل۔

جواب:۔ رحمانی صاحب نے دعویٰ تو یہ کیا ہے کہ مستند علماء نے اس کے جرح مبہم ہونے کی تصریح کی ہے لیکن ان کو کافی کوشش و محنت کے باوجود اس دعویٰ کے اثبات میں صرف علامہ سندھی کا ہی حوالہ مل سکا ورنہ رحمانی کا اپنی پوری کتاب میں یہ طرز ہے کہ اگر کسی مسئلہ کی تحقیق میں کوئی ضعیف سے ضعیف قول بھی ہاتھ آجائے تو اس کو بھی ذکر کرنے سے دریغ =

(۶) امام نسائی نے عیسٰی بن جاریہ کو منکر الحدیث کے ساتھ ساتھ متروک بھی فرمایا ہے۔ اور مشہور غیر مقلد مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں کہ: کذاب، متروک، لیس بثقہ کے الفاظ شدید جرح میں شمار ہوتے ہیں [1]۔ نیز اثری لیس بثقہ جس لفظ کو انہوں نے متروک کے ہم درجہ شمار کیا ہے فرماتے ہیں: یہ الفاظ جرحی کلمات میں دوسرے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں جن کی روایت قابل استشہاد واعتبار نہیں [2]۔ اب بقول مولانا اثری عیسٰی بن جاریہ پر امام نسائیؒ نے اتنی شدید جرح کی ہے کہ ایسے راوی کی روایت سے استدلال تو کیا اس کی روایت متابعت اور استشہاد میں بھی پیش کرنے کے قابل نہیں۔ لیکن اس کے باوجود

=نہیں معلوم ہوتا ہے کہ لفظ منکر الحدیث کو جرح مبہم کہنے والوں کے دلائل کی کل کائنات صرف علامہ سندھیؒ کا یہ قول ہے۔ لیکن الحمدللہ ہم نے صرف غیر مقلدین کے کئی مستند علماء کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ یہ مفسر اور نہایت سخت جرح ہے اور رحمانی صاحب کے استاذ اور غیر مقلدین کے محقق اعظم مولانا مبارکپوری صاحب کا حوالہ گزر چکا ہے کہ لفظ منکر الحدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ راوی کثرت سے منکر روایتیں بیان کرے اور یہی جرح مفسر ہے کیونکہ جرح مفسر کا مفہوم یہی ہے کہ اس میں جرح کا سبب مذکور ہو اور لفظ منکر الحدیث میں بھی جرح کا سبب یعنی راوی کا کثرت سے مناکیر نقل کرنا موجود ہے لہذا اس کو جرح مبہم کہنا غلط ہے۔ رحمانی صاحب نے علامہ سندھیؒ کا جو قول نقل کیا ہے کہ یہ جرح مبہم ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر انہوں نے لفظ منکر الحدیث کو جرح مبہم کہا تو ساتھ انہوں نے یہ بھی وضاحت کر دی ہے کہ جب یہ اس معنی میں ہو کہ یہ راوی ضعیف ہے اور اس نے ثقہ راوی کی مخالفت کی ہے۔ چنانچہ علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں: اذ حاصله انه ضعيف خالف الثقة۔ الرفع والتکمیل (ص ۲۰۴) لیکن جس معنی میں علامہ سندھیؒ نے لفظ منکر الحدیث کو جرح مبہم کہا ہے وہ معنی عیسٰی بن جاریہ کے بارے میں مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کو منکر الحدیث کہنے کے ساتھ عندہ مناکیر بھی کہا گیا ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ یہ لفظ اس راوی کے حق میں بولا جاتا ہے جس نے کثرت سے منکر روایتیں نقل کی ہوں اور یہ جرح مفسر ہے اور خود علامہ سندھیؒ بھی اس معنی میں لفظ منکر الحدیث کو جرح مفسر مانتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: وانما تضر كثر المناكير و كثرة مخالفة الثقات۔ حوالہ سابق۔ راوی کا کثرت سے منکر روایتیں نقل کرنا اور کثرت سے ثقات کی مخالفت کرنا مضر یعنی جرح مفسر ہے۔ لھذا جس معنی میں عیسٰی بن جاریہ منکر الحدیث ہے اس معنی میں یہ لفظ خود علامہ سندھیؒ کے نزدیک بھی جرح مضر اور مفسر ہے تو یوں غیر مقلدین کا آخری سہارا علامہ سندھیؒ کا قول بھی ان کے ہاتھ سے نکل گیا ...

ع جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

[1] توضیح الکلام (۲/۶۰۸) [2] حوالہ سابق (ص ۷۱۷)

غیر مقلدین حضرات اپنے طے شدہ اصولوں کی ذرا برابر پروا نہیں کرتے اور عیسٰی بن جاریہ کی روایت سے صرف استشہاد ہی نہیں بلکہ استدلال کیے بیٹھے ہیں۔

ع این چہ بوالعجبیست

(۷) امام ابن عدی فرماتے ہیں: احادیثہ غیر محفوظۃ کہ عیسٰی بن جاریہ کی بیان کردہ حدیثیں غیر محفوظ ہیں۔ مولانا نذیر رحمانی صاحب غیر مقلد اس جملہ کی وضاحت میں لکھتے ہیں: یعنی محفوظ کا مقابل اور اس کا غیر ہیں جن کو اصطلاحاً شاذ کہتے ہیں [1]۔ اب غیر مقلدین کے وکیل اعظم مولانا رحمانی صاحب نے تسلیم کر لیا ہے کہ ابن جاریہ کی بیان کردہ حدیثیں غیر محفوظ اور شاذ ہیں اور جس راوی کی روایتیں شاذ ہوں وہ راوی کیسا ہوتا ہے؟ ایسے راوی کا تعارف بھی رحمانی صاحب کے قلم سے ملاحظہ کریں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اگر حفظ کے اعتبار سے بہت گرا ہوا راوی نہ ہو تو اس کی حدیث حسن ہوگی اور اگر اس کے خلاف ہو یعنی حفظ کے اعتبار سے بہت گرا ہوا راوی ہو تو البتہ (اس کی) وہ روایت شاذ و منکر کہی جائے گی [2]۔

گویا عیسٰی بن جاریہ حفظ کے اعتبار سے اتنا گرا ہوا راوی ہے کہ بقول رحمانی صاحب غیر مقلد اس کی وجہ سے اس کی حدیثیں غیر محفوظ اور شاذ ہیں۔ اور یہ بات بھی یاد رہے کہ یہی امام ابن عدیؒ جنہوں نے عیسٰی بن جاریہ کی روایتوں کو غیر محفوظ اور شاذ فرمایا ہے انہوں نے حدیث ابن عباس ﷺ کے راوی ابراہیم بن عثمان ابوشیبہؒ کی روایتوں کو صالح اور درست کہا ہے [3]۔ اب ابوشیبہ کی بیان کردہ حدیث تو غیر مقلدین کے نزدیک موضوع اور نہایت ضعیف ہے لیکن جس راوی (عیسٰی بن جاریہ) کی روایات ابن عدی کے نزدیک غیر محفوظ ہیں اس کی بیان کردہ یہ حدیث غیر مقلدین کے ہاں قابل استدلال ہے۔

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

(۸) امام عقیلیؒ نے عیسٰی بن جاریہ کو ضعفاء یعنی ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے۔

(۹) امام ساجیؒ نے بھی اس کو ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے [4]۔

---

[1] انوار المصابیح (ص ۱۱۷) [2] ایضاً (ص ۱۲۳) [3] تھذیب الکمال (۳۹۳/۱) [4] اشکال: مولانا نذیر رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں عیسٰی بن جاریہ کے جارحین میں چار حضرات ابن معین، نسائی، عقیلی، ابن عدی کا متعنتین میں شمار ہونا تو بالکل واضح ہے، اسی طرح ساجی جرح و تعدیل کے باب میں مثبت اور محتاط نہ تھے بلکہ متساہل یا متشدد تھے اور ایسے لوگوں کی =

(۱۰) شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی اس کے بارے میں لکھتے ہیں: فیہ لین [1]۔
کہ عیسٰی بن جاریہ روایت حدیث میں کمزور (یعنی ضعیف) ہے۔
حافظ ابن حجرؒ نے فیہ لین کو الفاظ جرح وتعدیل کے چھٹے طبقہ میں شمار کیا ہے [2]۔
علامہ احمد شاکر غیر مقلد فرماتے ہیں کہ: حافظ ابن حجرؒ کے بیان کردہ طبقات میں سے صرف پہلے چار طبقوں کی روایات حجت ہیں۔ اور چوتھے طبقہ کے بعد والے طبقات والے راوی کی روایات مردود ہیں الا کہ وہ روایت کثرت طرق سے مروی ہو [3]۔ [3] تلك عشرة كاملة

= جرح وتعدیل مقبول نہیں۔ ملخصًا انوار المصابیح (ص۱۱۲)۔ جواب:۔ رحمانی صاحب کا یہ اشکال بالکل بے وقعت ہے کیونکہ اگر تسلیم بھی کرلیا جائے کہ یہ حضرات متشدد اور متعنت تھے تو پھر بھی انکی جرح مقبول ہے کیونکہ ابن جاریہ کے جارحین میں امام ابوداؤد اور حافظ ابن حجر بھی ہیں جن کے متعلق خود رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ: یہ نہ متشدد ہیں اور نہ متساہل۔ ایضاً (ص۱۱۲) رحمانی صاحب یہ اصول بھی کھلے دل سے تسلیم کرتے ہیں کہ: جب متشدد جارح کی موافقت کوئی معتدل جارح کردے تو پھر متشدد جارح کی جرح بھی مقبول ہوجاتی ہے۔ انوار المصابیح (۱۱۳) بحوالہ الرفع التکمیل (ص۱۸)۔ پس جب امام نسائی اور امام ابن معین وغیرہ کی موافقت امام ابوداؤد اور حافظ ابن حجر نے کی ہے جو بقول رحمانی صاحب جرح تعدیل میں نہایت معتدل ہیں تو پھر رحمانی صاحب کا امام نسائی، امام ابن معین، امام ابن عدی، امام ساجی اور امام عقیلی کو متشدد کہہ کر ان کی جرح کو رد کرنا انصاف ودیانت سے جی چرانے والی بات ہے۔ [1] تقریب التھذیب (۱/۷۷۹)

[2] انوار المصابیح (ص۱۱۶) بحوالہ التقریب (ص۱) [3] الباعث الحثیث (ص۱۰۷)۔

(۳) اشکال:۔ مولانا نذیر رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ: حافظ ابن حجرؒ کی جرح سے عیسٰی کی روایت کا ترک ہونا لازم نہیں آتا انہوں نے تقریب میں صرف فیہ لین کہا ہے۔ محدثین نے فیہ لین اور لین الحدیث کو بہت ہلکے اور معمولی درجہ کے الفاظ جرح میں شمار کیا ہے۔ الخ ... انوار المصابیح (ص۱۱۵)۔ نیز فرماتے ہیں کہ امام دارقطنی جیسے ناقد رجال کے نزدیک ایسا راوی نہ ساقط العدالت ہے اور نہ اس کی حدیث قابل ترک۔ ایضاً (ص۱۱۶) جواب:۔ غیر مقلدین حضرات کی عادت شریفہ ہے کہ جب کوئی روایت ان کے مسلک اور خواہش کے موافق ہو تو وہ اسے سر آنکھوں پر رکھتے ہیں چاہے اس میں کوئی کتنا ہی ضعیف راوی کیوں نہ ہو اور پھر اس راوی پر کی گئی جرح کو وہ طرح طرح کی رکیک تاویلوں اور مختلف بہانوں سے ٹال دیتے ہیں۔ لیکن اسی قسم کی جرح جب کسی ایسے راوی پر ہو جس کی روایت سے ان کے مسلک پر زد پڑتی ہو تو پھر یہ حضرات اس جرح کو آنکھیں بند کر کے قبول کر لیتے ہیں اور اس جرح کے سہارے وہ اس راوی اور اس کی مروی روایت کو ضعیف سے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ یہی حال نذیر رحمانی صاحب کا ہے کہ یہاں یہ روایت ان کے مسلک کے موافق آئی تو اس کے =

حضرات ! عیسیٰ بن جاریہ پر مشہور ائمہ رجال کی طرف سے یہ مذکورہ دس کلمات جرح منقول ہیں اور ان میں سے اکثر جرح میں (عندہ مناکیر، منکر الحدیث اور متروک وغیرہ) خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی سخت اور نہایت سخت ہیں جیسا کہ ان میں سے ہر ایک جرح کے ذیل میں غیر مقلدین کے مستند علماء کے حوالے آپ نے ملاحظہ کئے ہیں۔ ان میں سے اگر ایک جرح بھی عیسیٰ بن جاریہ پر عائد ہوتی تو یہ اس کی اس روایت کے ضعیف اور ناقابل استدلال ہونے کیلئے کافی تھی چہ جائیکہ عیسیٰ ان تمام جرحوں کے ساتھ مجروح ہے لیکن غیر مقلدین کی ہٹ دھرمی ملاحظہ ہو کہ ان کو عیسیٰ بن جاریہ پر کی گئی ان جرحوں کے سنگین ہونے کا اقرار بھی ہے لیکن اس کے باوجود وہ اس کو ثقہ ٹھہرانے اور اس کی مذکورہ روایت کو قابل استدلال بنانے میں سرتاپاؤں غرق ہیں۔ انا للہ......

عیسیٰ بن جاریہ کو ثقہ ثابت کرنے کی ایک کوشش اور اس کا جواب:۔

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ عیسیٰ بن جاریہ جمہور علماء کے نزدیک ثقہ، صدوق یا حسن الحدیث ہے۔ چنانچہ (۱) ابوزرعہ نے اس کے بارے میں کہا: لا بأس بہ۔ (۲) ابن حبان نے الثقات میں ذکر کیا۔

= راوی عیسیٰ بن جاریہ پر حافظ ابن حجرؒ کی جرح فیہ لین کو یوں کہہ کر ٹال دیا کہ یہ بہت ہلکی اور معمولی درجہ کی جرح ہے اس سے راوی کا ضعیف ہونا اور اس کی روایت کا قابل ترک ہونا لازم نہیں آتا۔ لیکن ان کا دوغلا پن ملاحظ کریں کہ جب حافظ ابن حجرؒ کی یہی جرح غیر مقلدین کے مسلک کے مخالف راویت کے راوی پر آئی تو اسے فوراً قبول کرلیا اور اس روایت اور اس کے راوی کو سخت ضعیف قرار دے دیا۔ چنانچہ رحمانی صاحب ایک روایت کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ورنہ حق تو یہ ہے کہ یہ روایت ہی صحیح نہیں ہے اس کا ایک راوی نضر بن شیبان بالکل ضعیف ہے، انوار المصابیح (ص ۸۷)۔

حالانکہ نضر بن شیبان کے بارے میں بھی حافظ ابن حجر نے تقریب التھذیب میں لین الحدیث کہا ہے، تقریب (۲/۲۴۵) جو بقول رحمانی صاحب نہایت ہلکی اور معمولی درجہ کی جرح ہے۔ اب قارئین اندازہ کریں کہ عیسیٰ بن جاریہ اور نضر بن شیبان پر حافظ ابن حجرؒ نے ایک ہی قسم کی جرح کی ہے لیکن عیسیٰ بن جاریہ تو اس جرح کی وجہ سے رحمانی صاحب کے نزدیک ضعیف نہ ہوا بلکہ بدستور ثقہ ہی ہے اور اس کی روایت بھی صحیح اور قابل احتجاج ہے لیکن نضر بن شیبان حافظ صاحب کی سی جرح ہے کے باوجود رحمانی صاحب کی نظروں میں بالکل ضعیف ٹھہرا اور اس کی حدیث بھی ضعیف قرار پائی۔

والی اللہ المشتکیٰ

؎ تیری بات کو بت حیلہ گر نہ قرار ہے نہ قیام ہے — کبھی شام ہے کبھی صبح ہے، کبھی صبح ہے کبھی شام ہے

(۳)ابن خزیمہ نے اس کی حدیث کی تصحیح کی۔(۴)الہیثمی نے اس کی حدیث کی تحسین کی۔(۵)البوصیری نے زوائد سنن ابن ماجہ میں اس کی حدیث کی تحسین کی۔(۶)حافظ منذری نے اس کی ایک حدیث کو باسناد جید کہا۔(۷)الذھبی نے اس کی منفرد حدیث کے بارے میں اسنادہ وسط کہا۔(۸)بخاری نے التاریخ الکبیر میں اسے ذکر کیا اور اس پر طعن نہیں کیا۔(۹)حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس کی حدیث پر سکوت کیا۔یہ سکوت اس کی حدیث کی تحسین یا تصحیح کی دلیل ہے۔قواعد علوم الحدیث (ص۵۵)۔(۱۰)ابوحاتم الرازی نے اسے ذکر کیا اور اس پر کوئی جرح نہیں کی۔ابوحاتم کا سکوت راوی کی توثیق ہوتی ہے۔حوالہ سابق۔لھذا یہ سند حسن ہے [۱]۔

جواب:۔زبیر صاحب نے عیسیٰ بن جاریہ کو ثقہ اور حسن الحدیث ثابت کرنے کیلئے یہ جتنی شقیں ذکر کی ہیں ان میں سے ایک شق سے بھی اس کا ثقہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔زبیر صاحب کی ذکر کردہ ہر ہر شق کا جواب خود ان کے ہم مسلک اور مستند علماء کے قلم سے ملاحظہ کریں۔

(۱)امام ابوزرعہؒ کا ابن جاریہ کو لاباس بہ کہنا اس کے لئے کچھ مفید نہیں ہے۔

جس راوی کو سات بڑے بڑے آئمہ رجال نے ضعیف،منکر الحدیث اور متروک وغیرہ قرار دیا ہو،ان کے مقابلے میں صرف امام ابوزرعہ کے لا بأس به کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔کیونکہ عنقریب علمائے غیر مقلدین کے حوالہ سے یہ بحث آنے والی ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے بالخصوص جبکہ جرح مفسر ہو۔نیز لا بأس به کا لفظ خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی الفاظ تعدیل میں سے نہایت ہلکا اور کمزور ہے۔اس سے اس راوی کی رویت کا قابل احتجاج ہونا لازم نہیں آتا۔چنانچہ مشہور غیر مقلد مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:ارجوانه لاباس به یکتب حدیثه،یعتبر به ایسے الفاظ ہیں کہ ان کے حاملین کی روایت قابل احتجاج نہیں ہوسکتی [۲]۔

نیز لکھتے ہیں کہ:ایسے راوی کی روایات صرف متابعات میں قبول ہوتی ہیں [۳]۔

بنابریں غیر مقلدین کا عیسیٰ بن جاریہ کی روایت سے احتجاج کرنا باطل ہوگیا۔اور یہ بات یاد رہے

---

۱ نورالمصابیح (ص۱۸) ۲ توضیح الکلام (۱/۱۳۳) ۳ ایضاً

کہ زبیر علی زئی مولانا ارشاد اثری اور ان کی کتاب توضیح الکلام کے نہایت مداح ہیں۔ چنانچہ ایک مقام پر لکھتے ہیں: مولانا ارشاد الحق اثری صاحب کی توضیح الکلام کا مطالعہ کریں۔ یہ اس موضوع پر لاجواب شاہکار کتاب ہے [1]۔ اب ہم نے زبیر صاحب کے مطالبہ پر اس لاجواب اور شاہکار کتاب کا مطالعہ کر کے زبیر صاحب کی پہلی شق کا جواب دے دیا ہے۔ الحمدللہ

(۲) ابن حبانؒ کا کسی راوی کو ثقات میں ذکر کرنا غیر مقلدین کے نزدیک غیر معتبر ہے۔

امام ابن حبان نے اگرچہ عیسیٰ بن جاریہ کو ثقات میں ذکر کیا ہے لیکن ابن حبانؒ کا کسی راوی کو ثقات میں ذکر کرنا غیر مقلدین کے نزدیک غیر معتبر ہے اور وہ اس سلسلہ میں ان کے نزدیک متساہل شمار ہوتے ہیں چنانچہ مولانا محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد ایک راوی کو ابن حبان کے ثقات میں شمار کرنے پر لکھتے ہیں: ابن حبان نے اس کو ثقات میں شمار کیا ہے مگر ابن حبان کا تساہل مشہور ہے [2]۔

مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابن حبان متساہل ہیں [3]۔

مولانا عبدالرؤف سندھو غیر مقلد لکھتے ہیں: واضح رہے کہ ابن حبان کا اس ثقات میں ذکر کرنا معتبر نہیں کیونکہ وہ مجاہیل کو ثقات میں شمار کرتے ہیں [4]۔

مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: ابن حبان متساہل ہیں [5]۔

شیخ البانی غیر مقلد ایک راوی کے بارہ میں لکھتے ہیں: وانما وثقه ابن حبان وهو معروف بتساهله [6]۔

ایک اور راوی کے بارے میں لکھتے ہیں: حافظ ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے مگر ان کا ثقات میں ذکر کرنا معتبر نہیں [7]۔ مولانا رفیق سلفی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: ابن حبان کی توثیق کو ائمہ رجال کچھ وقعت نہیں دیتے [8]۔

---

[1] الکواکب الدریہ (ص ۵۸) [2] خیر الکلام (ص ۲۵۲) [3] تحقیق الکلام (۱/۷۷) [4] القول المقبول (ص ۳۲۵) [5] توضیح الکلام (۲/۲۶۹) [6] سلسلۃ احادیث الضعیفۃ (۱/۴۶۶) [7] ایضاً (ص ۵۲۰) [8] ہفت روزہ الاعتصام (ص ۱۸) ۹ ستمبر ۱۹۹۴ء۔

غیر مقلدین کے محدث اعظم مولانا عبداللہ روپڑیؒ لکھتے ہیں:۔ابن حبان کا تساہل مشہور ہے۔ ذرا سے سہارے پر ثقوں میں شمار کر لیتے ہیں [1]۔

زبیر صاحب کے استاذ اور مشہور غیر مقلد عالم عبدالمنان نور پوری صاحب بھی لکھتے ہیں کہ:

مگر تصحیح میں ابن حبان اور ابن خزیمہ کا تساہل مشہور ہے [2]۔

لھذا جب خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک بھی امام ابن حبان کا کسی راوی کو ثقات میں شمار کرنا غیر معتبر ہے تو پھر اگر ابن حبان نے عیسیٰ بن جاریہ کو بھی تساہل برتتے ہوئے ثقات میں شمار کر دیا ہے تو اس سے ابن جاریہ کا ثقہ ہونا کیسے لازم آئے گا؟

(۳) ابن خزیمہؒ نے حدیث ابن جاریہ کی تصحیح نہیں فرمائی

امام ابن خزیمہؒ نے عیسیٰ بن جاریہ کی مذکورہ روایت کو قطعاً صحیح نہیں کہا۔لھذا زبیر صاحب کا یہ کہنا جھوٹ ہے اور ابن خزیمہ جیسے عظیم محدث پر صریح بہتان ہے کہ انہوں نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ البتہ امام ابن خزیمہؒ اور ان کے شاگرد امام ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں مذکورہ روایت کو ذکر کیا ہے [3]۔ لیکن کیا ان دونوں اہل علم کا کسی حدیث کو محض اپنی اپنی صحیح میں ذکر کرنا اس حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے؟ اس سوال کا جواب ہم سے نہیں بلکہ زبیر صاحب کے ممدوح اور ہم مسلک مولانا ارشاد الحق اثری صاحب سے ملاحظہ کریں۔ چنانچہ اثری صاحب اسی قسم کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: جیسے ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان ہیں مگر ان کی بھی تمام روایات صحیح نہیں [4]۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابن خزیمہ یا ابن حبان کا کسی حدیث کو اپنی صحیح میں لانے سے اس حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا بلکہ امام ابن خزیمہؒ نے اپنی صحیح میں جن احادیث کی صراحتاً تصحیح کی ہے، ان احادیث کی صحت بھی غیر مقلدین کو تسلیم نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب امام ابن خزیمہؒ کے ایک حدیث کو صحیح قرار دینے کے جواب میں لکھتے ہیں: في تصحيح ابن حزيمه نظر [5]۔

---

[1] فتاویٰ اہل حدیث (۲/۵۰۸) [2] تعداد تراویح (ص ۳۴) [3] انوار المصابیح (ص ۱۴۸)، از: مولانا نذیر رحمانی غیر مقلد۔ تعداد تراویح (ص ۳۴) از: مولانا عبدالمنان نور پوری غیر مقلد [4] توضیح الکلام (۲/۲۶۴)

[5] ابکار المنن (ص ۱۰۰)

امام ابن خزیمہ کی تصحیح میں نظر ہے۔

غیر مقلد محقق مولانا عبدالرؤف سندھو صاحب ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے ملاحظہ ہوں صحیح ابن خزیمہ (۲/ ۲۷) مگر یہ حدیث صحیح نہیں۔[1]

پس جب غیر مقلدین کے نزدیک ابن خزیمہ کا اپنی صحیح میں کسی حدیث کی تصحیح کرنا اس حدیث کی صحت کو مستلزم نہیں تو پھر عیسیٰ بن جاریہ کی مذکورہ حدیث جس کی ابن خزیمہ نے تصحیح بھی نہیں کی بلکہ صرف اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے، اس کا صحیح ہونا کیوں کر لازم آئے گا؟۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ زبیر صاحب کے استاذ مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب غیر مقلد کو اس حدیث کی صحت میں توقف ہے۔ چنانچہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: حضرت جابر ﷺ کی حدیث کو حافظ ابن حبان اور حافظ ابن خزیمہ نے اپنی اپنی صحیح میں بیان کیا ہے جو اس بات کی بین دلیل ہے کہ یہ حدیث ان دونوں جلیل القدر وسیع العلم کے نزدیک صحیح ہے مگر تصحیح میں ان کا تساہل مشہور ہے اور اس کی سند میں عیسیٰ بن جاریہ ہے جس پر کلام کتب رجال میں مذکور ہے۔[2]

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے ۔۔۔۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

(۴) علامہ ہیثمی کی تصحیح و تحسین بھی غیر مقلدین کے ہاں معتبر نہیں۔[3]

علامہ ہیثمیؒ نے اگر چہ مذکورہ حدیث کو حسن کہا ہے لیکن ہیثمیؒ کی تصحیح اور تحسین غیر مقلدین کی نظروں میں غیر معتبر اور ناقابل اعتماد ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں: ولا یطمئن القلب بتحسین الھیثمی فان لہ اوھاما فی مجمع الزوائد[4]

ہیثمی کی تحسین سے دل مطمئن نہیں ہے کیونکہ ان کو مجمع الزوائد میں بہت وہم ہوئے ہیں۔ نیز مبارکپوری

---

[1] القول المقبول (ص ۳۶۶) [2] تعداد تراویح (ص ۳۴) [3] علامہ ہیثمیؒ نے اگر چہ اس حدیث کی سند کو حسن کہا ہے لیکن اس کے راوی ابن جاریہ کو ثقہ نہیں کہا۔ زبیر علی زئی نے مجمع الزوائد (۲/ ۱۵۸) کا حوالہ دیا ہے کہ ہیثمیؒ نے اسے ثقہ کہا ہے لیکن ان کے محولہ صفحہ پر عیسیٰ بن جاریہ کی توثیق تو کیا اس کا نام بھی نہیں ہے۔ بالفرض اگر علامہ ہیثمی نے کہیں اس کو ثقہ کہا بھی ہے تو غیر مقلدین کو ان کی توثیق سے اتفاق نہیں ہے، جیسا کہ اوپر کتاب میں علمائے غیر مقلدین کے حوالے مذکور ہیں۔ [4] ابکار المنن (ص ۵۷)

صاحب علامہ ہیثمیؒ کے ایک حدیث کو صحیح کہنے پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ ولا یطمئن القلب علی تصحیح الھیثمی [1] علامہ ہیثمیؒ کی تصحیح پر دل مطمئن نہیں ہے۔
مولانا محمد گوندلوی کے بارے میں زبیر صاحب لکھتے ہیں: شیخ الاسلام، حجۃ الاسلام، شیخ القرآن والحدیث، الامام الثقہ المتقن الحجۃ، المحدث الفقیہ، الاصولی محمد گوندلوی رحمہ اللہ۔ [2]
زبیر صاحب کے یہ انتہائی ممدوح غیر مقلد عالم علامہ ہیثمیؒ کی تصحیح پر اپنا ردعمل یوں ظاہر کرتے ہیں: ہیثمی کی تصحیح میں نظر ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: فان لہ اوھام (کہ ان کے بہت سے وہم ہیں) کذا فی تاج المکلل [3]۔ زبیر صاحب کے دوسرے ممدوح مولانا ارشاد الحق اثری رقمطراز ہیں: اور جہاں تک کسی حدیث کے متعلق علامہ ہیثمیؒ کے حکم کا تعلق ہے تو یقین جانیئے مجمع الزوائد میں بیسوں ایسے مقامات ہیں جہاں ائمہ فن نے علامہ ہیثمیؒ کے حکم سے اتفاق نہیں کیا [4]۔ شیخ عبدالرؤف سندھو غیر مقلد لکھتے ہیں: دوسری بات علامہ ہیثمی پر کلیۃً اعتماد کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ ان کے بہت سے اوہام ہیں کما لا یخفی [5]۔
نیز سندھو صاحب ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اس کی سند کو حسن کہا ہے مگر ان کا یہ کہنا درست نہیں۔ اس کی سند میں عاصم بن عبید اللہ ہے جو ضعیف ہے [6]۔
بنابریں جب غیر مقلدین کے نزدیک علامہ ہیثمیؒ کی کسی حدیث کی تحسین تا تصحیح کرنے سے اس حدیث کا صحیح یا حسن ہونا لازم نہیں آتا تو پھر اگر انہوں نے عیسیٰ بن جاریہ جیسے ضعیف راوی کی روایت کو بھی حسن کہہ دیا ہے تو انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ غیر مقلدین کو اپنے بڑوں کی اتباع میں ان کے اس حکم پر بھی اعتماد نہیں کرنا چاہیئے۔

(۵) علامہ بوصیری کی تحسین بھی غیر مقلدین کے نزدیک کچھ وقعت نہیں رکھتی:

علامہ بوصیریؒ نے عیسیٰ بن جاریہ کی مذکورہ روایت کو حسن نہیں کہا اور اگر انہوں نے اس کے علاوہ اس کی کسی اور حدیث کی تحسین کی بھی ہے تو ان کی تحسین و تصحیح پر بھی غیر مقلدین کا اعتماد نہیں ہے۔

---

[1] ایضاً (ص۱۹۹) [2] الکواکب الدریہ (ص۷) [3] التحقیق الراسخ (ص۵۷) [4] توضیح الکلام (۴۰۹/۲)
[5] القول المقبول (ص۳۳۵) [6] ایضاً (۴۷۴)

چنانچہ انھوں نے زوائد سنن ابن ماجہ میں کئی احادیث کے متعلق صحیح یا حسن کا حکم لگایا ہے لیکن غیر مقلدین حضرات ان کے اس فیصلہ کو ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ مثلاً ابن ماجہ کی ایک حدیث کے متعلق علامہ بوصیری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے لیکن شیخ البانی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ مجھے اس میں توقف ہے۔ [1]

علاوہ ازیں مولانا ارشاد الحق اثری صاحب غیر مقلد نے یہ بات بھی صاف کردی ہے کہ: حدیث کی صحت کا دارومدار رواۃ (راویوں) پر ہوتا ہے۔ اگر کوئی راوی ضعیف ہے تو اسے کوئی صحیح کہتا ہے، تو کہتا رہے اس سے روایت صحیح نہیں ہو جاتی۔ بے خطا ذات صرف اللہ تعالٰی کی ہے اور بس [2]۔

لھذا اگر علامہ بوصیری یا علامہ ہیثمی وغیرہ نے عیسٰی بن جاریہ جیسے ضعیف راوی کی روایت کو حسن کہہ بھی دیا ہے تو بقول اثری صاحب اس سے اس کی حدیث کا حسن یا صحیح ہونا لازم نہیں آتا جب تک کہ عیسٰی کی توثیق نہیں ہو جاتی اور عیسٰی کی توثیق زبیر صاحب کے بس میں تو کیا پوری دنیائے غیر مقلدیت بھی اگر اپنا سارا زور صرف کرلے تو بھی اس کی توثیق ثابت نہیں کرسکتی۔

(۲) حافظ منذریؒ غیر مقلدین کی نظر میں اہل فن رجال میں سے نہیں

یہی حافظ منذریؒ اپنی اسی کتاب الترغیب میں ایک روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: ورجالہ ثقات کہ اس کے سارے راوی ثقہ ہیں۔ اس پر شیخ البانیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں: واسنادہ ضعیف فیہ عنعنۃ الولیدبن مسلم و عبیداللہ بن ابی بردہ ولم یوثقہ احد حتی ولا ابن حبان فلا یغتر بقول المنذری ورجالہ ثقات [3]۔

اب ایک راوی کو حافظ منذریؒ کے صراحتاً ثقہ کہنے کے باوجود وہ راوی غیر مقلدین کے محقق زمان اور محدث اعظم کی نظروں میں غیر ثقہ ہے تو پھر اگر منذریؒ نے ابن جاریہ جیسے ضعیف راوی کی حدیث کو اگر جید کہا بھی ہے تو اس سے اس کا ثقہ ہونا کیسے لازم آگیا؟

ع بسوخت عقل زحیرت ایں چہ بوالعجبیست

---

[1] تحقیق المشکاۃ (۲۵۳/۱) [2] توضیح الکلام (۶۳/۲) [3] تحقیق مشکاۃ (۸۷/۱)

حافظ منذریؒ نے عیسیٰ بن جاریہ کی کونسی حدیث کے بارے میں اسنادہ جید کہا ہے؟اس کی زبیر صاحب نے کوئی بھی وضاحت نہیں کی ہے اور راقم المعروف نے الترغیب کی جلد اول کا بالا ستیعاب مطالعہ کیا ہے لیکن ہم کو اس میں ابن جاریہ کی کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جس کی سند کو حافظ منذریؒ نے جید کہا ہو لھذا زبیر صاحب کو چاہیئے کہ وہ وضاحت کریں کہ منذریؒ نے ابن جاریہ کی کونسی حدیث کو جید کہا ہے یا کس ادارہ کی شائع کردہ الترغیب کے فلاں صفحہ پر یہ الفاظ انہوں نے کہے ہیں۔

(۷) حافظ ذہبیؒ کے نزدیک ابن جاریہ کی مذکورہ حدیث منکر ہے

حافظ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں عیسیٰ بن جاریہ پر ائمہ رجال سے سخت جرح نقل کی ہے اور اس کے تذکرہ میں اس کی مذکورہ روایت کو بھی ذکر کیا ہے اور بقول غیر مقلدین ذہبیؒ کی عادت ہے کہ وہ میزان الاعتدال میں جس مجروح راوی کا تذکرہ کرتے ہیں تو اگر اس راوی کی روایات میں کوئی منکر روایت ہوتی ہے تو وہ اس روایت کو بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ غیر مقلد محقق شیخ عبدالرؤف سندھو ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ حدیث سخت ضعیف ہے کیونکہ بخاری اور ابو حاتم نے ابوالزعیزعہ کو منکر الحدیث جدا کہا ہے ذہبی نے اس کے ترجمہ میں اس حدیث کا بھی ذکر کیا ہے [۱]۔ سندھو صاحب ایک اور حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں: یہ حدیث نہایت ضعیف ہے۔اس کی سند میں عمرو بن معین متروک ہے۔ ذہبیؒ نے اس کے ترجمہ میں جن احادیث کا ذکر کیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے [۲]۔ معلوم ہوا کہ حافظ ذھبیؒ کا کسی مجروح راوی کی روایت کو اس کے ترجمہ میں ذکر کرنا اس روایت کے منکر ہونے کی دلیل ہے۔

لہٰذا اگر انہوں نے عیسیٰ بن جاریہ کے تذکرہ میں اس کی مذکورہ روایت کو بھی ذکر کیا ہے تو یہ ابن جاریہ کے ضعیف اور اس حدیث کے منکر ہونے کی دلیل ہے نہ کہ اس کے ثقہ ہونے کی۔ اگر یہ کہا جائے کہ علامہ ذہبیؒ نے تو ابن جاریہ کی حدیث کے بارے میں اسنادہ متوسط بھی کہا ہے جو اس کی مذکورہ حدیث کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل ہے تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ علامہ ذہبیؒ نے تو ابو یوسف عن ابی حنیفہ کی سند کو سند عالی سے تعبیر کیا ہے، لیکن غیر مقلدین اس عظیم المرتبت امام عالی شان کی روایت کو صحیح

---

۱ القول المقبول (ص ۵۲۷) بحوالہ میزان الاعتدال (۵۴۸۳) ۲ ایضاً (ص ۵۲۳) ۳ توضیح الکلام (۲/ ۲۶۷)

نہیں سمجھتے ۔ چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں: علامہ ذہبیؒ اناابو یوسف انا ابوحنیفہ کی سند کو عالی لیتے ہیں مگر ہر عالی سند صحیح نہیں ہوتی ۔[1] نیز لکھتے ہیں: مؤلف احسن الکلام کا یہاں ایک دوسری سند کو عالی ثابت کر دینا اس طریق کے صحت کی قطعاً دلیل نہیں ۔[2]

قارئین: غیر مقلدین کی ستم ظریفی کا اندازہ لگائیں کہ علامہ ذہبیؒ کے امام ابوحنیفہؒ کی سند کو عالی کہنے کے باوجود بھی غیر مقلدین امام صاحب کی سند کو صحیح ماننے کیلئے تیار نہیں لیکن عیسیٰ بن جاریہ جس کی سند کو علامہ ذہبیؒ کے محض متوسط (جو عالی سے کم درجہ ہے) کہہ دینے سے وہ اسے ثقہ اور اس کی حدیث کو صحیح ماننے کا ہم مطالبہ کر رہے ہیں۔

یہ سب سوچ کر دل لگایا ہے ناصح نئی بات کیا آپ فرما رہے ہیں

(۸) کیا امام بخاریؒ کا کسی راوی کو تاریخ الکبیر میں ذکر کرنا اس کی توثیق ہے؟

امام بخاریؒ کا کسی راوی کو اپنی کتاب تاریخ کبیر میں بلا جرح وتعدیل کے ذکر کرنا خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی اس راوی کی توثیق کو مستلزم نہیں۔ کیونکہ امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر میں رواۃ کی ایک بڑی تعداد کا تذکرہ بلا جرح وتعدیل کیا ہے لیکن اس کے باوجود وہ راوی علمائے غیر مقلدین کے نزدیک ضعیف اور مجہول ہیں اور ان کی روایات کو صحیح نہیں سمجھا جاتا۔ چنانچہ صرف چند مثالیں بطور نمونہ ملاحظہ کریں۔

(۱) مولانا عبدالرؤف سندھو غیر مقلد ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ روایت نہایت گھٹیا درجہ کی ہے۔ اس روایت کا پہلے راوی عبدالوارث مولیٰ انس رضی اللہ عنہ بن مالک ہے۔ اسے امام بخاریؒ نے تاریخ الکبیر میں ذکر کیا مگر اس کے بارے میں کوئی جرح وتعدیل ذکر نہیں کی الخ ۔[2]

(۲) سندھو صاحب ایک اور حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں: ابو مسلم کو بخاری نے الکنٰی (ص ۶۸) (تاریخ الکبیر) میں اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں ذکر کیا ہے مگر دونوں میں سے کسی نے بھی اس کے بارے میں کوئی جرح وتعدیل ذکر نہیں کی ہے۔ احمد البناء نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔ قُلْتُ (میں کہتا ہوں) اس کی سند کو جید قرار دینے کیلئے ابو مسلم کی ثقاہت کا علم ضروری ہے ورنہ سند ضعیف ہے ۔[3]

---

[1] ایضاً (ص ۶۶۸) [2] القول المقبول (ص ۵۲۷) بحوالہ التاریخ الکبیر (۶/۱۱۸) [3] ایضاً (ص ۱۷۰)

(۳) مولانا ارشادالحق اثری صاحب ایک حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ابن بجاد محمد بن بجاد ہے اور وہ موسیٰ بن سعد کا پوتا ہے جب کہ بجاد موسیٰ کے صاحبزادے ہیں ان کا امام بخاری نے التاریخ الکبیر (۴۴/۱) میں، امام ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل (۲۱۳/۳) میں ذکر کیا ہے مگر کوئی جملہ توثیق وتوصیف کا نقل نہیں کیا[۱]۔

پھر آخر میں ان کی روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: محمد بن بجاد اور موسیٰ بن سعد دونوں مجہول ومستور ہیں لھذا اس کی سند کو صحیح کہنا درست نہیں[۲]۔

صرف ان چند مثالوں کو ہی سامنے رکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام بخاری کے کسی راوی کو تاریخ الکبیر میں بلا طعن ذکر کرنے سے اس راوی کا ثقہ ہونا لازم نہیں آتا۔ لھذا غیر مقلدین کے اصول کی روشنی میں یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ اگر امام بخاریؒ نے عیسیٰ بن جاریہ کو بھی تاریخ الکبیر میں بلا طعن ذکر کیا ہے تو اس سے اس کی توثیق ثابت نہیں ہوتی۔

(۹) حافظ ابن حجرؒ کے سکوت کے ساتھ غیر مقلدین کا دوغلا پن

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اگر فتح الباری میں عیسیٰ بن جاریہ کی مذکورہ روایت پر سکوت کیا ہے تو حافظ نے فتح الباری میں کئی ایسی روایات پر بھی سکوت کیا ہے جہاں غیر مقلدین ان کے سکوت کو غلط کہتے ہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالرؤف سندھو ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ نہایت ضعیف ہے۔ ابن حجر نے اس حدیث کو مصنف سعید سے منسوب کیا ہے اور اس پر سکوت کیا ہے۔ لھذا حافظ کا سکوت درست نہیں[۳]۔

نیز اگر حافظ ابن حجرؒ کا فتح الباری میں کسی روایت پر سکوت کرنا اس روایت کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل ہے تو پھر انھوں نے اسی فتح الباری میں حضرت یزید بن خصیفہؒ اور یزید بن رومانؒ کی بیس رکعات والی روایات پر بھی سکوت کیا ہے۔ ان روایتوں کی صحت غیر مقلدین کو کیوں تسلیم نہیں؟ نیز حصہ اول میں ہم یزید بن رومان کی مرسل روایات کے ذیل میں کئی علمائے غیر مقلدین کے حوالے ذکر کر چکے ہیں کہ حافظ ابن حجر کا فتح الباری میں کسی روایت پر سکوت اس روایت کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل ہے

---

[۱] توضیح الکلام (۷۴۱/۲) [۲] ایضاً (ص ۷۴۳) [۳] القول المقبول (ص ۴۳۴)

(ان حوالوں میں زبیر صاحب اور اوران کے استاد حافظ عبدالمنان صاحب کا بھی حوالہ شامل ہے) لیکن اس کے باوجود غیر مقلدین یزید بن خصیفہ اور یزید بن رومان کی روایات جن پر حافظ نے فتح الباری میں سکوت کیا ہے، کو صحیح یا حسن ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ حالانکہ ان مذکورہ روایات کی صحت کو محدثین اور غیر مقلدین کے معتدل علماء نے بھی تسلیم کیا ہے۔ اب یہ روایات تو حافظ ابن حجر کے سکوت کے باوجود غیر مقلدین کے نزدیک صحیح نہیں ہیں اور یہاں ایک نہایت ضعیف روایت کو صحیح ثابت کرنے کیلئے مولانا ظفر عثانی صاحب کے حوالہ سے حافظ ابن حجر کے سکوت کو اس ضعیف روایت کی صحت کی دلیل قرار دیا جارہا ہے۔والی اللہ المشتکی۔

خیر یہ تو حافظ ابن حجر کے سکوت کا غیر مقلدین کے ہاں حال ہے کہ اپنے مطلب کی روایات پر ان کا سکوت تو روایات کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل ہے اور اپنے مسلک کے خلاف روایات پر ان کا سکوت فوراً رد کر دیا جاتا ہے۔

لیکن حافظ کے سکوت سے قطع نظر جن روایات کو فتح الباری وغیرہ میں انھوں نے صراحتاً صحیح یا حسن قرار دیا ہے وہ روایات بھی اگر غیر مقلدین کے منشاء کے موافق نہ ہوں تو پھر یہ حضرات حافظ ابن حجر پر بداعتمادی اور ان کی سخت مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔ غیر مقلدین حضرات کے صرف چند ایسے حوالے بطور مشتے نمونہ از خروارے ذکر کیے جاتے ہیں تا کہ قارئین پر واضح ہو جائے کہ یہ لوگ حافظ ابن حجرؒ کی تحقیق پر کتنا اعتماد کرتے ہیں؟ چنانچہ

(۱) مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب حافظ ابن حجر کے ایک حدیث کو حسن قرار دینے کے جواب میں لکھتے ہیں: قلتُ في تحسين اسناده نظر [1]۔ میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر کا اس حدیث کو حسن کہنا محل نظر ہے۔

(۲) اسی طرح مبارکپوری صاحب ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ففي قول الحافظ باسناد صحيح ايضانظر [2]۔ حافظ ابن حجر کے قول کہ یہ سند صحیح ہے میں بھی نظر ہے۔

---

[1] ابکار المنن (ص ۹۸) [2] ایضاً (ص؟)

(۳) قاضی محمد شوکانی ایک حدیث کے بارے میں رقمطراز ہیں: وحسّنه الحافظ فی الفتح وفی الاسناده عبدالله بن محمدبن مقیل وفیه مقال [۱] ۔حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کو حسن کہا ہے حالانکہ اس کی سند میں عبداللہ بن محمد بن مقیل راوی ہے جس میں کلام ہے۔

(۴) مشہور غیر مقلد شیخ ناصر الدین البانی حافظ ابن حجر کی ایک حدیث کی تحسین کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ان قول الحافظ فی الفتح اسناده حسن غیر حسن [۲]۔ بے شک حافظ ابن حجر کا فتح الباری میں اس حدیث کی سند کو حسن کہنا غیر حسن اور ناپسندیدہ ہے۔

(۵) مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۱۰/۴) اس کی سند کو قوی کہا ہے مگر یہ درست نہیں [۳]۔

قارئین: صرف ان چند مثالوں کو ہی سامنے رکھ کر آپ غیر مقلدین کے دوغلا پن اور ان کے مکر وفریب کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے مطلب کیلئے حافظ ابن حجر کی تحقیق کو اتنی فوقیت دیتے ہیں کہ اپنے مسلک کی تائید میں وارد شدہ کسی روایت پر ان کے صرف سکوت کرنے کو ہی اس روایت کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل گردانتے ہیں لیکن دوسری طرف اگر کوئی روایت ان کے مسلک کے خلاف جاتی ہو تو وہاں حافظ ابن حجر کا سکوت کرنا تو کیا ان کا صراحتاً اس روایت کو صحیح یا حسن کہنا بھی غیر مقلدین کی نظروں میں نا قابل اعتماد اور مشکوک ٹھہرتا ہے۔

یہ لوگ بھی غضب کے ہیں دل پر یہ اختیار — شب موم کر لیا سحر آہن بنا لیا

(۱۰) امام ابو حاتم کے سکوت کا حال غیر مقلدین کی نظر میں:۔

امام ابو حاتم کا کسی اور راوی پر سکوت اور جرح نہ کرنا بھی غیر مقلدین کے نزدیک اس راوی کی توثیق کو مقتضی نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں: بعض حضرات نے جو یہ کہا ہے کہ امام ابن ابی حاتم جس راوی پر سکوت کریں وہ ثقہ ہوتا ہے تو یہ قاعدہ بھی صحیح نہیں۔ خود امام ابن ابی حاتم

---

[۱] نیل الاوطار (۳۴۲/۳) [۲] سلسلۃ احادیث الضعیفۃ رقم (۳۴۰) [۳] مولانا سرفراز صفدر صاحب اپنی تصانیف کے آئینے میں (ص ۱۶۹)

نے صراحت کردی ہے کہ جس راوی کے متعلق کوئی جرح یا تعدیل نقل نہیں کی گئی تو ان کا ذکر محض تکمیلاً ہے اگر کوئی طعن مل گیا تو بالآخر اس کو نقل کردیں گے [1]۔

مولانا سید محب اللہ شاہ پیر آف جھنڈا لکھتے ہیں: اور امام ابن ابی حاتم اور ابن حبان کے متعلق جو فرمایا یہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کا مقتضیٰ تو یہ ہوا کہ جس راوی کا بھی امام ابن ابی حاتم اپنی الجرح وتعدیل میں ذکر کریں اور اس پر کچھ بھی حکم۔ جرحا وتعدیلا۔ نہ لگائیں اس کے متعلق یہی کہنا چاہیے کہ اس میں طعن یا عیب ہوتا تو امام ابن ابی حاتم سے پوشیدہ نہ رہتا حالانکہ کسی طعن یا توثیق کے عدم ذکر سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ امام موصوف کو ان کے متعلق (اپنے والد ابو حاتم یا دیگر ائمہ سے۔ ناقل) کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی حالت میں علمائے حدیث یہی فرماتے ہیں کہ یہ راوی مجہول الحال، غیر معروف اور مستور ہے [2]۔

بنابریں اگر امام ابن ابی حاتم نے الجروح والتعدیل میں عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق اپنے والد امام ابو حاتم سے کوئی جرح نقل نہیں فرمائی تو مذکورہ علمائے غیر مقلدین کی تصریحات کی روشنی میں اس سے ابن جاریہ کی توثیق بھی ثابت نہیں ہوسکتی۔

الحاصل: زبیر علی زئی صاحب نے عیسیٰ بن جاریہ کو ثقہ ثابت کرنے کیلئے جتنی بھی شقیں ذکر کی تھیں، ان میں سے ہر ایک شق کا بطلان غیر مقلدین کے مستند علماء کی روشنی میں ثابت ہوگیا اور یہ بات اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ زبیر صاحب نے ایک ضعیف راوی کو ثقہ ثابت کرنے کیلئے جتنا خس وخاشاک اکٹھا کیا تھا۔ اس سے ابن جاریہ کی ذرا بھی توثیق ثابت نہیں ہوسکتی اور بالفرض اگر اس کی کوئی معمولی توثیق ثابت بھی ہوجائے تو بھی اس پر محدثین کرام کی کی گئی سخت اور مفسر جرح کے مقابلے میں یہ معمولی سی توثیق کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔ کیونکہ خود علمائے غیر مقلدین نے تصریح کی ہے کہ جرح بالخصوص مفسر تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے استاذ العلماء اور محدث مولانا محمد گوندلوی صاحب لکھتے ہیں: جرح تعدیل پر مقدم ہوا کرتی ہے خصوصاً جب مفسر ہو [3]۔ نیز لکھتے ہیں راجح اور صحیح نقادان فن کی نظر میں یہی

---

[1] حاشیہ توضیح الکلام (۲/۱۴۷) [2] ہفت روزہ الاعتصام (ص ۱۱) ۲۵ نومبر ۱۹۹۴ء) [3] التحقیق الراسخ (ص ۱۱۴)

ہے کہ جرح مفسر اور تعدیل کا تعارض ہو تو جرح کو ترجیح ہے عام اس سے کہ معدلین زائد ہوں یا کم [1]۔
مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: جبکہ جرح مفسر کی موجودگی میں توثیق معتبر نہیں [2]۔
خود زبیر علی زئی لکھتے ہیں: اگر جرح مفسر اور تعدیل مفسر باہم برابر ہو تو جرح مقدم ہوگی [3]۔

پس جب غیر مقلدین کے اصولوں کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ عیسٰی بن جاریہ پر کی گئی ائمہ حدیث کی جرح مفسر اور نہایت سخت ہے تو اس کے مقابلے میں اگر اس کی کچھ تھوڑی بہت توثیق ثابت بھی ہو جائے تو وہ بقول علمائے غیر مقلدین جرح مفسر کے مقابلے میں غیر معتبر ہے۔ لھذا عیسٰی بن جاریہ اصولاً ضعیف ٹھہرے۔

ابن جاریہ ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ متفرد بھی ہے۔

علاوہ ازیں عیسٰی بن جاریہ ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ اس روایت کو نقل کرنے میں متفرد بھی ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا راوی حضرت جابر ﷛ سے اس زیادت (آٹھ رکعات) کو نقل نہیں کرتا۔
چنانچہ امام طبرانیؒ حضرت جابر ﷛ کی مذکورہ روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: لا یروی عن جابر بن عبداللہ ﷛ الا بھذا الاسناد [4]۔ حضرت جابر بن عبداللہ ﷛ سے یہ آٹھ رکعات کی روایت اس (عیسٰی بن جاریہ کی) سند کے علاوہ کسی اور سند سے مروی نہیں ہے......

اور اصول حدیث کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ ضعیف راوی کی منفرد روایت قابل قبول نہیں ہوتی، بالخصوص جب کہ آنحضرت ﷺ کی تین راتوں کی نماز کو نقل کرنے والے (حضرت ابوذر ﷛، حضرت انس ﷛، حضرت زید بن ثابت ﷛، حضرت عائشہؓ، اور حضرت نعمان بن بشیر ﷛ وغیرہ) متعدد صحابہ کرام ﷡ ہیں لیکن ان میں سے کسی ایک سے بھی رسول اللہ ﷺ کی نماز تراویح کی تعداد رکعات منقول نہیں کہ اس سے ابن جاریہ کی اس روایت کی تائید ہو سکے۔ لھذا ابن جاریہ کی یہ روایت نا قابل عمل ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ: مولانا نذیر احمد رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: عیسٰی بن جاریہ کا تفرد غیر مقبول نہیں کیونکہ

---

[1] حوالہ سابق (ص ۱۷۲) دخیر الکلام (ص ۴۵) [2] توضیح الکلام (۲/ ۲۷۱)
[3] نور العینین (ص ۴۲) [4] المعجم الصغیر (۱/ ۱۹۰)

اس کے تفرد کی صورت یہ ہے کہ اس نے ایک ایسی بات بیان کی ہے جس کے بیان سے دوسرے راوی ساکت ہیں اور محدثین (حافظ ابن الصلاح وغیرہ) نے تصریح کی ہے کہ منفرد راوی جو حفظ وضبط کے اعلیٰ درجہ پر فائز نہ ہو لیکن وہ حفظ وضبط کے اعتبار سے بہت گرا ہوا بھی نہ ہو تو اس منفرد راوی کی زیادتی بشرطیکہ اپنے سے اوثق راوی کی روایت کے مخالف نہ ہو تو وہ مقبول ہے۔ اس بیان کے لحاظ سے عیسیٰ کا یہ تفرد غیر مقبول نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے کہ جو جرحیں اس پر کی گئی ہیں وہ سب غیر مقبول اور غیر ثابت ہیں اور ان کے مقابلے میں اس کی تعدیل وتوثیق معتبر ہے۔ لھذا حفظ وضبط کے اعتبار سے اگر وہ بہت اعلیٰ درجہ پر نہ ہو تو بہت گرا ہوا بھی نہیں ہے۔ بنابریں اس کی یہ حدیث کم سے کم حسن ہوگی ضعیف یا منکر نہیں۔

نیز جب یہ ثابت ہو چکا کہ عیسیٰ ثقہ راوی ہے اور اس نے ایک زائد بات بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے آٹھ رکعات باجماعت پڑھی تھی اور یہ بات دوسرے راوی بیان نہیں کرتے تو حافظ ابن حجر کے بیان کے مطابق اس کی یہ زیادت راجح اور مرجوح کا مقابلہ کئے بغیر مقبول ہوگی اور اس سے زیادت میں اس کا متفرد ہونا ہرگز اس کی روایت کیلئے کسی قدح کا موجب نہیں ہے [1]۔

جواب: رحمانی صاحب کا یہ نرا وہم اور مغالطہ ہے کہ عیسیٰ بن جاریہ ثقہ راوی ہے اور اس پر کی گئی تمام جرحیں غیر مقبول ہیں۔ ابن جاریہ جس پایہ کا ثقہ راوی ہے اس کی حقیقت تو ہم اچھی طرح طشت از بام کر چکے ہیں اور یہ بات بھی خود علمائے غیر مقلدین کے تسلیم شدہ اصولوں کی روشنی میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اس پر ائمہ حدیث کی طرف سے اتنی سخت اور معتبر جرحیں کی گئی ہیں کہ ایسے راوی کی روایت سے استدلال تو کجا اس کی روایت متابعت میں پیش کرنے کے بھی قابل نہیں۔ تو پھر ایسے راوی کا تفرد کیوں کر قبول کیا جا سکتا ہے؟

ثانیا: بالفرض اگر مان لیا جائے کہ عیسیٰ بن جاریہ ثقہ راوی ہے لیکن یہ بات تو رحمانی صاحب کو بھی تسلیم ہے کہ وہ حفظ وضبط کے اعلیٰ درجہ پر فائز نہیں ہے۔ [2] تو پھر ایسے راوی کی زیادتی کیسے معتبر ہو سکتی ہے! کیونکہ خود علمائے مقلدین نے ثقہ راوی کی زیادت اور تفرد کے قبول ہونے کیلئے شرط لگائی ہے کہ وہ راوی احفظ واتقن ہو۔ چنانچہ رحمانی صاحب کے ہم مسلک اور ہم استاذ مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے

---

[1] مصلحہ انوار المصابیح (ص ۱۲۱ تا ۱۲۵) [2] انوار المصابیح (ص ۱۲۳)

ہیں: صحیح قول یہ ہے کہ ثقہ کی زیادتی مطلقاً قبول نہیں بلکہ اس کا مدار قرائن پر ہے اور قبولیت میں شرط اول یہ ہے کہ زیادت کرنے والا احفظ واتقن ہو [1]۔

مولانا محمد گوندلوی صاحب جو رحمانی صاحب کے استاذ ہیں، فرماتے ہیں کہ: باقی رہا زیادتی ثقہ کا قبول وعدم قبول، سو ثقہ کی زیادتی مطلقاً قبول نہیں ہوتی کسی جگہ ہوتی ہے اور کسی جگہ نہیں۔ کیوں کہ ثقہ غلطی کرجاتا ہے ان الثقۃ قد یغلط مشہور مقولہ ہے [2]۔ نیز گوندلوی صاحب علامہ ابن عبد البرؒ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: انماتقبل اذ کان راویھا احفظ واتقن الخ [3]۔

یعنی ثقہ راوی کی زیادتی اس وقت قبول کی جاتی ہے جب اس زیادتی کا راوی احفظ واتقن ہو۔

اب غیر مقلدین حضرات کی ناانصافی اور دوغلاپن ملاحظہ کریں کہ مسئلہ رفع یدین اور قرأۃ خلف الامام میں تو وہ عاصم بن کلیب اور سلیمان التیمی جیسے بالاتفاق ثقہ راویوں کی زیادت کو قبول نہیں کرتے اور یہاں مسئلہ تراویح میں اپنی مطلب براری کیلئے عیسیٰ بن جاریہ جیسے ضعیف اور متروک راوی کی زیادت کو بھی بڑے طمطراق سے قبول کررہے ہیں۔

آپ اپنے جورو جفا پر خود ذرا غور کریں ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

روایت جابر رضی اللہ عنہ کے دوسرے راوی یعقوب قمی کا تعارف۔

عیسیٰ بن جاریہ کا شاگرد یعقوب بن عبداللہ القمی بھی ضعیف اور شیعہ راوی ہے۔ چنانچہ امام دارقطنیؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: لیس بالقوی کہ یہ راویت حدیث میں قوی نہیں ہے [4]۔

مشہور محدث اور امام الرجال علامہ ابن کثیرؒ اس کی ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

وھذا الحدیث منکراجدادوفی اسنادہ ضعف ویعقوب ھذاھوالقمی وفیہ تشیع ومثل ھذالایقبل تفردہٗ بہ۔ [5]

یہ حدیث انتہائی منکر ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے اور یعقوب القمی شیعہ ہے۔ ایسے مسائل میں اس

---

[1] توضیح الکلام (۲/۲۶۱) [2] التحقیق الراسخ (ص۱۲۲) [3] ایضا (ص۱۴) [4] میزان الاعتدال (۳/۳۲۲) وغیرہ

[5] البدایۃ والنھایۃ (۸/۳۷۵)

کا تفرد قبول نہیں کیا جاتا۔اور چونکہ یعقوب قمی مذکورہ روایت میں بھی متفرد ہےاوراس کی یہ روایت اجماع صحابہ ﷺاور تعامل امت کے بھی خلاف ہے۔لھذا اس کی یہ روایت بھی غیر معتبر ہے۔

غیر مقلدین کے مسلمہ امام علامہ محمد شوکانی (حافظ عبداللہ روپڑی صاحب لکھتے ہیں: امام محمد بن علی یمنی شوکانی: متاخرین اہل حدیث میں یہ عالم بھی ایک بے مثل جامع وماہر جمیع فنون اصول وفروع معقول ومنقول اور مجتہد مطلق گزرے ہیں......ان کا ایک رسالہ القول المفید فی رد التقلید بھی ہے ان کے اکتساب سے ہزار ہا لوگ اہل حدیث ہوئے [1])۔غیر مقلدین کے بڑے امام ،بھی یعقوب قمی کو ضعیف کہتے ہیں۔چنانچہ وہ ایک حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں: وفي اسناده يعقوب بن عبدالله القمي وجعفربن ابي المغيرة القمي وفيهمامقال [2]۔

اس حدیث کی سند میں یعقوب بن عبداللہ قمی اور جعفر بن المغیرہ قمی ہیں اور ان دونوں میں کلام ہے۔

یعقوب قمی کو ثقہ ثابت کرنے کی کوشش کا جواب۔

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: یعقوب القمی ثقہ ہے اسے جمہور علماء نے ثقہ قرار دیا ہے۔ (۱)ابن حزیمہ نے اس کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔(۲)ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۳) نورالدین الہیثمی نے اس کی حدیث کو حسن قرار دیا۔(۴) حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کی منفرد حدیث پر سکوت کیا اور یہ سکوت اس کی حدیث کی تحسین یا تصحیح کی دلیل ہے۔(۵) جریر بن عبدالحمید اسے مومن آل فرعون کہتے تھے۔(۶)ابن مہدی نے اس سے روایت بیان کی اور ابن مہدی صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں۔(۷) بخاری نے تعلیقات میں اس سے روایت لی اور اپنی التاریخ الکبیر میں اس پر طعن نہیں کیا۔لہذا وہ ان کے نزدیک بقول (ظفر احمد) تھانوی ثقہ ہے۔(۸) حافظ ذہبی نے کہا: صدوق (۹) نسائی نے کہا: ليس به بأس۔(۱۰)ابوالقاسم الطبرانی نے کہا ثقہ ۔ [3]

جواب یعقوب القمی کو ثقہ ثابت کرنے کیلئے زبیر صاحب کی ذکر کردہ یہ تمام شقیں بھی محض ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مترادف ہیں۔ان میں سے پہلی چار شقوں کا جواب تو عیسیٰ بن جاریہ کے تذکرہ میں ہو چکا ہے

---

[1] تعریف اہل حدیث (ص ۸۸) [2] نیل الاوطار (۲۸۷/۴) [3] مجلہ نور المصابیح (ص ۱۷)

دیگر شقوں کی صورت حال ملاحظہ فرمائیں۔

(۵) مؤمن آل فرعون کا لفظ راوی کی توثیق نہیں۔

مومن آل فرعون کوئی توثیق وتعدیل کا کلمہ نہیں ہے کہ اس سے یعقوب قمی کا ثقہ ہونا لازم آئے۔ زبیر صاحب کا حق بنتا ہے کہ وہ پہلے اس کلمہ کو الفاظ تعدیل میں سے ہونا ثابت کریں، اس کے بعد اس کو یعقوب کی توثیق کے دلائل میں بھرتی کریں۔

(۶) ابن مہدیؒ کا یعقوب قمی سے روایت لینا

امام ابن مہدیؒ نے اگر چہ یعقوب قمی سے روایت بیان کی ہے لیکن کیا ان کا اس سے روایت لینا اس کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے؟ اس بارہ میں خود علمائے غیر مقلدین کی آراء ملاحظہ ہوں۔ چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں: یحیٰ بن سعید قطان کے متعلق جو عموماً معروف ہے کہ وہ ثقات ہی سے روایت لیتے ہیں اور حسن بن عمارہ سے بھی انہوں نے روایت لی ہے تو بھی یہ حسن کی توثیق کیلئے کافی نہیں، جبکہ امام یحیٰ کے متعلق دوسرے محدثین (امام ابن مہدی وغیرہ۔ ناقل) کی طرح یہ قاعدہ بھی کوئی کلی اصول نہیں بلکہ اکثریتی ہے [۱]۔ غیر مقلدین کے استاذ العلماء مولانا محمد گوندلوی صاحب ایک راوی کے متعلق لکھتے ہیں: بعض نے لکھا ہے کہ بڑے بڑے لوگوں نے اس سے روایت لی ہے۔ سو یہ توثیق کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ جرح کے باوجود ائمہ کا روایت لینا ثابت ہے [۲]۔

علاوہ ازیں امام ابن مہدیؒ نے خود تصریح فرمادی ہے کہ وہ فضائل اعمال وغیرہ کی روایت میں تساہل برتتے ہیں اور ضعیف راویوں سے بھی روایات لے لیتے ہیں۔ چنانچہ مستدرک حاکم وغیرہ میں ہے:

عن عبدالرحمٰن بن مہدی یقول اذارویناعن النبی ﷺ شددنافی الاسانید وانتقدناالرجال واذا روینا فی فضائل الاعمال والثواب والعقاب والمباحات والدعوات تساھلنافی الاسانید [۳]۔

امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ فرماتے ہیں کہ ہم جب آنحضرت ﷺ سے حلال وحرام اور احکام کی روایات نقل

---

[۱] توضیح الکلام (۶۱۸/۲) [۲] التحقیق الراسخ (ص ۱۱۴) [۳] المستدرک (۴۹۰/۱)

کرتے ہیں تو اسانید اوران کے راویوں کی تنقید میں تشدد سے کام لیتے ہیں اور جب فضائل اعمال ،ثواب وعقاب ،مباحات اوردعاؤں کے بارہ میں روایات نقل کرتے ہیں تو اسانید میں تساہل (نرمی) برت لیتے ہیں۔

بنابریں اگر امام ابن مھدیؒ نے یعقوب قمی سے بھی روایت بیان کی ہے تو یہ اس کی توثیق کی دلیل نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ امام موصوف نے اس سے روایت لیتے ہوئے اسی ہ تساہل سے کام لیا ہو اوروہ ضعفاء سے بھی روایات لے لیتے ہیں :فاذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

(۷) امام بخاریؒ کا کسی راوی سے معلق روایت لینا۔

عیسیٰ بن جاریہ کے تذکرہ میں علمائے غیر مقلدین کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ امام بخاریؒ کا کسی راوی کو تاریخ الکبیر میں بلاطعن ذکر کرنا اس راوی کی توثیق پر دال نہیں ۔رہا امام بخاری کا اپنی صحیح میں کسی راوی سے تعلیقات روایت بیان کرنا تو یہ بھی غیر مقلدین کے نزدیک اس راوی کی توثیق اور اس روایت کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہے۔چنانچہ غیر مقلدین کے محدث اعظم حافظ عبداللہ روپڑی صاحب تحریر فرماتے ہیں :جیسے بخاری میں تعلیقات ہیں اوران کی صحت ضروری نہیں [۱]۔

نیز لکھتے ہیں :بخاری اصح الکتاب ہے لیکن تعلیقات بخاری (جن کی سند بالکل پوری ذکر نہیں ہوتی)ان میں بھی کئی محل گفتگو بھی ہیں [۲]۔

مولانا ارشادالحق اثری صاحب لکھتے ہیں صحیح بخاری میں معلق روایات امام بخاری کا موضوع اورمقصود نہیں ۔لھذا ان سے کسی سند کے بارے میں استدلال صحیح نہیں ۔حافظ ابن حجرؒ نے اپنے النکت میں صحیح بخاری کی معلق روایات کے بارے میں بڑی نفیس بحث کی ہے اوراس کی تعلیقات کی اقسام بیان کرتے ہوئے ایک قسم ذکر کی ہے کہ امام بخاری کبھی بالجزم ایسی معلق روایت بھی لاتے ہیں جو انقطاع کی بناپر ضعیف ہوتی ہے [۳]۔نیز لکھتے ہیں :معلق روایات امام بخاری کے مقصود سے خارج ہیں ۔ان میں وہ بطور تنبیہ ذکر کرتے ہیں ان سے استدلال واحتجاج مقصود نہیں [۴]۔

---

[۱] رفع یدین اورآمین (ص ۱۳۰)بحوالہ اظہار التحسین (ص ۶۱) [۲] فتاوی اہل حدیث (۱/۵۱۸)

[۳] توضیح الکلام (۲/۵۷۶) [۴] ایضا (ص ۵۷۷)

(۸) ذہبیؒ کا قمی کو صدوق کہنا غیر مقلدین کو مفید نہیں۔

حافظ ذہبیؒ کا یعقوب قمی کو صدوق کہنا بھی غیر مقلدین حضرات کو کچھ مفید نہیں ہے۔ کیونکہ یہ لفظ ان کے نزدیک راوی کو ثقہ ثابت کرنے کیلئے کافی نہیں۔ چنانچہ ان کے بہت بڑے بزرگ عالم مولانا ابراہیم سیالکوٹی صاحب فرماتے ہیں کہ صدوق کا لفظ مراتب تعدیل میں نہایت گھٹیا درجہ کا ہے [۱]۔

شیخ البانی غیر مقلد حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں کہے گئے لفظ صدوق سے متعلق لکھتے ہیں:

ومما لا شك فيه عندنا ان اباحنيفة من اهل الصدق ولكن ذلك لايكفي ليحتج بحديثه حتى ينضم اليه الضبط والحفظ وذلك مما لم يثبت في حقه [۲]۔

اور ہمارے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اہل صدق میں سے ہیں لیکن یہ ان کی حدیث کے قابل احتجاج ہونے کیلئے کافی نہیں جب تک اس کے ساتھ ضبط اور حفظ نہ ملے ہوں اور یہ دونوں چیزیں امام صاحب کے حق میں ثابت نہیں ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلك ولعنة الله على الكاذبين۔

اب غیر مقلدین حضرات کی ستم ظریفی ملاحظہ کریں کہ امام صاحب کی تعریف وتوثیق میں تمام بڑے بڑے محدثین اور فقہاء رطب اللسان ہیں لیکن غیر مقلدین کے نزدیک لفظ صدوق ان کی حدیث کے قابل احتجاج ہونے کیلئے کافی نہیں لیکن یعقوب قمی جیسے ضعیف اور شیعہ راوی کے حق میں یہ لفظ اس کی حدیث کے قابل حجت ہونے کی دلیل ہے واعجبا۔

نہ پہنچا ہے نہ پہنچے گا تمہاری ظلم کیشی کو　　بہت سے ہو چکے ہیں گرچہ تم سے ستمگر پہلے

(۹) امام نسائی کا قمی کو لیس بہ باس کہنا غیر مقلدین کے نزدیک اس کی توثیق کے لئے کافی نہیں

عیسٰی بن جاریہ کے تذکرہ میں مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ لا باس بہ وغیرہ کے الفاظ سے اس راوی کی حدیث کا قابل احتجاج ہونا لازم نہیں آتا اور چونکہ لیس بہ باس بھی اس کے ہم درجہ اور ہم معنی لفظ ہے، اس لئے اگر امام نسائی نے یعقوب قمی کے بارے میں لیس بہ باس فرمایا ہے تو بھی اس سے بقول اثری صاحب یعقوب کی روایت کا قابل حجت ہونا لازم نہیں آتا۔

---

[۱] انارۃ المصابیح (ص ۳۹)　[۲] سلسلۃ احادیث الضعیفۃ (؟/۱)

(۱۰)امام طبرانی کی توثیق کا جواب

امام طبرانیؒ نے قمی کو ثقہ کہا ہے لیکن غیر مقلدین کے استاذ العلماء اور سابق امیر جماعت اہلحدیث مولانا محمد گوندلوی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ: صرف ثقہ کہہ دینا کافی نہیں خصوصاً ایسے موقع پر کہ جرح مفسر ومفصل ہو[1]۔ اور یعقوب قمی کے حق میں بھی جرح مفسر وارد ہے۔ کیونکہ علامہ ابن کثیرؒ نے اس کی روایت کو منکر جدا کہا ہے اور مولانا ارشادالحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں: جس کی غلطیاں زیادہ ہوں یا غفلت با کثرت ہو یا فسق ظاہر ہو اس کی حدیث منکر ہے [2]۔ اور یہی جرح مفسر ہے۔ نیز یعقوب قمی عیسیٰ بن جاریہ سے اس روایت کو نقل کرنے میں بھی متفرد ہے اور کوئی دوسرا راوی اس کا متابع نہیں اور علامہ ابن کثیرؒ کی تصریح کے مطابق یہ حالت انفراد میں قابل حجت نہیں ہے۔ لھذا اگر بالفرض اس کو ثقہ بھی مان لیں پھر بھی اس کے منفرد ہونے کی وجہ سے اس کی مذکورہ روایت سے احتجاج کرنا درست نہیں۔

روایت جابرؓ کے تیسرے راوی محمد بن حمید الرازی کا تعارف

قیام اللیل وغیرہ میں اس روایت کو یعقوب قمی سے نقل کرنے والا محمد بن حمید الرازی بھی ائمہ رجال کے نزدیک نہایت ضعیف، کذاب اور متروک راوی ہے۔ اگرچہ صحیح ابن خزیمہ وغیرہ کتب حدیث میں اسی روایت کو ابن حمید رازی کے علاوہ دیگر راویوں نے بھی یعقوب قمی سے نقل کیا ہے لیکن مابعد آنے والی روایت جو حضرت جابرؓ سے مروی ہے اس روایت کو نقل کرنے میں محمد بن حمید الرازی متفرد ہے۔ لھذا اس کا تفصیلی تعارف کتاب رجال سے ملاحظہ ہو: (۱) امام یعقوب بن شیبہ سدوسیؒ اس کو کثیر المناکیر فرماتے ہیں۔ (۲) امام بخاریؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: فیہ نظر۔ (۳) امام ابراہیم جوزجانیؒ اس کو ردی المذہب اور غیر ثقہ فرماتے ہیں۔ (۴) امام ابوزرعہؒ فرماتے ہیں کہ وہ جھوٹ بولتا تھا۔ (۵) عبدالرحمٰن بن یوسفؒ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم محمد بن حمید رازی جھوٹا تھا۔ (۶) اسحاق بن منصورؒ فرماتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن حمید اور عبید بن اسحاق عطار دونوں کذاب ہیں۔ (۷) امام نسائیؒ اور امام ابن وارہؒ وغیرہ نے بھی اس کو کذاب قرار دیا ہے۔ (۸) امام ابوعلی نیساپوری

---

[1] التحقیق الراسخ (ص۱۲۶) [2] توضیح الکلام (۲/۶۲۸)

فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابن خزیمہ سے عرض کیا کہ اگر آپ محمد بن حمید الرازی سے حدیث بیان کرتے تو بہت اچھا تھا کیونکہ امام احمدؒ نے اس کی تعریف کی ہے۔اس پر ابن خزیمہؒ نے فرمایا کہ: امام احمدؒ نے اس کو پہچانا نہیں۔اگر وہ بھی ہماری طرح اس کو پہچان لیتے تو وہ اس کی بالکل تعریف نہ کرتے۔

(۹) امام ابن حبانؒ نے بھی اس پر جرح کی ہے۔(۱۰) ابو نعیم بن عدیؒ فرماتے ہیں کہ میں امام ابو حاتمؒ کے پاس ان کے گھر حاضر تھا اور ان کے پاس رے کے مشائخ اور حفاظ کی ایک جماعت بیٹھی تھی۔جب انھوں نے محمد بن حمید رازی کا ذکر چھیڑا تو سب نے بالاتفاق فرمایا کہ وہ روایت حدیث میں نہایت ضعیف ہے۔ اور اس نے ایسی حدیثیں بیان کی ہیں جو اس نے سنی تک نہیں ہیں [1]۔

ناظرین! آپ نے ملاحظہ کرلیا ہے کہ حضرت جابرؓ کی مذکورہ روایت کے یہ تینوں راوی نہایت ضعیف اور متروک ہیں۔لھذا جو روایت ایسے ضعیف راویوں کی سند پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کا مصداق ہو،اس کو تراویح جیسے اہم مسئلہ میں کیسے پیش کیا جاسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ غیر مقلدین کا ایک سنجیدہ طبقہ اس حقیقت کو محسوس کرتے ہوئے اس راویت کو معرض استدلال میں پیش کرنے سے دستبردار ہوگیا ہے۔چنانچہ غیر مقلدین کے ایک بڑے عالم مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب لکھتے ہیں: یاد رہے کہ رسول اکرم ﷺ کی نماز تراویح کی تعداد رکعات کے اثبات کا اعتبار حضرت جابرؓ کی یہ حدیث نہیں [2]۔

مولانا ایوب صابر مدرس جامعہ محمدیہ خانپور حضرت جابرؓ کی مذکورہ روایت اور مابعد آنے والی روایت ذکر کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں: مذکورہ بالا دونوں حدیثیں ہم نے بطور شواہد پیش کی ہیں [3]۔

ان علماء کے نزدیک گویا یہ دونوں حدیثیں استدلال میں پیش کرنے کے قابل ہی نہیں ہیں اور مولانا عبدالرؤف غیر مقلد نے تو انصاف پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے صاف لکھ دیا ہے کہ ان دونوں حدیثوں کی سند عیسیٰ بن جاریہ کی وجہ سے ضعیف ہے [4]۔

تیرے رندوں پہ کھل گئے سارے اسرار دین ساقی　　　ہوا جب علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین ساقی

---

[1] دیکھئے تھذیب الکمال (۱۶/۲۲۱ تا ۲۲۶) تھذیب التھذیب (۹/۱۱۴، ۱۱۵) وغیرہ۔

[2] تعداد تراویح (ص ۳۴) [3] تحقیق تراویح (ص ۲۲) [4] دیکھئے القول المقبول (ص ۶۰۷، ۶۱۰) طبع رابع

غیر مقلدین کی دلیل نمبر۳ واقعہ ابی بن کعب بروایت جابر رضی اللہ عنہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! رات کو یعنی رمضان میں مجھے ایک واقعہ پیش آ گیا۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا اے اُبی کیا بات ہوئی؟ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے گھر کی عورتوں نے مجھ سے کہا کہ ہمیں قرآن یاد نہیں اس لئے ہم آپ کی اقتداء میں نماز پڑھیں گی تو میں نے ان کو آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھا دیں۔ آنحضرت ﷺ نے سن کر سکوت فرمایا گویا کہ آپ نے اس کو پسند فرمایا۔

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: امام ہیثمی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا: اسے ابویعلیٰ نے روایت کیا اور اس طرح طبرانی نے اوسط میں روایت کیا اور اس کی سند حسن ہے [۱]۔ مولوی سرفراز دیوبندی لکھتے ہیں: اپنے وقت میں اگر علامہ ہیثمیؒ کو صحت اور سقم کی پرکھ نہیں تو اور کس کو تھی [۲]۔

جواب اول: اس حدیث کی سند بھی وہی ہے جو سابقہ حدیث کی تھی اور اس میں بھی تینوں ضعیف راوی (عیسٰی بن جاریہ، یعقوب قمی اور محمد بن حمید رازی) موجود ہیں، بلکہ آخر الذکر راوی کو تو متعدد اماموں نے کذاب اور وضاع قرار دیا ہے۔ مولانا محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: جس (حدیث) کو کسی شخص وضاع یا کذاب نے بیان کیا وہ موضوع ہے [۳]۔ ماشاءاللہ! ایسے ہی کذاب راویوں کی بیان کردہ موضوع روایات پر غیر مقلدین کے مذہب کا مدار ہے۔ والی اللہ المشتکی۔ علامہ ہیثمیؒ نے جو اس حدیث کو حسن کہا، اس کا جواب سابقہ روایت کے ذیل میں گزر چکا ہے کہ ان کی تصحیح وتحسین غیر مقلدین کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔

باقی حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے علامہ ہیثمیؒ کے بارے میں جو لکھا ہے تو ان کی مذکورہ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ: علامہ ہیثمی علوم حدیث کی ایک مسلمہ شخصیت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو حدیث کی صحت وسقم پرکھنے کا قوی ملکہ نصیب فرمایا ہے۔ ان کی ہر بات کو لہ اوھام کہہ کر بلا دلیل رد کر دینا (جیسا کہ غیر مقلدین کی ان کے بارے میں رائے ہے)

---

[۱] مجمع الزوائد (۲/۷۴) [۲] احسن الکلام (۱/۲۳۳)۔ منقول از نور المصابیح (ص ۱۹) [۳] التحقیق الراسخ (ص ۱۲)

بالکل غلط ہے۔ حضرت کی عبارت کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ علامہ ہیثمی کی ہر تصحیح و تحسین کو بلا دلیل قبول کر لیا جائے خواہ اس سند میں محمد بن حمید رازی جیسے کذاب اور عیسیٰ بن جاریہ جیسے متروک اور منکر الحدیث راوی موجود ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ صفدر صاحب مدظلہٗ علامہ ہیثمیؒ کو علل حدیث کا ماہر ماننے کے باوجود ان کی اگر کوئی بات دلائل سے غلط ثابت ہو جائے تو اس کا رد فرماتے ہیں۔ مثلاً علامہ ہیثمیؒ کے ایک ضعیف حدیث کو صحیح قرار دینے کے جواب میں لکھتے ہیں: اگر محض بلا دلیل کہنے سے روایت صحیح ہو سکتی تو یہ صحیح ہے ورنہ اس کی صحت پر کوئی دلیل موجود نہیں اور یہ روایت بھی ضعیف ہے [1]۔

معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ نہ تو مطلق علامہ ہیثمیؒ کی تصحیح و تحسین کو رد کرتے ہیں اور نہ ہی ان کی ہر بات کو جو قرائن کی روشنی میں غلط ثابت ہو، قبول کرتے ہیں۔ لھذا غیر مقلدین کا ایک حنفی مقلد عالم کی آڑ لے کر اس موضوع روایت کو حسن ثابت کرنا باطل ہے۔

جواب ثانی: اس روایت کو بھی حضرت جابرؓ سے نقل کرنے والا عیسیٰ بن جاریہ ہے، جس کو حافظ ابن حجرؒ نے تقریب میں طبقہ رابعہ کا راوی بتلایا ہے اور گزشتہ روایت میں مولانا نذیر رحمانی غیر مقلد کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ طبقہ رابعہ والوں کی روایات صحابہ کرام سے مروی نہیں ہیں۔ لھذا غیر مقلدین کے اصول کے مطابق ابن جاریہ کی حضرت جابرؓ سے مروی یہ روایت بھی منقطع ٹھری اور منقطع روایت غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں۔

جواب ثالث: اس روایت کی سند سے قطع نظر بھی اس سے آٹھ تراویح پر استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ اس روایت سے تو یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے حضرات ابیؓ کا بیان کردہ یہ واقعہ ضرور رمضان یا تراویح سے متعلق ہی ہو۔ اس لئے کہ مسند احمد اور طبرانی کی روایت میں تو سرے سے رمضان کا لفظ ہی نہیں اور مجمع الزوائد [2] میں بحوالہ مسند ابی یعلی یعنی رمضان کا لفظ ہے جو روایت کا حصہ نہیں بلکہ راوی کا اپنا فہم ہے اور قیام اللیل میں اگر چہ رمضان کا لفظ ہے لیکن بوجہ قرینہ سابقہ اس میں رمضان کا لفظ مدرج ہے۔ اب ممکن ہے کہ یہ لفظ خود حضرت جابرؓ کا فرمودہ ہو جو اس روایت کے پہلے راوی ہیں یا پھر نیچے

---

[1] احسن الکلام (۲/۱۲۷) طبع پنجم [2] (۲/۷۴)

کے ضعیف راویوں (عیسٰی بن جاریہ، یعقوب قمی اور محمد بن حمید رازی) میں سے کسی ایک کا تصرف ہو۔ فاذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ بنابریں جب اس روایت میں رمضان کا لفظ ثابت ہی نہیں تو پھر اس سے آٹھ تراویح پر استدلال کیسے کیا جاسکتا ہے؟ کیونکہ نماز تراویح تو صرف خاص رمضان میں ہی پڑھی جاتی ہے نہ کہ پورا سال اور یہاں روایت میں رمضان کا لفظ ثابت ہی نہیں تو پھر اس عام دلیل سے خاص رمضان کی نماز (تراویح) پر استدلال کرنا چہ معنی وارد؟۔

اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اگر اس روایت کا تعلق تراویح سے نہیں تو پھر تہجد سے ہوگا، اس صورت میں تہجد کا جماعت کے ساتھ پڑھنا ثابت ہوتا ہے حالانکہ عندالاحناف تہجد کی جماعت مکروہ ہے [1]۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ احناف کے نزدیک تہجد وغیرہ نوافل کی جماعت مطلق مکروہ نہیں ہے بلکہ اس کو تداعی کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے [2]۔ اگر چند آدمی اتفاقی طور پر اکٹھے ہو جائیں اور بلا تداعی نوافل کی جماعت کرالیں (جیسا کہ مذکورہ بالا روایت میں حضرت ابی بن کعب ﷺ کا اپنے گھر کی عورتوں کو بلا تداعی نوافل کی جماعت کرانا) تو اس صورت میں عندالاحناف بھی تہجد کی جماعت بلا کراہت جائز ہے۔

جواب رابع: اس روایت میں اضطراب بھی ہے جیسا کہ ابھی گزرا ہے کہ بعض روایتوں میں رمضان کا لفظ ہے اور بعض روایتوں میں یعنی رمضان کا لفظ ہے اور بعض روایتوں میں تو سرے سے رمضان کا ذکر ہی نہیں۔ اسی طرح قیام اللیل وغیرہ میں حضرت ابی ﷺ کا رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنا واقعہ بیان کرنا مذکور ہے جب کہ مسند احمد وغیرہ کی روایت میں حضرت ابی ﷺ اپنا واقعہ بیان نہیں کر رہے بلکہ یہ واقعی کسی دوسرے نا معلوم شخص کا نقل فرما رہے ہیں۔ چنانچہ مسند احمد وغیرہ کی روایت کے الفاظ یوں ہیں:

عن جابر ﷺ بن عبداللہ عن ابی ﷺ بن کعب قال جاء رجل الی النبی ﷺ عملت اللیلۃ قال ماھو قال نسوۃ معی فی الدار......الخ [3]۔

لھذا یہ روایت مضطرب ہے اور غیر مقلدین بھی مانتے ہیں کہ حدیث مضطرب قابل احتجاج نہیں ہوسکتی [4]۔

---

[1] انوار المصابیح (ص ۱۵۸) وغیرہ [2] دیکھئے فتاوی شامی (۱/۵۲۲)، فتاوی بزازیہ (۴/۳۱) وغیرہ

[3] مسند احمد بحوالہ انوار المصابیح (ص ۱۶۲) [4] تحقیق الکلام (۲/۷)

الغرض اس روایت سے استدلال اور احتجاج کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔

غیر مقلدین کی دلیل نمبر۴: امیر المؤمنین حضرت عمرؓ بن الخطاب نے حضرت ابیؓ بن کعب اور حضرت تمیم الداریؓ کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں [1]۔

جواب: اس روایت سے استدلال کرنا بھی کئی وجوہ سے باطل ہے۔ (۱) یہ ایک صحابیؓ رسول ﷺ اور خلیفہ راشد کا قول ہے جبکہ غیر مقلدین حضرات کے نزدیک صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا قول ہی حجت ہے۔ باقی کسی صحابی یا تابعی وغیرہ کا قول ان کے نزدیک حجت نہیں ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا نزیر حسین صاحب دھلویؒ لکھتے ہیں: زیرا کہ قول صحابی حجت نیست [2]۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں: وافعال الصحابةؓ واقوالهم لا حجة فيها [3]۔

صحابہ کرامؓ کے افعال اور ان کے اقوال حجت نہیں ہیں۔

غیر مقلدین کے استاذ العلماء اور محدث حافظ محمد گوندلوی صاحب فرماتے ہیں: تابعین کے اقوال بلکہ صحابہؓ کے اقوال اختلافی امور میں حجت نہیں ہوتے [4]۔ نواب صدیق صاحب کے صاحبزادے اور مشہور غیر مقلد عالم نواب نور الحسن خان صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ: قول صحابی حجت نباشد [5]۔

شیخ عبدالرؤف سندھو صاحب لکھتے ہیں: قول صحابی حجت نہیں ہے [6]۔ غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب فرماتے ہیں کہ: اہل حدیث کے مذہب میں خدا اور رسول کے کلام کے سوا کسی کے قول و فعل کو حجت شرعیہ کی حیثیت سے جگہ نہیں ہے [7]۔

بلکہ فرقہ غیر مقلدین میں تو ماشاء اللہ ایسے لوگوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہے جو حضرات خلفائے راشدینؓ کے جاری کردہ طریقہ اور ان کی سنت کو بدعت ضلالۃ اور گمراہی تک کہنے سے بھی نہیں چوکتے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے مشہور اور مستند عالم علامہ امیر یمانی صاحبؒ خلیفہ راشد حضرت عمر فاروقؓ کی جاری کردہ جماعت تراویح کو بدعت ضلالہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: عرفت ان عمرؓ هو الذی جعلها جماعة علىٰ معيّن وسماها بدعة۔ واماقوله نعم البدعة فليس فی البدعة ما

---

[1] مؤطا امام مالک (ص۱۱۴)، السنن الکبریٰ للبیھقی (۲/۴۹۶) [2] فتاویٰ نذیریہ (۱/۳۴۰) [3] نیل الاوطار (۴/۷۱)

[4] خیر الکلام (ص۲۴۹) [5] عرف الجادی (ص۳۸، ۴۴ وغیرہ) [6] القول المقبول (ص۴۴۷) [7] مظالم روپڑی (ص۵۰)

يمدح بل كل بدعة ضلالة[1]۔

تم نے یہ جان لیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی نے تراویح کو ایک مقرر کردہ امام کے ساتھ جماعت کی صورت دی اور اس کا نام بدعت رکھا، آپ کا یہ قول کہ یہ اچھی بدعت ہے تو بدعت کوئی بھی قابل تعریف نہیں بلکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ نیز امیر یمانی صاحب حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے کسی بھی قول و فعل کو حجت نہیں مانتے، چنانچہ لکھتے ہیں۔ ان الصحابة رضی اللہ عنہم خالفوا الشيخين في مواضع ومسائل فدل انهم لم يحملوا الحديث على ان ماقالوه وفعلوه حجة [2] ۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کئی مسائل میں شیخین (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، وحضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کی مخالفت کی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے حدیث کا مطلب یہ نہیں سمجھا کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم جو کچھ کہیں یا کریں وہ حجت ہے۔

اب جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے اقوال وافعال کو حجت نہیں مانتے بلکہ ان کی سنت کو بدعت اور گمراہی قرار دیتے ہیں۔العیاذ باللہ۔تو ایسے لوگوں کو یہ حق کیسے پہنچ سکتا ہے کہ وہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے قول یا فعل سے حجت پکڑیں؟

(۲) اس روایت کی سند اگرچہ صحیح ہے لیکن اس کا متن ضعیف ہے[3] ۔ کیونکہ محدثین کرام نے اس روایت کے راوی امام مالک کے قول گیارہ رکعات کو وہم قرار دیا ہے [4] ۔

---

[1] سبل السلام شرح بلوغ المرام (۱۲/۲) [2] ایضاً (ص۱۱) [3] مولانا مبارکپوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ان صحة السند لا يستلزم صحة المتن۔ ابکار المنن (ص۲۸) بے شک سند کا صحیح ہونا متن کے صحیح ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔ مولانا محمد گوندلوی صاحب لکھتے ہیں اور صحت سند صحت متن کو مستلزم نہیں ہے۔ التحقیق الراسخ (ص۱۱۷) [4] اگر یہ اشکال کیا جائے کہ امام مالکؒ جیسے جلیل القدر محدث اور ثقہ راوی سے کیسے وہم ہو سکتا ہے تو مولانا مبارکپوریؒ صاحب اسی اشکال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ان الثقة قد يهم و يغلط کہ کبھی کبھی ثقہ راوی بھی وہم اور غلطی کر جاتا ہے۔ابکار المنن (ص۱۵۹)۔مولانا گوندلوی صاحب لکھتے ہیں۔ ان الثقة قد يغلط (ثقہ راوی بھی کبھی کبھی غلطی کر جاتا ہے) مشہور مقولہ ہے ۔التحقیق الراسخ (ص ۱۲۲) مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں: حدیث میں ایسی غلطیوں سے امام مالک، سفیان ثوری، شعبہ، یحییٰ بن سعید ایسے حفاظ و اثبات بھی محفوظ نہ رہ سکے تو وہ آخر انسان ہی ہیں اور خطا و نسیان انسان کے خمیر میں ہے۔امام ابن مبارک فرماتے ہیں کہ وہم سے کون محفوظ رہا ہے۔توضیح الکلام (۵۹۱/۲)

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

چنانچہ مشہور مالکی فقیہ اور عظیم محقق علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں: ان الاغلب عندی ان قوله احدی عشرة وهم[1] ۔

میرے نزدیک غالب گمان یہ ہے کہ امام مالک کا قول گیارہ رکعات وہم ہے۔ نیز فرماتے ہیں: روی غیرمالك فی هذاالحدیث احدیٰ وعشرون وهوالصحیح ولااعلم احدا قال فیه احدی عشرة الامالکا[2] ۔ امام مالکؒ کے علاوہ دیگر راویوں نے اس حدیث میں تراویح کی اکیس رکعات نقل کی ہیں اور یہی صحیح ہے اور میں نہیں جانتا کہ امام مالکؒ کے سوا کسی دوسرے محدث نے گیارہ رکعات کا قول اس حدیث میں نقل کیا ہو۔ اب علامہ ابن عبدالبرؒ باوجود امام مالکؒ کے مقلد ہونے کے کھلے دل سے اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس حدیث میں گیارہ رکعات کا قول امام مالکؒ کا وہم اور انکا تفرد ہے[3] اور غیر مقلدین کے عظیم محدث حافظ محمد گوندلوی صاحب لکھتے ہیں:

---

[1] زرقانی شرح موطا (۱/۲۱۵) وغیرہ [2] ایضا [3] اشکال: بعض حضرات نے لکھا ہے کہ امام مالک کی طرف وہم کی نسبت کرنا غلط ہے کیونکہ وہ گیارہ رکعات کے قول کو نقل کرنے میں متفرد نہیں ہیں بلکہ عبدالعزیز بن محمد الدراوردیؒ اور یحییٰ بن سعید قطان نے بھی ان کی متابعت کی ہے اور انہوں نے بھی محمد بن یوسف سے امام مالک کی طرح گیارہ رکعات کا قول نقل کیا ہے۔ لیکن یہ اشکال غلط ہے۔ اولا: عبدالعزیزدراوردی کی متابعت تو کالعدم ہے کیونکہ وہ خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی ضعیف راوی ہے۔ کماسیأتی تفصیلہ۔ نیز اس روایت میں لوگوں کا حضرت عمرؓ کے دور میں گیارہ رکعات پڑھنے کا ذکر ہے جبکہ امام مالک کی روایت میں لوگوں کا عمل مذکور نہیں بلکہ صاف حضرت عمرؓ کے حکم دینے کی تصریح ہے۔ اسی طرح یحییٰ بن سعید کی روایت بھی امام مالک کی روایت سے مختلف ہے کہ امام مالک کی روایت میں تو ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابیؓ اور حضرت تمیمؓ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم فرمایا جبکہ یحییٰ کی روایت میں حضرت عمرؓ کے اس حکم کا ذکر نہیں بلکہ اس میں حضرت ابیؓ اور حضرت تمیم کا گیارہ پڑھانا مذکور ہے۔ لھذا امام یحییٰ کی روایت امام مالک کی روایت سے مختلف ہونے کی وجہ سے اسکے متابع نہیں بن سکتی۔ البتہ امام مالک کی روایت کا مضمون اور مصنف عبد الرزاق کی روایت کا مضمون اور الفاظ ایک جیسے ہیں لیکن تعداد رکعات کے بیان میں فرق ہے۔ امام مالک کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابیؓ اور حضرت تمیم داریؓ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا جبکہ عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ انہوں نے ان دونوں کو اکیس رکعات پر جمع کیا (یعنی حکم دیا) تھا۔ اب ان دونوں کی روایت میں سے اکیس رکعات والی روایت کو علامہ ابن عبدالبرؒ نے ترجیح دی ہے اور امام مالک کی گیارہ رکعات والی روایت کو انہوں =

جس حدیث کی سند کے رجال ثقات ہوں، بظاہر اس میں کوئی خرابی نہیں ہوتی لیکن کسی محدث کو کسی علت خفیہ (وہم وغیرہ۔ ناقل) پر اطلاع ہو جائے اور وہ کہے کہ اس میں علت ہے تو وہ **معلل** ہے [1]۔ چونکہ علامہ ابن عبدالبرؒ جو مشہور محدث ہیں انہوں نے اس حدیث پر وہم کا حکم لگایا ہے لھذا اگر اس حدیث کے راوی ثقہ بھی ہیں تو بھی یہ حدیث معلل اور نا قابل حجت ہے۔

(۳) اس روایت کے نا قابل استدلال ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس روایت کے متن میں اضطراب بھی ہے جس کی تفصیل انشاءاللہ دلیل نمبر ۴ کے ذیل میں آئے گی۔

(۴) اگر اس روایت کے متن کو وہم اور مضطرب نہ بھی کہا جائے بلکہ مذکورہ روایت اور بیس رکعات والی روایت میں تطبیق دی جائے جس کو بعض محدثین نے اختیار کیا ہے تو پھر بھی اس روایت پر عمل کرنا جائز نہیں۔

کیونکہ ان محدثین کرام کے نزدیک گیارہ رکعات پر عمل چند روز تک ہی رہا، پھر یہ عمل منسوخ ہو کر بیس رکعات پر ہمیشہ کے لیئے عمل قرار پایا۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا میاں غلام رسول صاحب فرماتے ہیں: ایک یہ حدیث ہے جو موطا (امام مالک) میں آتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ اور تمیم داری رضی اللہ عنہ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا اور دوسری حدیث بیہقی کی ہے جس میں تئیس رکعت کا ذکر ہے پھر عمل کس پر ہوگا؟ اس کا جواب خود صاحب محلی نے امام بیہقی کے قلم سے نقل کیا ہے وہ یہ کہ پہلی روایت

= نے وہم قرار دیا ہے اور اس روایت پر غور نہ کرنے کی وجہ سے بعض لوگوں کو اشتباہ ہو گیا اور انہوں نے کہہ دیا کہ امام مالکؒ کی روایت کیلئے عبدالعزیز دراوردی اور یحییٰ قطان کی روایت متابع ہیں حالانکہ ان دونوں کی روایات امام مالک کی روایت سے مضمون کے لحاظ سے مختلف ہیں جیسا کہ ابھی گزرا تو پھر یہ روایات اس کے لئے متابع کیسے ہیں؟

ثانیاً: اگر تسلیم بھی کر لیں کہ یہ دونوں روایتیں امام مالک کی روایت کیلئے متابع ہیں اور امام مالک کی روایت کی طرف علامہ ابن عبدالبرؒ کا وہم کی نسبت کرنا غلط ہے تو پھر بھی ان کا اس روایت پر وہم کا حکم لگانا صحیح ہے کیونکہ غیر مقلدین کے ایک بہت بڑے عالم مولانا محمد گوندلوی صاحبؒ نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی محدث کسی حدیث پر بہ سبب مخالفت بقیہ احادیث کے وہم کا یقین کرلے لیکن نسبت وہم میں غلطی بھی کر لے تو بھی وہم کا حکم صحیح ہوگا۔ دیکھئے التحقیق الراسخ (ص ۱۲) اور چونکہ علامہ ابن عبدالبرؒ (جن کا محدث ہونا غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے) نے اس حدیث پر بہ سبب مخالفت بقیہ احادیث کے وہم کا حکم لگایا ہے لھذا اگر ان سے وہم کی نسبت میں غلطی بھی ہوگئی ہے تو پھر بھی بقول مولانا محمد گوندھلوی مرحوم ان کا اس حدیث پر وہم کا حکم لگانا صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔ [1] التحقیق الراسخ (ص ۱۲)

اس کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ اولاً گیارہ پر عمل ہوا پھر معاملہ بیس پر مقرر ہو گیا [1]۔

امام بیہقیؒ کے علاوہ علامہ زرقانیؒ، علامہ عینیؒ، علامہ باجی مالکیؒ، علامہ سیوطیؒ، حافظ ابن تیمیہؒ، علامہ شوکانیؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ نیمویؒ وغیرہم مشاہیر علمائے کرام نے بھی اسی تطبیق کو اختیار کیا ہے [2]۔

اب مذکورہ علمائے کرام کی ذکر کردہ تطبیق کی وجہ سے اس روایت پر عمل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ منسوخ روایت نا قابل عمل ہوتی ہے۔

(۵) اس روایت کے بنیادی راوی امام مالکؒ کا اپنا عمل بھی اس روایت کے خلاف ہے کیونکہ حصہ اول میں تفصیل سے گزر چکا ہے کہ امام مالک کا مذہب بیس یا چھتیس رکعات کا ہے۔

(٦) اس روایت کے مرکزی راوی حضرت سائب رضی اللہ عنہ بن یزید کا اپنا عمل اس روایت کے خلاف ہے کیونکہ حصہ اول میں صحیح السند روایت سے ان کا اپنا عمل گزر چکا کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کے زمانہ خلافت میں بیس رکعات کے ساتھ قیام کرتے تھے۔

(۷) حضرت ابی رضی اللہ عنہ بن کعب (جن کو اس روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح پڑھانے کا حکم فرمایا) کا اپنا عمل بھی اس روایت کے خلاف ہے کیونکہ وہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے جیسا کہ ان کی روایات حصہ اول میں گزر چکی ہیں۔ نیز غیر مقلدین کے مسلمہ امام شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: فلما جمعهم عمر رضی اللہ عنہ علی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کان يصلی بهم عشرين ركعة ثم يوتر بثلاث [3]۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی امامت پر جمع کیا تو وہ ان کو بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھاتے تھے۔

بنابریں اس روایت کے تینوں راویوں کا عمل اپنی مروی روایت کے خلاف ہے حالانکہ اگر کسی روایت کے ایک راوی کا عمل بھی اپنی مروی روایت کے خلاف ثابت ہو جائے تو وہ روایت نا قابل عمل ہوتی ہے۔ اور یہ قاعدہ خود علمائے غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے۔ چنانچہ بزرگ غیر مقلد عالم مولانا ابراہیم سیالکوٹی

---

[1] رسالہ تراویح مع ینابیع (ص۴۰) [2] تعداد تراویح (ص۱۶۵) از: مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب غیر مقلد وانوار المصابیح (ص۲۳۳) از: مولانا نذیر رحمانی غیر مقلد [3] مجموعۃ الفتاوی (۵۲۰/۱۱)

صاحب لکھتے ہیں: اگر راوی کا عمل اس کی روایت کے خلاف ہو تو اس کی روایت قابل عمل نہ ہوگی [1]۔

نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ومخالفت راوی از مروی دلیل است بر آنکہ راوی علم ناسخ دارد چہ حمل آں بر سلامت واجب است [2]۔

راوی کا اپنی مروی روایت کے خلاف عمل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ راوی اس روایت کو منسوخ کر دینے والی روایت کا علم رکھتا ہے کیونکہ اس کو راوی کی عدالت کو سلامتی پر محمول کرنا واجب ہے۔

مولانا محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد ایک روایت کو نا قابل عمل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس ﷺ کا خود اپنی مروی عنہ کے خلاف کرنا، اس کے صاف معنی یہی ہیں کہ یہ روایت قبل مشروعیت کی ہے [3]۔

نیز گوندلوی صاحب ایک اور روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: اسی طرح مجاہد جسے آپ ابن عمر ﷺ کے فعل عدم رفع کا ناقل بتاتے ہیں، خود اس کا عمل اس کے مروی عنہ کے خلاف ہے۔ یہ ضرور بتلاتا ہے کہ یہ روایت اس کے نزدیک معمول بہ نہیں [4]۔

ان اقتباسات سے ثابت ہوگیا کہ روایت کے کسی ایک راوی کا عمل بھی اپنی مروی روایت کے خلاف ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ روایت قابل عمل نہیں جبکہ اس مذکورہ روایت کے تینوں راویوں کا عمل اپنی مروی روایت کے خلاف ہے تو پھر یہ روایت معمول بہ کیسے بن سکتی ہے؟

﴿۸﴾ حضرت عمر ﷺ سے جس طرح گیارہ رکعات نقل کی جاتی ہیں اسی طرح ان سے بیس رکعات کی روایات بھی صحیح اسناد کے ساتھ ثابت ہیں اور بیس والی روایات گیارہ والی روایات پر کئی وجوہ سے راجح ہیں۔ مثلاً

اوّلاً: ۔بیس رکعات والی روایات بہ نسبت گیارہ والی روایات کے زیادہ اور کثیر ہیں۔

ثانیاً: ۔بیس والی روایات اجماع صحابہ ﷺ اور تعامل امت سے مؤید ہیں جبکہ گیارہ والی روایات نہ تو اجماع صحابہ ﷺ سے مؤید ہیں اور نہ ہی تعامل امت سے۔

---

[1] انارۃ المصابیح (ص۲۹) بحوالہ التوضیح عن رکعات التراویح (ص۱۶۶) [2] دلیل الطالب (ص۷۹۶)

[3] التحقیق الراسخ (ص۱۳۲) [4] ایضاً (ص۱۷۰)

ثالثاً:۔ تمام بڑے بڑے محدثین اور ائمہ کبار مثلاً امام شافعیؒ، امام نوویؒ، علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ، حافظ ابن تیمیہؒ وغیرہم اور علمائے غیر مقلدین میں سے نواب صدیق حسن خانؒ اور مولانا میاں غلام رسولؒ وغیرہما نے بھی گیارہ والی روایات کے مقابلے میں بیس رکعات والی روایات کو ترجیح دی ہے۔ مذکورہ علماء کی یہ عبارات مقدمہ میں گزر چکی ہیں، لیکن کسی محدث سے یہ ثابت نہیں کہ اس نے بیس والی روایات کے مقابلے میں گیارہ والی روایات کو ترجیح دی ہو۔

رابعاً:۔ مولانا میاں غلام رسول صاحبؒ غیر مقلد نے مذکورہ گیارہ والی روایات کے مقابلے میں بیس والی روایات کی ایک وجہ ترجیح یہ بھی بیان کی ہے کہ: یہ حدیث صحت اور قوت میں مؤطا کی (گیارہ رکعات والی) حدیث سے زیادہ بڑی ہوئی ہے کیونکہ اس میں زیادت ہے (جو اصول حدیث کے لحاظ سے واجب القبول ہے)[1]

ان مذکورہ بالا وجوہ ترجیح کی بناء پر بیس رکعات والی روایات گیارہ رکعات والی روایات پر راجح ہیں۔ لھذا یہی قابل عمل ہیں۔

﴿۹﴾ مذکورہ بالا روایت میں گیارہ رکعات کا ذکر ہے اور یہ غیر مقلدین کے دعوی کے خلاف ہے کیونکہ ان گیارہ رکعات میں اگر ایک رکعات وتر کی شمار کی جائے، جیسا کہ غیر مقلدین کا عمل ہے تو پھر تراویح کی دس رکعات ہو جائیں گی حالانکہ غیر مقلدین صرف آٹھ تراویح کی سنیت کے قائل ہیں اور اگر گیارہ رکعات میں آٹھ رکعات تراویح اور تین رکعتیں وتر کی شمار کی جائیں تو یہ بھی غیر مقلدین کے موقف کے خلاف ہے کیونکہ یہ تین وتر کی بجائے صرف ایک رکعت وتر کی پڑھتے ہیں۔ الغرض دونوں صورتوں میں یہ روایت غیر مقلدین کے مدعیٰ کے مخالف ہے۔

﴿۱۰﴾ احتیاط بھی بیس رکعات والی روایات پر عمل کرنے میں ہیں کیونکہ بیس رکعات ادا کرنے سے آٹھ رکعات پر خود بخود عمل ہو جاتا ہے کہ آٹھ بھی بیس میں داخل اور شامل ہیں لیکن اس کے برخلاف آٹھ تراویح کے پڑھنے سے بیس رکعات والی روایات پر عمل نہ کرنا لازم آتا ہے۔ اس لئے احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے

۱۔ دیکھئے رسالہ تراویح (ص۳۴)

کہ آٹھ رکعات کی بجائے بیس رکعات تراویح ادا کی جائیں۔ تلك عشرة كاملة

غیر مقلدین کی دلیل نمبر ۵:۔

حضرت سائب رضی اللہ عنہ بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے زمانہ میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔ سنن سعید بن منصور

الجواب ۔ اس روایت میں صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں گیارہ رکعات کے پڑھے جانے کا ذکر ہے، اس میں نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تصریح ہے اور نہ ان کا اپنا عمل مذکور ہے اور جب تک روایت میں خلیفہ راشد کا حکم یا ان کا عمل ذکر نہ ہو اس وقت تک غیر مقلدین اس روایت کو حجت ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ چنانچہ حافظ عبداللہ صاحب غازیپوری حضرت یزید بن رومان کی روایت (جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعات پڑھے جانے کا ذکر ہے) کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: اس میں اس امر کی تصریح نہیں کہ جو لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے وہ بحکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ پڑھتے تھے [1]۔

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: ابن ابی ذہب رضی اللہ عنہ کی روایت تو فاروقی حکم سے یکسر خالی ہے۔ لھذا موضوع سے خارج ہے [2]۔

مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب لکھتے ہیں: جس قدر آثار ذکر کئے گئے ہیں، ان میں صرف یہی بتایا گیا ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت پڑھتے تھے تو ظاہر بات ہے کہ اتنے سے لوگوں کے عہد فاروقی میں بیس پڑھنے سے بیس رکعات کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہونا لازم نہیں آتا [3]۔
مولانا نذیر رحمانی صاحب لکھتے ہیں: سنن کبریٰ اور معرفۃ السنن کی جن روایتوں کو (کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے) حنفی مذہب کی دلیل میں پیش کیا گیا ہے کہ: ان میں تو "على عهد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ" اور "في زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ" سے زیادہ کچھ نہیں ہے نہ کسی شہر کا ذکر ہے اور نہ کسی مسجد کا [4]۔

---

[1] رکعات تراویح (ص ۱۹) [2] تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۷۰) [3] تعداد تراویح (ص ۶۲)
[4] انوار المصابیح (ص ۲۳۱)

ان مذکورہ بالا علمائے غیر مقلدین کے اقتباسات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ روایت میں جب تک حضرت عمرؓ کے حکم یا عمل کا ذکر نہ ہو وہ روایت موضوع سے خارج اور نا قابل حجت ہے اور چونکہ مذکورہ روایت میں بھی حضرت عمرؓ کے حکم اور ان کے اپنے عمل کی کوئی تصریح نہیں ہے۔ لھذا غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں یہ روایت بالکل نا قابل احتجاج اور موضوع سے خارج ہے۔

جواب ثانی:۔ اس روایت سے استدلال باطل ہے کیونکہ اس روایت کے مرکزی راوی عبد العزیز بن محمد الدراوردی پر ائمہ حدیث نے ایسی جرحیں کی ہیں جن کی وجہ سے خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی اس کی حدیث سے احتجاج جائز نہیں ہے۔ چنانچہ (۱) امام احمد بن زبیرؒ فرماتے ہیں: لیس بشیء کہ یہ کچھ نہیں ہے۔ (۲) امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ: لیس بالقوی یہ روایت حدیث میں مضبوط نہیں ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ اس کی احادیث عبید اللہ عمری سے منکر ہیں۔

(۳) امام محمد بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ: یہ ویسے تو ثقہ اور کثیر الحدیث ہے لیکن روایت حدیث میں غلطیاں کرتا ہے۔ (۴) امام ابن حبانؒ کتاب الثقات میں اس کو خطا کار بتلا تے ہیں۔ (۵) امام ابو حاتم فرماتے ہیں: لا یحتج بہ کہ یہ قابل حجت نہیں ہے [۱]۔ (۶) حافظ ابن حجر عسقلانی اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: یہ صدوق ہے لیکن دوسرے محدثین کی کتابوں سے احادیث نقل کرنے میں غلطیاں کرتا تھا [۲]۔

(۷) امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ: لیس بشیء یہ روایت حدیث میں کچھ نہیں ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ جب یہ زبانی روایت بیان کرتا ہے تو وہم کر جاتا ہے اور باطل روایات نقل کرتا ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ یہ لوگوں کی کتابوں سے احادیث نقل کرنے میں خطا اور وہم کر جاتا ہے۔

(۸) امام سعد بن سعیدؒ فرماتے ہیں: فیہ لین۔ یہ روایت حدیث میں کمزور ہے [۳]۔

(۹) امام ساجیؒ فرماتے ہیں کہ: یہ اگر چہ سچے اور امانت دار لوگوں میں سے ہے لیکن کثیر الوہم ہے [۴]۔

مولانا ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں کہ: کثیر الوہم جرح مفسر ہے [۵]۔

---

[۱] تھذیب الکمال (۱۱/ ۵۲۷، ۵۲۸)، تھذیب التھذیب (۶/ ۳۵۲، ۳۵۳) الجرح التعدیل (   )

[۲] تقریب التھذیب (۱/ ۲۰۷) [۳] میزان الاعتدال (۲/ ۶۳۳، ۶۳۴)، الکاشف (۲/ ۱۷۸) تھذیب (۶/ ۳۵۳)

[۴] ایضاً [۵] دیکھئے توضیح الکلام (۱/ ۴۷۹)

حافظ زبیرعلی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: جس شخص کی روایات میں خطا اوہام زیادہ ہوں تو اس کی حدیث ترک کردی جاتی ہے ۱۔ (۱۰) مشہور محدث اور امام الرجال حضرت ابوزرعہ کی تعریف میں مولانا نذیر رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں: وہ ابوزرعہ جن کی خصوصیات اور کمال فن کو حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التھذیب میں تقریباً تین صفحے میں ذکر کیا ہے۔ سب سے پہلا لفظ یہ ہے ابوزرعة الرازی احد الائمة الحفاظ۔ الخ ۲ حافظ زبیرعلی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں: امام ابوزرعہ تو انتہائی معتدل اور علل حدیث کے مسلم استاد تسلیم کیے جاتے ہیں ۳۔ یہ ابوزرعہ غیر مقلدین کے انتہائی ممدوح امام فرماتے ہیں کہ: عبدالعزیز دراوردی سیء الحفظ (برے حافظے والا) راوی ہے اور بسا اوقات اپنے حافظہ سے کچھ بیان کرتا ہے تو غلطی کر جاتا ہے ۴۔ مولانا سلطان محمود صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: کاذب، سیء الحفظ وغیرہ جرح مفسر ہے ۵۔ مولانا محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: سوء حفظ، الحاق، وضع سب جرحیں مفسر ہیں ۶۔ مولانا ارشاد الحق اثری اور مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب بھی سیئی الحفظ کو جرح مفسر کہتے ہیں ۷۔ اور عیسیٰ بن جاریہ کے تذکرہ میں علمائے غیر مقلدین کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ جرح مفسر تعدیل پر مقدم ہوتی ہے اگرچہ تعدیل کرنے والے زیادہ ہوں۔ اور چونکہ خود غیر مقلدین کے نزدیک عبدالعزیز دراوردی قابل ترک راوی ہے اور اس پر جرح مفسر کی گئی ہے۔ لھذا اس کی مذکورہ بالا حدیث ضعیف ٹھہری اور شیخ عبدالروف غیر مقلد کے نزدیک تو دراوردی کی روایت تو معتبر ہی نہیں ہے۔ چنانچہ وہ اس کی ایک روایت کے متعلق لکھتے ہیں: اور دراوردی غلطیاں کرتے ہیں جیسا کہ ابن سعد، ابوزرعہ اور ابن حبان وغیرہ نے کہا ہے۔ لھذا ان کا اس حدیث کو مرفوعاً روایت کرنا معتبر نہیں ۸۔

اعتراض: حافظ زبیرعلی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: عبدالعزیز صحاح ستہ کا راوی ہے اور جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق ہے۔ اس کی عبیداللہ العمری سے روایت پر جرح ہے اور ہماری پیش کردہ روایت عبیداللہ سے نہیں ۹۔

---

۱ نور العینین (ص۶۳) ۲ انوار المصابیح (ص۱۳۶) ۳ نور العینین (ص۱۲۸) ۴ تھذیب التھذیب (۶/۳۵۳) ۵ اصطلاحات المحدثین (ص۲۰) ۶ التحقیق الراسخ (ص۱۱۴) ۷ دیکھیے توضیح الکلام (۲/۶۳۰)، ابکار المنن (ص۱۶۸،۱۶۹) ۸ القول المقبول (ص۵۵۸) طبع رابعہ ۹ تعداد رکعات قیام رمضان (ص۷۰)

جواب:۔ زبیر صاحب کے ذکر کردہ اعتراض کی تینوں شقیں باطل ہیں ہر شق کا جواب نمبروار ملاحظہ کریں۔

(۱) عبدالعزیز دراوردی صحاح ستہ کا راوی نہیں کیونکہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس سے احتجاج نہیں کیا بلکہ اس کی روایت کو مقرون بالغیر یعنی دوسرے ثقہ راوی کی روایت کے ساتھ ملا کر روایت کیا ہے۔ چنانچہ مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ غیر مقلد لکھتے ہیں:

عبدالعزیز بن محمد الدراوردی قد اخرج له مسلم فی صحیحه واحتج به واخرج له البخاری مقرونا بعبد العزیز بن ابی حازم[۱]۔

امام مسلم نے تو اس کی حدیث سے صحیح مسلم میں احتجاج کیا ہے لیکن امام بخاری نے اس کی روایت کو ابن ابی حازم کی روایت کے ساتھ ملا کر روایت کیا۔ گویا صرف دراوردی کی روایت پر اعتماد نہیں کیا۔

اور مولانا نذیر رحمانی صاحب نے تصریح کی ہے کہ ایسے راوی کو بخاری کا راوی نہیں کہتے [۲]۔

مولانا مبارکپوری صاحب نے بھی دراوردیؒ کو بخاری کا راوی شمار نہیں کیا۔ چنانچہ وہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں: قد احتج به مسلم واصحاب السنن [۳]۔ کہ امام مسلم اور اصحاب سنن نے اس سے احتجاج کیا ہے (نہ کہ بخاری نے)

اگر چہ امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں اس کی روایت سے احتجاج کیا ہے لیکن خود علمائے غیر مقلدین کے نزدیک کسی راوی کی روایت سے صحیح مسلم میں احتجاج کیا گیا ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے صحیح مسلم کی روایت کے علاوہ جو بھی روایت کی ہو وہ بھی صحیح ہو۔ چنانچہ عظیم غیر مقلد عالم قاضی شوکانی ایک روایت کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: وفیه عبدالله بن عمر العمری فیه مقال وقد اخرج له مسلم [۴]۔

اس روایت میں عبداللہ بن عمر العمری راوی ہے جس میں کلام ہے اگر چہ امام مسلم نے اس سے (اپنی صحیح میں) تخریج کی ہے۔ معلوم ہوا غیر مقلدین کے نزدیک صرف صحیح مسلم کا راوی ہونے سے

---

[۱] التعلیق المغنی (۱/۳۴۵) [۲] دیکھئے انوار المصابیح (ص ۲۲۰) [۳] ابکار المنن (ص ۲۲۹)

[۴] نیل الاوطار (۳/۳۳۰)

اس کی ہر حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔

(۲) عبدالعزیز دراوردی کو جمہور محدثین نے ثقہ اور صدوق نہیں کہا، صرف چند محدثین نے اس کی توثیق کی ہے اس کے بالمقابل اکثر ائمہ حدیث نے باقرار غیر مقلدین اس پر سخت اور مفسر جرح کی ہے، جیسا کہ بحوالہ گزر چکا ہے۔ اور اگر بالفرض مان ہی لیا جائے کہ اس کی توثیق کرنے والوں کی تعداد اس کے جارحین سے زیادہ ہے لیکن یہ بات تو بہر حال غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے کہ اس پر جرح مفسر کی گئی ہے اور عیسیٰ بن جاریہ کے تذکرہ میں خود علمائے غیر مقلدین کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ جرح مفسر کو توثیق پر ترجیح ہوتی ہے اگر چہ توثیق کرنے والے زیادہ ہوں۔ لھذا عبدالعزیز باصول غیر مقلدین بھی ضعیف ٹھہرے۔

ثانیا:۔ غیر مقلدین عبدالعزیز دراوردی جیسے راوی کے بارے میں عموماً یہ فیصلہ کیا کرتے ہیں کہ جن محدثین نے اس کی توثیق کی ہے وہ اس کی ذات کے اعتبار سے ہے اور جنہوں نے اس کی تضعیف کی ہے وہ اس کے برے حافظہ اور کثرت اوہام کی وجہ سے کی ہے۔ چنانچہ خود معترض زبیر صاحب ایک راوی کے بارے میں لکھتے ہیں: جن لوگوں نے اس کی توثیق کی ہے وہ اس کی ذات کے لحاظ سے ہے مگر برے حافظے اور کثرت اوہام وخطا کی وجہ سے ضعیف ٹھہرا [1]۔ کیا زبیر صاحب سے ہم یہاں بھی ایسے ہی فیصلے کی توقع رکھ سکتے ہیں؟ دیدہ باید!

ع نگاہ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں

(۳) زبیر صاحب کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اس کی عبداللہ العمری کی روایت پر جرح ہے کیونکہ آپ نے ملاحظہ کر لیا ہے کہ امام نسائیؒ کے علاوہ دیگر محدثین نے اس پر مطلق جرح کی ہے۔ اور امام نسائیؒ سے بھی اس پر دو قسم کی جرح منقول ہے ایک مطلق جرح اور ایک عبیداللہ عمری کی روایت کی وجہ سے۔ اب زبیر صاحب کا ان جارحین کی جروحات کو امام نسائی کی ایک جرح پر محمول کرنا بلا دلیل اور محض ہوائی قلعہ فتح کرنا ہے۔

---

[1] نور العینین (ص ۶۲)

دلیل نمبر ۶ :۔ یحییٰ بن سعید القطان حضرت سائب ؓ بن یزید ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر ؓ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب ؓ اور حضرت تمیم داری ؓ کی امامت پر جمع کیا ہے پس وہ دونوں گیارہ رکعات پڑھاتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ)۔

جواب اوّل :۔ یہ روایت بھی سابقہ روایت کی طرح تعداد رکعات کے سلسلہ میں حضرت عمر ؓ کے حکم یا عمل سے خالی ہے۔ کیونکہ اس روایت میں صرف یہی ہے کہ حضرت عمر ؓ نے لوگوں کو حضرت ابی ؓ اور حضرت تمیم ؓ کی اقتداء پر جمع کیا لیکن اس میں یہ تعین نہیں ہے کہ انہوں نے ہی گیارہ رکعات کی تعداد مقرر فرمائی یا حضرت ابی ؓ اور حضرت تمیم ؓ خود اپنی مرضی سے گیارہ رکعات پڑھاتے تھے۔ جب تک روایت میں حضرت عمر ؓ کا حکم یا ان کے حکم کی تصریح نہ ہو تو وہ غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں ہے [1]۔

جواب ثانی :۔ اس روایت کے متن میں اضطراب ہے اور اضطراب کی تفصیل یہ ہے کہ اس روایت کو حضرت سائب بن یزید ؓ سے نقل کرنے والے محمد بن یوسف مدنی ہیں جن سے اس روایت کو ان کے پانچ شاگردوں نے بیان کیا ہے: (۱) امام مالک ؒ (۲) عبدالعزیز دراوردی ؒ (۳) یحییٰ بن سعید القطان ؒ

---

[1] مولانا عبدالمنان نورپوری صاحب غیر مقلد اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ درست ہے کہ یحییٰ بن سعید کے بیان میں حضرت عمرؓ کے حکم کا ذکر نہیں مگر اس کے بیان میں حضرت عمر ؓ کے حکم کی نفی بھی تو نہیں۔ تعداد تراویح (ص ۱۴۴) لیکن نورپوری صاحب کا یہ جواب محض دفع وقتی اور راہِ فرار اختیار کرنے کا ایک بہانہ ہے کیونکہ اگر اس روایت میں حضرت عمر ؓ کے حکم کی نفی نہیں تو بیس رکعات والی روایات میں بھی حضرت عمر ؓ کے حکم کی نفی نہیں ہے۔ پھر غیر مقلدین (بشمول نورپوری صاحب) نے ان روایات پر یہ اعتراض کیوں کیا تھا کہ ان روایات میں حضرت عمر ؓ کے حکم کی تصریح نہ ہونے کی وجہ سے یہ ناقابل حجت ہیں۔ اب غیر مقلدین کے اس دوغلہ پن کو تجاہل عارفانہ کہا جائے یا پھر تعصب مذہبی کا شاخسانہ قرار دیا جائے؟ اس کا فیصلہ کرنا غیر مقلدین کے سر ہے نیز اگر غیر مقلدین کی طرف سے یہ کہا جائے کہ دراودی کی روایت میں حضرت عمر ؓ کے حکم کی اگرچہ تصریح نہیں لیکن مؤطا کی روایت میں ان کے حکم کی تصریح موجود ہے اس کے جواب میں عرض ہے کہ جناب! بالکل: لیکن یزید بن رومان وغیرہ کی روایات میں بھی اگرچہ حضرت عمر ؓ کے حکم کی تصریح نہیں ہے لیکن بیس والی دیگر روایات میں تو حضرت عمر ؓ کے حکم کی تصریح موجود ہے۔ پھر وہ روایات آپ کے نزدیک کیوں ناقابل حجت ہیں؟۔

ٹھوکریں مت کھایئے چلئے سنبھل کر چال سب چلتے ہیں مگر بندہ پرور دیکھ کر

(۴) محمد بن اسحاقؒ (۵) داؤد بن قیسؒ۔ اور ان پانچوں کی بیان کردہ روایات یوں ہیں:۔

(۱) محمد بن یوسف سے ان کے پہلے شاگرد امام مالک یوں نقل کرتے ہیں: حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں [۱]۔

(۲) دوسرے شاگرد عبدالعزیز یوں نقل کرتے ہیں کہ: حضرت سائبؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے [۲]۔

(۳) تیسرے شاگرد یحییٰ بن القطان بیان کرتے ہیں کہ: حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ پر لوگوں کو جمع فرمایا۔ پس وہ دونوں گیارہ رکعتیں پڑھاتے تھے [۳]۔

(۴) چوتھے شاگرد محمد بن اسحاق اپنے استاد کا بیان یوں نقل کرتے ہیں کہ: حضرت سائبؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان المبارک میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے [۴]۔

(۵) پانچویں شاگرد داؤد بن قیس جو امام عبدالرزاق کے استاذ ہیں، یوں بیان کرتے ہیں کہ: حضرت عمرؓ نے رمضان المبارک میں لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ کی اقتداء میں اکیس رکعت پر جمع کیا تھا [۵]۔

اب محمد بن یوسف کے پانچوں شاگردوں کے بیانات عدد اور کیفیت دونوں اعتبار سے ایک دوسرے سے مخالف ہیں۔

عدد کے اعتبار سے اختلاف یوں ہے کہ پہلے تین شاگرد تو گیارہ رکعات نقل کرتے ہیں اور چوتھے شاگرد محمد اسحاق (جو غیر مقلدین کے نزدیک نہایت ثقہ راوی ہیں) تیرہ رکعت نقل کرتے ہیں [۶]۔

---

[۱] مؤطا مالک (ص ۹۸) [۲] سنن سعید بن منصور بحوالہ الحاوی (۳۴۹/۱) [۳] مصنف ابن ابی شیبہ (۲۸۳/۲) [۴] قیام اللیل بحوالہ التعلیق الحسن (ص ۲۰۳) [۵] مصنف عبدالرزاق (۲۶۰/۴) [۶] بعض غیر مقلدین نے علامہ نیمویؒ کے حوالے سے ابن اسحاق کی روایت کی یہ توجیہ ذکر کی ہے کہ ان تیرہ رکعتوں میں عشاء کی دو رکعات سنت شامل ہیں لیکن یہ توجیہ بلا دلیل اور محض احتمال عقلی پر مبنی ہے اور خود غیر مقلدین حضرات گیارہ اور بیس رکعات والی روایات کے درمیان محدثین کرام (امام بیہقی، علامہ نیموی وغیرہ) کی کی گئی توجیہ کو احتمالی اور بلا دلیل کہہ کر رد کر چکے ہیں۔ چنانچہ حافظ عبدالمنان نور پوری صاحب لکھتے ہیں: حافظ بیہقی، حافظ ابن حجر، علامہ زرقانی، علامہ شوکانی، علامہ عینی، علامہ شوق صاحب نیموی، علامہ باجی اور دیگر =

جبکہ پانچویں شاگرد داؤد بن قیس کی روایت میں اکیس رکعات کا ذکر ہے [1]۔

= مشاہیر علماء کرام رحمہم اللہ کی تحریرات میں بلکہ بندہ نے اپنی ناقص یاداشت کے مطابق گیارہ کا حکم پہلے ہونے اور بعد میں اکیس کردینے کی آج تک کوئی دلیل نہ پڑھی ہے اور نہ کسی سے سنی ہے..... نیز لکھتے ہیں: مذکورہ (علماء کی) تطبیق احتمال پر مبنی ہے۔ تعداد تراویح (ص ۱۶۵، ۱۶۶)۔ مولانا عبداللہ غازیپوری صاحب لکھتے ہیں: اس کا کیا ثبوت ہے کہ گیارہ کا حکم پہلے ہے اور بیس کا پیچھے۔ رکعات تراویح (ص ۲۲)۔ اب قارئین اندازہ لگائیں کہ ان سب بڑے بڑے محدثین کی بیان کردہ تطبیق اور توجیہ تو غیر مقلدین کی نظروں میں بلا دلیل اور احتمالی ہونی کی وجہ سے مردود ہے لیکن علامہ نیمویؒ کی گیارہ اور تیرہ رکعات کے درمیان کی گئی توجیہ مقبول ہوئی حالانکہ علامہ نیموی نے بھی اپنی اس توجیہ پر کوئی دلیل ذکر نہیں کی اور نہ ہی آج تک کوئی غیر مقلد اس کی دلیل پیش کر سکا ہے اور نہ کر سکتا ہے۔

ثانیاً:۔ اس روایت کے راوی محمد بن اسحاق نے خود تیرہ رکعتوں کو اختیار کیا ہے اور اسی عدد کو ترجیح دی ہے۔ فتح الباری (۴/ ۲۰۵) بحوالہ انوار المصابیح (ص ۲۵۲)، عمدۃ القاری (۵/ ۳۵۶) بحوالہ تعداد تراویح (ص ۱۲۸)۔ اب خود اس روایت کا راوی ان تمام تیرہ رکعتوں کو تراویح کی رکعات سمجھ رہا ہے اور اس نے ان تیرہ رکعتوں میں عشاء کی دو سنتوں کو شمار نہیں کیا۔ اور مولانا مبارکپوری صاحب نے لکھا ہے کہ: راوی اپنی مروی روایت کا مطلب دوسروں سے بہتر جانتا ہے۔ تحفۃ الاحوذی (۱/ ۲۵۷)۔ لھذا یہ تاویل کرنا خود بخود باطل ہو گیا کہ ان تیرہ رکعتوں میں عشاء کی دو رکعات سنت شامل ہیں۔

[1] غیر مقلدین نے اس روایت سے جان چھڑانے کیلئے یہ تدبیر اختیار کی کہ اس روایت کو ہی ضعیف قرار دے دیا۔

ع نہ رہے بانس نہ بجے بانسری

چنانچہ زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں: یہ روایت متعدد وجوہ سے مردود ہے: نمبر ۱۔ یہ ثقات کے خلاف ہے لھذا شاذ ہے۔ نمبر ۲۔ مصنف کے اصل نسخہ میں اختلاف ہے: امام سیوطی نے مصنف عبدالرزاق سے گیارہ کا عدد نقل کیا ہے۔ نمبر ۳۔ اس روایت پر حنفیہ و دیوبندیہ کا عمل نہیں ہے۔ نمبر ۴۔ مصنف کا راوی الدبری ضعیف و مصحف ہے، تعداد رکعات قیام رمضان کا جائزہ (ص ۶۸)۔ لیکن زبیر صاحب کی یہ سب تحریر محض رام کہانی ہے۔ ان کی ہر ہر شق کا جواب ملاحظہ ہوں:

نمبر ۱۔ داؤد بن قیس کی روایت شاذ نہیں ہے کیونکہ شاذ روایت (بقول مولانا گوندلوی) وہ ہوتی ہے جس میں ثقہ راوی اوثق کی مخالفت کرے۔ التحقیق الراسخ (ص ۱۰) اور داؤد بن قیس کی روایت دیگر چار راویوں (امام مالک وغیرہ) کی روایتوں کے منافی نہیں بلکہ اس میں زیادتی ہے جو ان کی روایات میں نہیں ہے، یعنی باقی راوی تو گیارہ یا تیرہ رکعتیں نقل کرتے ہیں جب کہ داؤد ان سے زیادہ یعنی اکیس رکعتیں نقل کرتے ہیں اور وہ بالاتفاق ثقہ راوی ہے۔ ایسے راوی کی زیادت خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی مقبول ہے۔ چنانچہ گوندلوی صاحب لکھتے ہیں: زیادتی ثقہ اس وقت مقبول ہوتی ہے جب اس پر کسی محدث نے وہم کا حکم نہ لگایا ہو۔ التحقیق الراسخ (ص ۱۱۱) جس روایت پر علامہ ابن عبدالبرؒ جیسے مُسلّمہ محدث نے وہم کا حکم =

= لگایا ہے وہ روایت تو غیر مقلدین کے نزدیک ثابت نہیں لیکن اس روایت پر ہندوستان میں انگریز کے آنے سے پہلے پہلے کسی نے بھی تنقید نہیں کی وہ روایت غیر مقلدین کی نظر میں ثابت ہو گئی ہے انصاف ہے

(۲) مصنف عبدالرزاق کے کسی نسخہ میں گیارہ کا عدد مذکور نہیں ہے اور زبیر صاحب نے امام سیوطی کی کتاب کا حوالہ نہیں دیا کہ انہوں نے کہاں گیارہ کا عدد نقل کیا ہے۔ زبیر صاحب کے ممدوح مولانا نذیر رحمانی صاحب لکھتے ہیں: ایسی بے حوالہ بات قابل التفات ہی نہیں ہے۔ انوار المصابیح (ص ۲۱۲)۔

ثانیاً: اور اگر مان ہی لیا جائے کہ امام سیوطیؒ نے مصنف عبدالرزاق سے گیارہ کا عدد نقل کیا ہے تو کیا زبیر صاحب اور ان کی تمام پارٹی مصنف کے کسی اصل نسخہ سے یہ روایت گیارہ کے عدد کے ساتھ نکال کر دکھا سکتے ہیں اور اگر نہ دکھا سکیں تو پھر (زبیر صاحب کی اپنی زبان سے) ہم پر امام سیوطی کے نام کا رعب ڈالنے کی کوشش نہ کریں۔ دیکھئے زبیر صاحب کی تعداد قیام رمضان (ص ۷۰،۷۳)۔

ع ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

ثالثاً: بالفرض اگر سیوطیؒ نے مصنف کے حوالہ سے گیارہ کا عدد ذکر کیا ہے تو انہوں نے مؤطا کے حوالہ سے حضرت سائب بن یزید ﷺ کی بیس رکعات والی روایت بھی نقل کی ہے۔ دیکھئے الحاوی للفتاوی (۱/ ۳۳۶) مطبوعہ دار العلمیۃ بیروت۔ اب غیر مقلدین کو چاہیئے کہ وہ مؤطا میں عشرون والا نسخہ بھی تسلیم کرلیں ورنہ وہ مصنف عبدالرزاق کے گیارہ رکعات والے نسخہ سے بھی دستبردار ہو جائیں۔ دیدہ باید!

(۳) زبیر صاحب کے ذکر کردہ اعتراض کی تیسری شق کہ "اس روایت پر حنفیہ دیوبندیہ کا عمل نہیں ہے" نہایت عجیب اور حیرت انگیز ہے۔ کیونکہ احناف کے پاس تو الحمدللہ اپنے موقف کے اثبات میں روایات کثیرہ صحیحہ موجود ہیں۔ پھر احناف کو اس مضطرب روایت سے استدلال کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ البتہ غیر مقلدین کے مذہب کا سارا مدار ایسی مضطرب اور ضعیف روایتوں پر ہے۔ اس لیے ان کو احناف کی بجائے اپنی فکر کرنی چاہیئے۔

(۴) زبیر صاحب کے اعتراض کی چوتھی شق بھی باطل ہے کیونکہ مصنف عبدالرزاق کتب حدیث میں سے ایک معتبر اور مستند کتاب ہے اور خود علمائے غیر مقلدین کو بھی اس کا اقرار ہے۔ چنانچہ زبیر صاحب کے نہایت ممدوح مولانا محمد گوندلوی صاحب نے مصنف عبدالرزاق کو کتب حدیث کے طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے۔ دیکھئے التحقیق الراسخ (ص ۱۸)۔ اور گوندلوی صاحب طبقہ ثالثہ کی احادیث کے بارے میں لکھتے ہیں: وہ لوگ جو ان کی جانچ پڑتال اچھی طرح کرسکیں، ان پر عمل کر سکتے ہیں، ایضاً (ص ۲۰)۔ شروع سے لیکر آج تک علمائے امت مصنف عبدالرزاق کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں اور کبھی کسی نے اس کو غیر معتبر نہیں ٹھہرایا بلکہ غیر مقلدین بھی اس کی احادیث کو اپنے مستدلات میں پیش کرتے ہیں اور ان کو درست =

= مانتے ہیں ۔صرف چند ایسی مثالیں بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

نمبر۱: مولانا ارشاد الحق اثری صاحب مصنف عبدالرزاق (۱۳۹/۲) سے حضرت عمرؓ کے اثر کو استدلال میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ اثر سند کے اعتبار سے صحیح ہے۔توضیح الکلام (۵۲۶/۱)۔مولانا عبدالرؤف سندھو غیر مقلد ایک روایت کے متعلق لکھتے ہیں: امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں سفیان ثوری سے حضرت ابو ہریرہؓ پر موقوف روایت کیا ہے اور ترجیح بھی اسی موقوف کو ہوگی کیونکہ عبدالرزاق ثقہ اور حافظ ہیں ۔القول المقبول (ص ۴۷۳) خود معترض زبیر علی زئی نے بھی مصنف عبدارزاق کی کئی احادیث سے استدلال کیا ہے اور ان کو صحیح قرار دیا۔مثلاً مصنف (۶۹/۲) کی ایک روایت (طاؤس) سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: واسنادہ صحیح ۔نور العینین (ص ۱۲۳)۔اور (۴۶۷/۳) سے حضرت نافع کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: واسنادہ صحیح ۔ایضاً (ص ۸۱)۔اسی طرح (۶۹/۲) سے حضرت وہب بن منبہ کے اثر کو استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔واسناد صحیح داؤد ثقہ۔ایضاً (ص ۱۳۸)۔

اب ہم زبیر صاحب کو انصاف ودیانت (بشرطیکہ ایسی کوئی شے ان میں موجود ہو) کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں کہ اگر مصنف عبدالرزاق کا بنیادی راوی ہی ضعیف و مصحف ہے تو پھر وہ روایات جن سے آپ نے یا آپ کے بڑوں نے استدلال کیا ہے اور صراحتاً ان کو صحیح کہا ہے وہ کس کھاتے میں جائیں گی !

ع بریں عقل ودانش بباید گریست

دوسرا اعتراض:۔اس روایت پر مولانا مبارکپوری صاحب غیر مقلد نے یہ کہا ہے کہ اکیس رکعات کی روایت غیر محفوظ ہے کیونکہ ان الفاظ (اکیس رکعات) کو روایت کرنے میں امام عبدالرزاق منفرد ہیں اور وہ اگر چہ ثقہ اور حافظ ہیں مگر وہ آخر عمر میں نابینا ہوگئے تھے تو ان کا حافظہ متغیر ہوگیا تھا......الخ۔تحفۃ الاحوذی (۷۴/۲) لیکن مبارکپوری صاحب کا یہ نرا وہم ہے کیونکہ امام عبدالرزاق نے اپنی کتاب نابینا ہونے سے پہلے لکھی ہے اور ان کی کتاب کی روایات خود غیر مقلدین کے نزدیک بھی درست ہیں ۔لھذا اگر کتاب لکھنے کے بعد ان کا حافظہ متغیر ہوگیا تھا تو اس سے ان کی کتاب والی روایات پر کیا فرق پڑتا ہے؟ البتہ انہوں نے نابینا ہونے کے بعد جو روایات زبانی بیان کی ہیں ان میں کلام کرنے کی گنجائش ہے لیکن مذکورہ روایت تو ان کی کتاب والی روایات میں سے ہے۔اس لئے غیر مقلدین کا اس روایت پر اعتراض کرنا چہ معنٰی دارد؟ اس کی مزید تفصیل حصہ اول میں گزر چکی ہے۔الغرض غیر مقلدین کے اس روایت پر جتنے اعتراضات ہیں وہ سب باطل ہیں اور یہ روایت محمد بن یوسف کے دیگر چار شاگردوں کی روایات سے صحت میں کم نہیں۔

یہ اختلاف تو ان پانچوں کی روایتوں میں عدد کے اعتبار سے تھا۔ اب اس میں کیفیت کے لحاظ سے جو اختلاف ہے وہ ملاحظہ کریں: ۔ امام مالکؒ کی روایت میں حضرت عمرؓ کے حکم کا ذکر ہے کہ انہوں نے حضرت ابیؓ اور حضرت تمیمؓ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم فرمایا تھا لیکن عمل کیا ہوا؟ اس کا روایت میں کوئی تذکرہ نہیں ہے اور علامہ امیر یمانی صاحب غیر مقلد کا بیان پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے کئی مسائل میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے [1]۔

اس لئے ممکن ہے کہ صحابہ کرامؓ گیارہ سے زائد رکعات پڑھتے ہوں جیسا کہ دیگر روایات سے پتہ چلتا ہے...... بلکہ مولانا نذیر رحمانی صاحب غیر مقلد نے یہاں تک لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو گیارہ رکعات کا حکم دیا تھا وہ وجوبی نہیں تھا اور اختلاف کی گنجائش خود خلیفہ ہی کی طرف سے موجود تھی۔ اس لئے (جو لوگ بیس وغیرہ رکعات پڑھتے تھے) ان کے حکم کی خلاف ورزی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا [2]۔

بنابریں اس روایت میں صرف حضرت عمرؓ کا حکم مذکور ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے اس حکم پر عمل بھی ہوا ہے تاکہ گیارہ رکعات کو حضرت عمرؓ کی سنت قرار دیا جائے۔

دوسرے راوی حضرت یحییٰ قطانؒ کی روایت امام مالک کی روایت سے بالکل مختلف ہے۔

کیونکہ امام مالک کی روایت میں تو حضرت عمرؓ کا ابیؓ بن کعب اور تمیم داریؓ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم مذکور ہے جبکہ یحییٰ کی روایت میں حضرت عمرؓ کے حکم کا کوئی ذکر نہیں بلکہ اس میں حضرت ابیؓ اور حضرت تمیمؓ کا اپنا عمل مذکور ہے کہ وہ گیارہ رکعات پڑھاتے تھے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ غیر مقلدین ان دونوں باتوں میں فرق کرتے ہیں کہ جس روایت میں حضرت عمرؓ کے حکم کی تصریح ہو اس کو حجت مانتے ہیں اور جس روایت میں ان کا حکم مذکور نہ ہو اس کو حجت نہیں مانتے۔ اب امام مالکؒ اور حضرت یحییٰؒ دونوں ایک ہی استاد سے روایت بیان کر رہے ہیں لیکن دونوں کے بیان کی تعبیر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ تو ان دونوں کی روایتوں کا آپس میں اختلاف تھا جب کہ ان کے تیسرے ساتھی عبدالعزیز دراوردیؒ کی روایت ان دونوں سے مختلف ہے کیونکہ اس کی روایت میں نہ تو حضرت عمرؓ کے

---

[1] سبل السلام (۱۵/۲) [2] انوار المصابیح (ص ۲۳۲)

حکم کا ذکر ہے اور نہ ہی حضرت ابی ﷜ اور حضرت تمیم ﷜ کی امامت کا کوئی تذکرہ ہے بلکہ اس میں حضرت سائب ﷜ کا اپنا بیان مذکور ہے کہ ہم گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔ اب اندازہ لگائیں کہ محمد بن یوسف کے یہ تینوں شاگرد گیارہ کے عدد پر متفق ہونے کے باوجود اپنے بیانات کی تعبیر میں باہم کتنے مختلف ہیں جبکہ ان کے چوتھے اور پانچویں ساتھی محمد بن اسحاقؒ اور داؤد بن قیسؒ کی روایتیں تو ان تینوں کی روایتوں سے عدد اور کیفیت دونوں اعتبار سے مختلف ہیں۔ محمد اسحاق کی روایت میں ہے کہ ہم تیرہ رکعات پڑھتے تھے جبکہ داؤدؒ کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر ﷜ نے لوگوں کو حضرت ابی ﷜ اور تمیم ﷜ کی اقتداء میں اکیس رکعت پر جمع کیا تھا۔ روایت میں ایسے ہی اختلاف کو اضطراب کہا جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب حافظ ابن الصلاح کے حوالہ سے لکھتے ہیں: مضطرب حدیث وہ ہے جس میں روایت مختلف ہو جائے چنانچہ کوئی اسے ایک طرح سے روایت کرے اور کوئی دوسرے طریقہ سے جو پہلے کے مخالف ہو [1]۔ اور مضطرب روایت قابل احتجاج نہیں ہے [2]۔ اب محمد بن یوسف کے شاگردوں کے بیانات میں اس قدر اختلافات کے باوجود اگر محمد بن یوسفؒ کی روایت کو مضطرب نہ قرار دیا جائے جیسا کہ غیر مقلدین حضرات کی رائے ہے تو پھر اس روایت پر عمل کرنے کیلئے دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ یا تو ان پانچوں طُرق میں سے کسی ایک طریق کو ترجیح دی جائے یا پھر ان سب میں تطبیق کا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے اور یہ دونوں صورتیں غیر مقلدین کے مدّعیٰ کے خلاف ہیں۔ چنانچہ مشہور محدث علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ نے یہ دونوں صورتیں اختیار کی ہیں۔ انھوں نے گیارہ، تیرہ اور اکیس والی روایات میں اکیس کے عدد کو ترجیح دی ہے اور گیارہ رکعت والی روایت کو وہم قرار دیا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی تطبیق بتلائی ہے کہ ممکن ہے حضرت عمر ﷜ نے پہلے گیارہ رکعات کا حکم دیا ہو اور پھر گیارہ کی بجائے اکیس رکعات کر دی گئی ہوں [3]۔

علامہ زرقانی نے بھی اس تطبیق کو پسند کیا ہے [4]۔ ان ائمہ حدیث اور ماہرین فن کی تطبیق کے مقابلہ میں بعض غیر مقلدین (مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری، مولانا عبداللہ غازی پوری، حافظ عبدالمنان وغیرہ نے ان روایات میں تطبیق کی یہ صورت ذکر کی ہے کہ پہلے اکیس پر عمل ہوتا رہا اور پھر آخر میں گیارہ

---

[1] تعداد تراویح (ص ۱۴۹) بحوالہ علوم الحدیث (۸۴) [2] تحقیق الکلام (۲/۷) [3] زرقانی شرح موطا (۱/۲۳۹)

[4] ایضاً

رکعتیں کردی گئیں ۔[1] لیکن محدثین کرام اور ماہرین فن کے مقابلہ میں مبارکپوری صاحب وغیرہ غیر مقلدین کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ ان بوؤں کی حیثیت محدثین کے مقابلہ میں محض اناڑی کی ہے اور اناڑی کے مقابلہ میں ماہرفن کی بات کو ہمیشہ ترجیح ہوتی ہے۔ چنانچہ مولانا نذیر رحمانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ماہرفن کی بات مانی جائے اناڑی کی کون سنتا ہے ۔[2] لھذا محدثین کرام کی تطبیق یا ترجیح کے مقابلے میں غیر مقلدین کی بات کو کچھ بھی وقعت نہیں دی جاسکتی۔ الحاصل محمد بن یوسف کی روایت کے پانچوں طرق کو مضطرب قرار دیا جائے یا ان میں تطبیق یا ترجیح دی جائے، جو بھی طریقہ محدثین کرام کے اصولوں کی روشنی میں اختیار کیا جائے، اس سے غیر مقلدین اپنا (گیارہ رکعات کی مسنونیت کا) دعوی ہرگز ثابت نہیں کر سکتے۔ لھذا یہ روایت غیر مقلدین کیلئے حجت نہیں ہے۔

یہ ساری تفصیل تو محمد بن یوسف عن السائب ﷺ بن یزید ﷺ کی روایت کے پانچوں طرق کے متعلق تھی لیکن اگر اس کے ساتھ یزید بن خصیفہ جو حضرت سائبؓ کے دوسرے شاگرد اور محمد بن یوسف کے ہم استاذ ساتھی ہیں، کی روایت کو سامنے رکھا جائے تو پھر لامحالہ محمد بن یوسف کی روایت کے مقابلہ میں یزید بن خصیفہ کی روایت کو ترجیح ہوگی کیونکہ محمد بن یوسف کی روایت میں ان کے پانچوں شاگردوں کے بیانات میں شدید اختلافات ہیں جس کی تفصیل آپ ملاحظہ کر چکے ہیں جبکہ یزید بن خصیفہ کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت یزید بن خصیفہ سے ان کے تینوں شاگرد (ابن ابی ذہب، محمد بن جعفر اور امام مالک) متفق اللفظ ہو کر نقل کرتے ہیں کہ: صحابہ کرام ﷺ حضرت عمر ﷺ کے دور خلافت میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے۔ حضرت سائب ﷺ بن یزید ﷺ کے تیسرے شاگرد اور محمد بن یوسف اور یزید بن خصیفہ کے ساتھی حارث بن عبدالرحمن بن ابی ذبابؒ کی روایت بھی یزید بن خصیفہ کی روایت کے مؤید ہے۔ کیونکہ اس میں بھی حضرت عمر ﷺ کے زمانہ میں بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر کے پڑھے جانے کا ذکر ہے ۔[3] لھذا غیر مقلدین کا یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبدالرحمن کی بے بنیاد اور غیر مضطرب روایات

---

[1] دیکھئے تحفۃ الاحوذی (۲/ ۷۶۸)، رکعات تراویح (ص ۲۳)، تعداد تراویح (ص ۲۸) [2] انوار المصابیح (ص ۱۳۶)

[3] اشکال: بعض غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اگر محمد بن یوسف کی روایت ان کے شاگردوں کے مختلف بیانات ہونے کی وجہ سے مضطرب ہے تو پھر یزید بن خصیفہ کی روایت بھی مضطرب ہے کیونکہ ان کے شاگردوں کے بیانات میں بھی

= اختلاف ہے چنانچہ یزید کے پہلے شاگرد ابن ابی ذئب کا بیان ہے کہ: حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں: لوگ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیس رکعات پڑھتے تھے۔ دوسرے شاگرد محمد بن جعفر کی روایت میں ہے کہ: حضرت سائبؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے۔ اب پہلے کی روایت میں حضرت سائبؓ اپنے عمل کی بجائے دوسرے لوگوں کا عمل نقل کر رہے ہیں جبکہ یزید کے دوسرے شاگرد محمد بن جعفر کی روایت میں حضرت سائبؓ اپنا عمل ذکر کر رہے ہیں۔ اسی طرح ابن ابی ذئب کی روایت وتر کے ذکر سے ساکت ہے جبکہ محمد بن جعفر کی روایت میں وتر کا بھی ذکر ہے (اسی طرح یزید بن خصیفہ کے ساتھی حارث بن عبدالرحمٰن کی روایت میں بھی تین رکعت وتر کا ذکر ہے)۔ نیز ابن ابی ذئب کی روایت میں ایک زائد جملہ ہے کہ: لوگ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں شدت قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے'' لیکن یزید کے دوسرے شاگرد محمد بن جعفر اور یزید کے ہم استاذ حارث بن عبدالرحمٰن کی روایتوں میں نہ تو عہد عثمان کا ذکر ہے اور نہ ہی کیفیت ادا کا۔ لھذا بیس رکعت والی روایت بھی مضطرب ٹھہری۔ محصلہ انوار المصابیح (ص ۲۴۵، ۲۴۶)، تعداد تراویح (ص ۱۵۲)۔ لیکن غیر مقلدین کا یہ اشکال بالکل بے اصل ہے اور محض گیارہ رکعات والی مضطرب روایت کو بچانے کیلئے ایک غیر مقلدانہ حیلہ ہے۔ کیونکہ محمد بن یوسف کی گیارہ رکعات والی روایت میں جو اختلاف ہے اور یزید بن خصیفہ کی بیس والی روایت میں جو (ظاہری) اختلاف ہے، ان دونوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہے اس لیے کہ محمد بن یوسف کے شاگردوں کے بیانات میں جو اختلاف ہے وہ اختلاف معارضہ اور منافات کے قبیل سے ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا بیان دوسرے سے بالکل مختلف اور دوسرے کے بیان کے منافی ہے حتی کہ پانچوں شاگرد رکعات تراویح کے عدد پر بھی باہم متفق نہیں ہیں، کوئی ان میں سے گیارہ رکعات نقل کرتا ہے، کوئی تیرہ رکعات اور کوئی اکیس رکعات نقل کر رہا ہے۔ اسی طرح ان میں کوئی تو حضرت عمرؓ کا حکم نقل کر رہا ہے کوئی حضرت عمرؓ کے حکم کی بجائے حضرت ابیؓ اور حضرت تمیمؓ کی امامت کا تذکرہ کر رہا ہے، اور کوئی حضرت عمرؓ کے دور میں گیارہ یا تیرہ رکعات پڑھنے کا ذکر کر رہا ہے روایات میں ایسے ہی اختلاف کو اصول حدیث کی رو سے اضطراب کہا جاتا ہے۔ اس کے بالمقابل یزید بن خصیفہ کے شاگردوں کی روایات میں اختلاف کی یہ نوعیت نہیں بلکہ ان کے سب شاگرد بیس رکعات کے عدد پر باہم متفق ہیں۔ باقی ان کے بیانات کی تعبیر میں جو معمولی سا اختلاف ہے تو وہ اختلاف حقیقی نہیں بلکہ ظاہری ہے جس کو اضطراب نہیں کہا جاتا۔ مثلاً یزید کے شاگرد ابن ابی ذئب کی روایت کے الفاظ ہیں: کانوا یقومون علی عھد عمر بن الخطابؓ فی شھر رمضان بعشرین رکعة الخ۔ اور محمد بن جعفر کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ: کنانقوم فی زمان عمر بن الخطاب بعشرین رکعة ... الخ۔ اب دونوں کی روایتوں کا مفہوم ایک ہے کیونکہ کانوایقومون کا مصداق بھی صحابہ کرامؓ اور کبار تابعین ہیں اور کنانقوم کا مصداق بھی صحابہ کرامؓ =

کے مقابلے میں محمد بن یوسف کی مضطرب روایت کو ترجیح دینا صریح زیادتی اور انصاف و دیانت سے بھی کوسوں دور ہے بالخصوص جب کہ یزید بن خصیفہ اور حارث کی روایات کی تائید حضرت عمرؓ کے عہد سے

= اور آیار تابعین ہیں۔ اب ان دونوں کے بیانوں میں کیا فرق ہو سکتا ہے؟

اگر محمد بن جعفر کے بیان میں وتر کا ذکر زائد ہے جس سے ابن ابی ذئبؒ کی روایت ساکت ہے۔ اسی طرح ابن ابی ذئبؒ کی روایت میں حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں تراویح پڑھے جانے کی کیفیت مذکور ہے جس کا محمد بن جعفر کی روایت میں کوئی ذکر نہیں ہے تو یہ ان دونوں کی روایتیں محمد بن یوسف کے شاگردوں کی روایات کی طرح باہم ایک دوسرے سے معارض اور منافی نہیں کہ ان کو مضطرب قرار دیا جائے بلکہ ان دونوں میں جو معمولی فرق ہے وہ صرف ''بیان اور سکوت'' کا فرق ہے کہ ایک کی روایت میں ایک چیز کا ذکر ہے جس سے دوسرے کی روایت میں سکوت ہے۔ مولانا نذیر رحمانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: سکوت اور بیان میں کوئی منافات اور معارضہ نہیں ہے۔ انوار المصابیح (ص ۲۴۷)۔ غیر مقلدین کے استاذ العلماء اور محدث اعظم حافظ گوندلوی صاحبؒ لکھتے ہیں: ایسا ہو ہی جاتا ہے کہ ایک چیز کا بعض طرق میں ذکر ہوتا ہے اور بعض میں نہیں تو ایسے راوی کے ثقہ ہونے کی صورت میں روایت کا ضعف لازم نہیں آتا۔ التحقیق الراسخ (ص ۸۲)۔

نیز لکھتے ہیں: محدثین کے ہاں مسلمہ ہے کہ ایک روایت میں ایک چیز کا عدم ذکر اس سے دوسرے طریق میں آ جائے تو معمول بہ ہوگی۔ ایضاً (ص ۸۴)۔ لھذا غیر مقلدین کا یزید بن خصیفہ کے شاگردوں کے بیانات میں اپنی طرف سے فرضی اختلافات بنا کر اس کو مضطرب کہنا باطل ہے اور ان کا محمد بن یوسف کی مضطرب روایت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ یہ تفصیل تو یزید بن خصیفہ کے شاگردوں کی روایت کے متعلق تھی۔ اس کے ساتھ یزید بن خصیفہ کے ہم استاذ حارث بن عبدالرحمٰن کی روایت ملاحظہ کریں۔ چنانچہ حارث اپنے استاد حضرت سائب کا بیان یوں نقل کرتے ہیں کہ: حضرت عمرؓ کے دور میں قیام تیئس رکعات کا تھا۔ علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ ان تیئس رکعات میں تین رکعات وتر کی ہوتی تھیں۔ عمدۃ القاری (۸/۲۴۶)۔ اب حارث کی روایت بالکل یزید بن خصیفہ کے شاگردوں کی روایات کی طرح ہے صرف اتنا فرق ہے کہ وہاں صرف وتر کا ذکر تھا اور یہاں حارث کی روایت میں وضاحت سے تین رکعات وتر کا ذکر ہے۔ اور مولانا ارشاد اثری غیر مقلد لکھتے ہیں: الحدیث یفسر بعضہ بعضا۔ کہ ایک حدیث دوسری کی وضاحت کرتی ہے۔ توضیح الکلام (۱/۴۸۹، ۵۴۴)۔ الغرض حضرت سائبؓ سے ان کے دونوں شاگرد یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبدالرحمٰن اور پھر ان کے سب شاگرد متفق ہو کر نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے دور میں صحابہ کرامؓ اور تابعین کرام بیس رکعات پڑھتے تھے اور ان کے بیانات میں باہم کوئی اختلاف نہیں۔ اس کے بالمقابل حضرت سائبؓ کے تیسرے شاگرد محمد بن یوسف کے شاگردوں کی روایات میں شدید اختلافات ہونے کیوجہ سے وہ روایت مضطرب ہے۔

متعلق دیگر آثار سے بھی ہوتی ہے جبکہ محمد بن یوسف کی روایات کی تائید میں ایک روایت بھی ایسی نہیں ہے جو ان کی روایات کی تقویت کا سبب بن سکے۔

غیر مقلدین کے چند شبہات

قارئین کرام:

غیر مقلدین کی طرف سے آٹھ تراویح کے اثبات میں پیش کردہ دلائل کا جائزہ تو آپ نے بخوبی لے لیا کہ غیر مقلدین کے پاس ایک بھی ایسی ٹھوس دلیل نہیں کہ جس سے صرف آٹھ رکعات کا رسول اللہ ﷺ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہونا ثابت ہو سکے۔

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اختتام کتاب سے قبل ان کے عوام میں پھیلائے گئے چند اہم شبہات کی بھی وضاحت کرتے جائیں تا کہ سطحی الذھن عوام ان کے مکر وفریب میں نہ آسکیں۔

وماتوفیقی الّا باللہ۔

شبہہ اولیٰ: علامہ ابن الحمامؒ جو فقہ حنفی کے مشہور محقق اور مجتہد ہیں، وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ صرف آٹھ رکعات ہی سنت ہیں باقی بارہ رکعات مستحب ہیں [1]۔

اسی طرح علام ابن نجیمؒ نے البحر الرائق میں اور علامہ طحطاویؒ نے شرح درمختار میں شیخ ابن الھمام کی بات کو بلا انکار نقل کیا ہے [2]۔

جواب: علامہ ابن الھمامؒ بیس رکعات تراویح کا انکار نہیں کرتے۔ البتہ وہ ان بیس میں سے صرف آٹھ رکعات کو سنت اور باقی بارہ رکعات کو مستحب کہتے ہیں۔ ان کا یہ قول ان کے تفردات میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ اور علامہ عبدالحی لکھنویؒ وغیرہ علمائے کرام نے تصریح کی ہے کہ یہ ان کا تفرد ہے اور ان کے علاوہ امت مسلمہ میں کوئی بھی جلیل القدر ہستی اس قول کی قائل نہیں ہے [3]۔ اس مسئلہ کے علاوہ اور بھی کئی مسائل میں انہوں نے تفرد اختیار کیا ہے اور ان کے ایسے تفردات غیر معتبر اور

---

[1] صلوۃ الرسول (ص ۴۱۵)، انوار المصابیح (ص ۳۱) و دیگر کتب غیر مقلدین بحوالہ فتح القدیر (۳۳۴/۱) لابن الھمامؒ

[2] انوار المصابیح (ص ۳۲) [3] دیکھئے العرف الشذی (ص ۳۰۹)، حاشیہ ھدایہ (۱۵۱/۱) وغیرہ

ناقابل عمل سمجھے جاتے ہیں خود غیر مقلدین کو بھی اس کا اقرار ہے۔

علامہ ابن الھمامؒ کے تفردات غیر مقلدین کی نظر میں:

غیر مقلدین کے مشہور عالم مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں: علامہ ابن الھمامؒ کو فقہ حنفی میں اجتہادی مقام حاصل تھا۔ انھوں نے کئی مسائل میں اپنے ہم فکر علماء سے اختلاف کیا ہے لیکن ان کے اختلاف کو خود علمائے احناف نے بنظر استحسان نہیں دیکھا۔ چنانچہ انہی کے شاگرد علامہ قاسم قطلو بغا اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں: شیخ ابن ہمامؒ کے وہ مباحث جو مذہب کے مخالف ہیں، ان پر عمل نہ کیا جائے [1]۔ علامہ قاسمؒ کا یہ قول علامہ کشمیریؒ نے العرف الشذی (ص ۵۰) میں بھی نقل کیا ہے۔ لھذا حنفی مذہب کے خلاف ان کا جو بھی قول ہوگا وہ مقبول نہیں ہوگا چہ جائیکہ اسے حنفی مذہب باور کر لیا جائے [2]

مولانا محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد ایک مسئلہ کے ذیل میں لکھتے ہیں: علامہ ابن الھمام حنفی باوجود فقیہ ہونے کے اس سواد اعظم سے شذوذ فرماتے ہیں [3]۔

اب غیر مقلدین خود ہی بتلائیں کہ اس سے زیادہ ہم ان کی کیا تسلی کرا سکتے ہیں۔

کیا ہی خوب ہو کہ غیر پردہ کھولے　　　جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

باقی رہا مولانا نذیر رحمانی صاحب کا یہ کہنا کہ علامہ ابن نجیمؒ اور علامہ طحطاویؒ نے بھی شیخ ابن الھمامؒ کے اس قول کو بلا انکار نقل کیا ہے۔ لھذا ان کا بھی یہی نظریہ ہے تو رحمانی صاحب کی یہ غلط فہمی ہے کیونکہ یہ دونوں بزرگ دیگر علمائے اہل سنت کی طرح بیس تراویح کے مسنون ہونے کے قائل ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن نُجیمؒ رکعات تراویح کے متعلق اپنا نظریہ یوں بیان فرماتے ہیں: وسن رمضان عشرون رکعة وعلیه عمل الناس شرقاً وغرباً [4]۔

رمضان المبارک میں مسنون بیس رکعات ہیں اور اس پر تمام مشرق و مغرب کے لوگوں کا عمل ہے۔

اسی طرح علامہ طحطاوی بھی بیس رکعات کو سنت کہتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: وہی عشرون رکعة۔ الحکمة فی تقدیرھا بھذا العدد مساوات المکمل وھی السنن للمکمل وھی

---

[1] البحر الرائق (۱۲۵/۵) [2] توضیح الکلام (۵۴۵/۲) [3] التحقیق الراسخ (ص ۲۲) [4] البحر الرائق (۷۲/۲)

الفرائض الاعتقادية والعلمية [1] ۔اور تراویح کی بیس رکعتیں ہیں اور تراویح کی بیس رکعات ہونے میں حکمت یہ ہے کہ مُکَمِّل جو (بیس رکعات) سنن ہیں وہ مکمل جو فرائض علمیہ و اعتقادیہ ہیں، کے برابر ہو جائے ۔لھذا یہ کہنا غلط ہے کہ ان دونوں حضرات کا نظریہ بھی علامہ ابن الھمام کی طرح ہے۔

انھوں نے علامہ ابن الھمام کا قول نقل کیا ہے تو وہ محض ان کا تفرد بتلانے کیلئے ہے، یہ نہیں کہ یہ دونوں بھی علامہ ابن الھمام کی طرح آٹھ رکعات کے سنّت اور بارہ رکعات کے مستحب ہونے کے قائل ہیں بلکہ انہوں نے تو بیس رکعات کو سنت کہہ کر شیخ ابن الھمام کے قول کی تردید کر دی ہے۔

شبہ ثانیہ: مولانا نذیر احمد رحمانی لکھتے ہیں کہ: شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب ماثبت بالسنۃ میں لکھا ہے کہ: بعض سلف حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کے عہد میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے تا کہ ان کا عمل رسول اللہ ﷺ کے عمل کے مطابق اور مشابہ ہو۔ یصلون جمع کا صیغہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایسا کرنے والے متعدد حضرات تھے۔ نیز اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس عمل کا داعی اور محرک کوئی اجتہادی عمل نہ تھا بلکہ محض رسول اللہ ﷺ کی سنت کے اتباع کا جذبہ ہی اس کا محرک اور داعی تھا [2] ۔

الجواب: اس اثر سے استدلال کئی وجوہ سے باطل ہے۔ اوّلاً: شیخ عبدالحق نے اس کی کوئی سند ذکر نہیں کی اور مولانا ارشاد الحق اثری صاحب غیر مقلد ایک اثر کے بارے میں لکھتے ہیں: امام ابن قدامہ نے اس اثر کی کوئی سند ذکر نہیں کی ۔لھذا بلا سند کوئی بات مقبول نہیں: [3] ۔

اب امام ابن قدامہ جیسے محدث کی بات غیر مقلدین کے نزدیک مقبول نہیں تو پھر شیخ عبدالحق جن کا درجہ یقیناً ابن قدامہؒ سے کم ہے، ان کی بات بلا سند کیسے مقبول ہوگی! فیاللعجب ۔ بلکہ خود شیخ عبدالحقؒ نے اپنے اس قول کو روی صیغہ تمریض سے ذکر کر کے اس قول کے ضعیف اور غیر معتبر ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ ثانیا: حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے عہد سے متعلق اس اثر کی کوئی سند موجود نہیں۔ اس کے بالمقابل صحیح السند اثر سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے دور میں لوگ چھتیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے [4] ۔

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح (ص ۲۲۵) [2] انوار المصابیح (ص ۳۸۰) [3] توضیح الکلام (۱/ ۱۱۷) [4] مصنف ابن ابی شیبہ (۲/ ۲۸۵)، قیام اللیل (ص ۹۱)

اسی طرح ان سے یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے قاریوں کو چھتیس رکعات تراویح پڑھنے کا حکم دیا تھا[1]۔ بلکہ خود غیر مقلدین کے محدث اعظم حافظ عبداللہ روپڑیؒ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ: حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں چھتیس رکعات پڑھی جاتی تھیں [2]۔

اب ان صحیح السند آثار کو چھوڑ کر شیخ عبدالحق دہلوی کے ذکر کردہ بلاسند قول کو گلے لگا لینا یہ غیر مقلدین کا محض تجاہل عارفانہ ہے۔

ثالثاً: اس میں بعض سلف کا ذکر ہے اور بعض سلف نامعلوم ہیں کہ وہ کون لوگ تھے؟ حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: نامعلوم لوگوں کا عمل کوئی شرعی حجت نہیں [3]۔

رابعاً: اس اثر سے تو یہ بھی ظاہر نہیں کہ وہ بعض نامعلوم لوگ گیارہ رکعات تراویح کی پڑھتے تھے یا تہجد کی پڑھتے تھے؟ فاذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

شبہ ثالثہ: مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ: نبی ﷺ سے تراویح کی آٹھ ہی رکعتیں صحیح طور پر ثابت ہیں۔ بیس رکعات والی روایت کی سند ضعیف ہے اور اس کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے [4]۔

جواب: علامہ کشمیریؒ کی تحقیق فی رکعات التراویح۔

علامہ کشمیریؒ موجودہ غیر مقلدین کی طرح صرف آٹھ رکعات کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ بھی دیگر علمائے اہل سنت کی طرح بیس رکعات کو مسنون سمجھتے ہیں انہوں نے اگرچہ بیس رکعات والی مرفوع حدیث کو ضعیف کہا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اس کو باعتبار عمل کے صحیح کہتے ہیں۔ چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول: ما کان عمر ؓ مبتدعا " کی شرح میں فرماتے ہیں: لابد من ان یکون لها اصل نبی ﷺ وان لم یبلغنا بالاسناد القوی: [5] ضروری ہے کہ ان بیس رکعات کیلئے کوئی اصل نبی ﷺ سے ہو اگرچہ وہ ہم تک قوی سند کے ساتھ نہیں پہنچی۔ حضرت شاہ صاحبؒ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بیس رکعات

---

[1] قیام الیل (ص ۹۲) [2] اہلحدیث کے امتیازی مسائل (ص ۱۰۱) [3] تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۳۰)

[4] انوار المصابیح (ص ۱۷۲)، تعداد رکعات قیام رمضان (ص ۲۳)، بحوالہ العرف الشذی (۱/۱۶۶) [5] العرف الشذی (۱/۳۰۸)

تراویح پر تمام امت کا اجماع ہے اور بیس سے کم رکعات کا کوئی بھی قائل نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: لم یقل احدمن الائمۃ باقل من عشرین رکعۃ فی التراویح والیہ ذھب جمھور الصحابۃ رضی اللہ عنہم ا ۔ ائمہ میں سے کوئی بھی امام بیس تراویح سے کم کا قائل نہیں اور بیس تراویح ہی اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے۔

علامہ ابن الھمام کے قول کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقال ابن الھمام ان ثمانیۃ رکعات سنۃ مؤکدۃ وثنتی عشرۃ رکعۃ مستحبۃ وما قال لھذا احد ٢ ۔ علامہ ابن الھمامؒ فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعات سنت مؤکدہ ہیں اور بارہ رکعات مستحب ہیں لیکن اس طرح کی بات (ان کے علاوہ) کسی نے بھی نہیں کہی۔

نیز شاہ صاحب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیس رکعات مقرر فرمانے کے بارے میں فرماتے ہیں:

فقد تلقاہ الامۃ بالقبول ٣ ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو امت کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہے۔

حضرت انور شاہ صاحبؒ کے مذکورہ بالا اقتباسات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ بیس رکعات کو ہی سنت کہتے ہیں اور وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بیس رکعات والی روایت ضعیف ہونے کے باوجود حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور پوری امت کے عمل سے مؤید ہے اور حضرت شاہ صاحب کے نزدیک اگر کوئی حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف بھی ہو لیکن تلقی بالقبول کی وجہ سے وہ روایت قابل عمل ہو جاتی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: وذَھَبَ بعضھم الیٰ ان الحدیث اذا تأیدھا بالعمل ارتقیٰ من حال الضعف الیٰ مرتبۃ القبول۔ قلت وھو الاوجہ عندی ٤ ۔

بعض محدثین کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث جب امت کے عمل سے مؤید ہو جائے تو وہ ضعف کی حالت سے نکل کر درجہ قبول تک پہنچ جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک یہی بات زیادہ درست ہے۔

بنابریں غیر مقلدین کا حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ کے بارے میں یہ تاثر دینا کہ وہ صرف آٹھ رکعات کو سنت اور بیس رکعات کو ضعیف کہتے ہیں، یہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ

ا ایضاً ٢ ایضاً (ص ٣٠٩) ٣ ایضاً ٤ فیض الباری (٣/٤٠٩) ٥ فیض الباری (٣/١٨١)

ہرگز صرف آٹھ رکعات کے سنت کے قائل ہونے کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ تو ان لوگوں کے بارے میں جو صرف آٹھ رکعات کے قائل ہیں، یہاں تک فرماتے ہیں کہ:

وامامن اکتفی بالرکعات الثمانیة وشذعن السوادالاعظم وجعلَ یرمیهم بالبدعة فلیر عاقبته ۔

جو شخص صرف آٹھ رکعات پر اکتفا کر کے سواد اعظم سے کٹ گیا اور وہ سواد اعظم پر بدعت کا الزام لگاتا ہے تو وہ اپنا انجام سوچ لے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ تمام مسلمانوں کو حق وصداقت پر قائم ودائم رکھے اور ہمیشہ سواد اعظم کی معیت واتباع نصیب فرمائے اور اہل حق کے ساتھ تعصب وعناد اور ہٹ دھرمی سے جملہ اہل اسلام کا مامون ومحفوظ رکھے۔

آمین بجاہ النبی الکریم وسیدالانبیاء والمرسلین وصلی اللہ تعالی علیه وعلی آله وصحبه وعلیٰ من اتبعهم باحسان إلی یوم الدین ۔

احقر العباد

ظهور احمد الحسینی غفرلہٗ

شوال المکرم ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۴ جنوری ۲۰۰۱ء

شب الجمعہ المبارک